

المصنفین دینی علمی و دینی ماہرینا
روہ ۱

مُبرکات

مرتب
سعدی احمد کسرا بادی

مطبوعات ندوة اہل حقین دہلی

ذیل میں ندوة اہل حقین کی کتابوں کے نام مع مختصر تعارف کے درج کئے جاتے ہیں تفصیل دفتر سے فہرست کتب طلب فرمائیے اس سے آپ کو ادارے کی ممبری کے قوانین اور اس کے حلقہائے محکمہ معاونین اور احباب کی تفصیل بھی معلوم ہوگی۔

<p>غلامان اسلام در پچتر سے زیادہ غلامان اسلام کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کی تفصیلی بیان قیمت پیر مجلد پیر</p> <p>اخلاق اور فلسفہ اخلاق - علم الاخلاق پر ایک جامع و محققانہ کتاب جس میں اصول اخلاق اور اخلاق اخلاق اور فلسفہ اخلاق پر مکمل بحث کی گئی ہے قیمت پیر مجلد پیر</p> <p>قصص القرآن حصہ اول - جدید ایڈیشن ندوة اہل حقین کی ماہ نامہ اور مقبول ترین کتاب زیر طبع قیمت پیر مجلد پیر</p> <p>بین الاقوامی سیاسی معلومات - یہ کتاب ہر ایک لائبریری میں رہنے کے لائق ہے قیمت پیر</p> <p>وحی الہی - مسند وحی پر پہلی معققانہ کتاب قیمت دو روپے مجلد پیر</p> <p>تاریخ انقلاب روس - ٹرائسکی کی کتاب کا مستند اور مکمل خلاصہ قیمت پیر</p>	<p>مسند اسلام میں غلامی کی حقیقت - مسئلہ غلامی پر پہلی معققانہ کتاب جدید ایڈیشن جن میں ضروری اصلاحیں بھی کئے گئے ہیں قیمت پیر مجلد پیر</p> <p>تعلیمات اسلام اور سچی اقوام - اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کا دلپذیر خاکہ قیمت پیر مجلد پیر</p> <p>سوشلزم کی بنیادی حقیقت - اشتراکیت کے متعلق پر فہم کمال دہلی کی آئندہ تقریریں کا ترجمہ برمنی سے پہلی بار اردو میں منتقل کیا گیا ہے قیمت پیر مجلد پیر</p> <p>ہندستان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ - مسند نبوی علی صلعم - تاریخ ملت کا حصول جس میں سیرت سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص ترتیب سے لکھا گیا ہے قیمت پیر</p> <p>فہم قرآن - جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو مرتب کیا گیا ہے اس موضوع پر بہت انگلی کی مکمل کتاب قیمت پیر مجلد پیر</p>
--	--

برہان

شمارہ (۱)

جلد پنجم

رجب ۱۳۶۲ء مطابق جولائی ۱۹۴۵ء

فہرست مضامین

- | | | |
|----|--|---------------------------------|
| ۲ | عتیق الرحمان عثمانی | ۱۔ نظرات |
| ۵ | مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی | ۲۔ تدوین فقہ |
| | | ۳۔ اسلامی رعایات اور ان کا تحفظ |
| ۳۰ | جناب پروفیسر سید محمد جمیل صاحب واسطی ایم اے | تعدد ازدواج |
| | | ۴۔ زمہ داری ابی سلمیٰ |
| ۴۱ | ڈاکٹر محمد یوسف صاحب ایم اے۔ پی ایچ ڈی | سوانح حیات اور کلام پر تبصرہ |
| | | ۵۔ ادبیات |
| ۵۴ | جناب بدر جلالی بی اے | کلام بدر |
| ۵۸ | م۔ ح | ۶۔ تبصرہ |

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نظرات

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے جو سیاسی، معاشی اور کلچرل اثرات دنیا پر پڑے
آج کون نہیں جانتا۔ انہی میں سے ایک عام اثر جس کو ہر جاہل اور عالم محسوس کر سکتا ہے، یہ ہے کہ
مغربی تہذیب نے اپنی خاص عریانی، فحاشی اور بے حیائی کے ساتھ جنم لیا۔ اور وہ ان خصوصیات
کے ساتھ تمام دنیا پر ایک ابتلائے عام کی صورت میں مسلط ہو گئی، اس کا سبب صاف ظاہر ہے
چار سالہ جنگ میں لاکھوں مردندراجل ہو چکے تھے اور اسی تناسب سے لاکھوں عورتیں اور جوان
لڑکیاں بے شوہر ہو گئی تھیں یا باپ اور بھائی کی سرپرستی اور نگرانی سے آزاد ہو کر فقر و فاقہ کے
مصائب سے دوچار ہونے کے لئے زندہ رہ گئی تھیں۔ ایک وسیع اور طاقتور حکومت عورتوں کی
اس کثیر تعداد کے لئے کھانے پینے کا انتظام آسانی سے کر سکتی ہے۔ چنانچہ یورپ کی حکومتوں نے
بھی یہی کیا، ان عورتوں کے لئے کارخانوں اور دوسری دفتری ملازمتوں کے دروازے کھول دیے
اس کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ ان غریبوں کے لئے اوسنے پونے پیٹ بھرنے کا سامان ہو گیا۔ لیکن ساتھ
ہی اس طریق کار نے معاشرتی زندگی کو حد درجہ متعفن اور گندہ بنا دیا۔ عورتوں میں اقتصادی آزادی
پیدا ہو گئی اور وہ الرجال قواموں علی النساء کے تید و بند سے نجات پا کر ہر ممکن من مانی
کارروائی کرنے پر آمادہ ہو گئیں۔ پھر چونکہ ان اقوام میں تعدد ازدواج قانوناً ممنوع تھا اور عورتوں
کی اتنی کثیر تعداد مردوں کی قلیل تعداد کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں ہو سکتی تھی۔ اس
بنا پر ان عورتوں کے لئے جو کارخانوں اور دفاتروں میں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کی
خوگر ہو چکی تھیں۔ جنسی خواہشات کی تکمیل و تسکین کے لئے بجز اس کے کوئی اور چارہ کار نہیں رہا
تھا کہ یہ آوارگی اور بد چلنی کی راہ اختیار کریں۔

چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام یورپ عیاشی اور بیکاری کے دلدل میں پھنس کر رہ گیا۔ اور چونکہ
 اس کو سیاسی اعتبار سے دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں بڑا تفوق حاصل تھا۔ اس لئے تقریباً
 م دنیا ہی اس رنگ میں رنگی گئی۔

جنگ جتنی زیادہ طویل سمہ گیر اور شدید ہوگی۔ اس کے اثرات مابعد بھی اتنے ہی وسیع اور
 سمہ گیر ہوں گے، موجودہ جنگ دنیا کی سب سے بڑی ہولناک اور عالم گیر جنگ ہے۔ اس بنا پر
 مزہ کیا جاسکتا ہے کہ پہلی جنگ کے مقابلہ میں موجودہ جنگ کے نتائج انسانی اخلاق و معاشرت
 کے لئے کس درجہ تباہ کن ثابت ہوں گے۔

پہلی جنگ نے اگر عورتوں کی عریانی کو تازانو پہنچایا تھا۔ تو اب نہیں کہا جاسکتا کہ اگر مزہ
 اخلاق کی بے قدری کا عالم ہی رہا تو یہ عریانی کس حد تک پہنچ کر دم لیگی۔

چنانچہ موجودہ جنگ کی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں مردوں کی تعداد کے کم ہو جانے کی وجہ
 سے وہاں کی عورتوں میں جو آوارہ مزاجی پیدا ہو گئی ہے اس کی خبریں ابھی سے اخبارات میں آنے
 لگی ہیں اور ان سے ایک صاحب بصیرت انسان بآسانی قیاس کر سکتا ہے کہ فضا کا یہ تکرار مستقبل
 میں کس ہولناک طوفان کے آنے کی خبر دے رہا ہے۔ امریکہ کے ایک رسالہ دی امریکن میگزین
 میں ایک یورپین فاضل ڈاکٹر ہنری بونن (Henry Bonnan) نے حال میں ہی ایک بیان
 شائع کرایا ہے جس میں موصوف نے کہا ہے کہ امریکہ کے بڑے بڑے شہروں میں اب مردوں اور
 عورتوں کی تعداد ایک اور دس کی نسبت میں رہ گئی ہے اور یہاں عورتوں کی ایک نئی قسم دیکھنے میں
 آتی ہے۔ یہ عورتیں جوق در جوق مٹروں پر چلتی پھرتی ہیں اور جہاں کہیں ان کو کسی ایک صو کی شکل نظر
 آتی ہے۔ یہ عورتیں اس مرد کو دیکھ کر بیٹی بجاتی ہیں اس کی طرف رومال اڑاتی ہیں اور طرح طرح
 کی ترکیبوں سے اس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

یہ حالت تو اب ہے جبکہ فوجیں ابھی تک واپس نہیں آئی ہیں۔ فوجوں کی واپسی کے بعد ان عورتوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کا اندازہ بھی مشکل ہے۔

اسی قسم کے خاص حالات کے پیش نظر اسلام میں تعدد ازواج کو مباح اور جائز رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے ایک سوسائٹی جنگ کے بعد بد اخلاقی اور بدکاری سے محفوظ رہ سکتی ہے اور اس طرح جنگ میں جتنے مردوں کا نقصان ہوا ہے اس کی مکافات بھی جلد ہی ہو سکتی ہے، ورنہ اگر آپ ان حالات میں بھی ایک مرد کو ایک سے زیادہ عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تو پھر دنیا میں کوئی تدبیر ایسی نہیں ہے جس کے ذریعہ آپ بد اخلاقی، بد چلنی، آوارگی اور ہوس پرستی کے سیلاب کا انسداد کر سکیں۔

اس سلسلہ میں سترانی بسنٹ نے اپنے ایک بیان میں خوب کہا تھا وہ کہتی ہیں۔

”مغرب میں اگرچہ رہنماؤں کا تو ایک ہی عورت سے شادی کرنے کا رویہ ہے لیکن دراصل وہاں بھی عملاً بغیر زبردستی کے تعدد ازواج پایا جاتا ہے ایک مرد کی کئی عورتوں کی ناجائز تعلق رکھتا ہے اور جیسا کہ ابھی بھرجاتا ہے تو جس کو چاہتا ہے چھوڑ دیتا ہے۔ اب اس مغرب کے لئے اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں رہتا کہ وہ بازاری عورتوں کی طرح گناہ کی زندگی بسر کرے جب ہم ہزاروں بے نصیب عورتوں کو دیکھتے ہیں کہ پورے بڑے بڑے شہروں کی گلی کوچوں میں رات کے وقت ان کے ٹھنڈے ٹھنڈے رستے ہیں تو اب ہمیں ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم تعدد ازواج کی وجہ سے اسلام کو برا بھلا کہیں۔ اسلامی احکام کی رو سے جو عورت اپنی سونکھ کے ساتھ کسی ایک مرد سے وابستہ ہو کر گھر میں باعزت زندگی بسر کرتی ہو اور اپنی گود میں جائز بچہ رکھتی ہو وہ یقیناً یورپ کی کئی عورتوں سے کہیں زیادہ بہتر اور خوش نصیب ہے جو کسی ایک مرد سے وابستہ ہونے کے بجائے مختلف لوگوں کے کئی تفریح کا سامان ہو کر زندگی گزارتی ہیں کوئی ان کا کفیل اور ذمہ دار نہیں ہوتا۔ گلی کوچوں میں ماری ماری پھرتی ہیں اور اگر ان میں سے کسی کے بچہ ہو جانا تو وہ اسے دلیر معصیت کی طرح سوسائٹی سے چھپاتی پھرتی ہے۔ اور ہر شخص انہیں نفرت اور حقارت سے دیکھتا ہے۔“

تدوین فقہ

(۷)

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ بینات

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

بہر حال جس طریقہ سے بھی دیکھا جائے مشاہدہ اور تجربہ کی راہ سے ہو یا قرآن و حدیث کی روشنی میں ہو، ہر حال میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ افراد انسانی کا اختلاف مصنوعی نہیں بلکہ قدرتی ہے، بنانے والے نے آدمی کی ساخت ہی ایسی رکھی ہے کہ باہم ان کا مختلف ہو جانا ناگزیر تھا، اس کے ازالہ کا خیال قدرت سے مقابلہ کا خیال ہے۔ البتہ اس قسم کے جلی غلات کے مفاسد کے روکنے کی کارگر تدبیر ہمیشہ سے ہی رہی ہے کہ ازالہ نہیں بلکہ امانہ کر کے بجائے نقصان کے ان سے نفع اٹھایا جائے اور اسلام نے یہی کیا بھی ہے، اس نے دین کے ایک حصہ کو توشیع عام اور استفاضہ کی راہ سے لوگوں میں اس طرح پھیلا دیا کہ خود شریعت کے العیاذ باللہ غلط یا صحیح ہونے کا احتمال تو ان قلوب میں پیدا ہو سکتا ہے جواب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہیں لائے ہیں۔

لیکن یہ بات کہ جس حصہ کو یہ کیفیت عطا کی گئی ہے وہ اسی دین کے اجزاء ہیں جس کی تبلیغ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اس کا انکار آدمی کے بس سے باہر ہے، مثلاً خود قرآن کا جو چیزیں اسلام کی راہ سے پہنچی ہیں جس راہ سے قرآن پہنچا ہے ان کا جو حال ہے، قرآن میں اسی کا نام "البینات" رکھا گیا ہے یعنی ان کا دین کے عناصر و اجزاء میں ہونا ایک ایسی کھلی بین حقیقت ہے جس کا انکار عقل و فطرت کے حدود سے خارج ہے، ان ہی "البینات" پر متفق و متحد کر کے مسلمانوں کے اختلافی پہلو کا امانہ ان امور کی طرف کر دیا گیا، جن کی حیثیت دین میں "البینات" کی نہیں ہے۔

یعنی "البینات" میں متفق و متحد ہو کر اگر غیر بینائی مسائل میں اختلاف بھی پیدا ہو جائے تو اس اختلاف کو ایسا اختلاف نہیں قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ایک ٹولی کا دین دوسری ٹولی کے دین سے یا ایک فرقہ کا مذہب دوسرے فرقہ کے مذہب سے جدا ہو جاتا ہے، اور یہی وہ بات تھی کہ ابتداء ہی سے یعنی عہد صحابہ ہی سے مسلمان ان امور میں مختلف ہو گئے رہے، لیکن نہ اس اختلاف کو انہوں نے چنداں اہمیت دی، اور یہ تو کبھی ہوا ہی نہیں کہ محض اس اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں کے کسی گروہ کو دوسرے طبقہ سے جدا کیا گیا ہو، بلکہ اس اختلاف میں افادے کے نئے نئے پہلو مختلف زبانوں میں مسلمان جو پیدا کرتے رہے، ان کی ایک حد تک تفصیل سنی جا چکی ہے۔

اس کا تو یہ ہے کہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں مختلف اقالیم و اصناف میں جن بزرگوں کے جن خدا داد کمالات کا ظہور اسلام کے مختلف شعبوں میں ہوتا رہا، اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کو بردہ کار لانے میں ان اختلافات کا بھی حصہ ہے، ان ہی کی تحقیق و تفتیش تنقید و تنقیح اور ان میں تطبیق و توفیق و ترجیح کی کوششوں ہی کا تو یہ نتیجہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی امانت و پیشوائی کے جلیل منصبوں پر وہ سرفراز ہوئے اور اپنی محنتوں، جان کا ہیول کا جو صلہ اس دن ان کے سامنے جب آئے گا جس دن ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا ہوگا، آج اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے، سورہ ہود کی مذکورہ بالا آیت کے متعلق بعض ارباب نظر کی نظر جو یہاں پہنچی ہے جسے قاضی بیضاوی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

اولیہ والی الرحمة یعنی ذالک کے اسم اشارہ کا اشارہ اختلاف کی

(ج ۱ ص ۲۸۹ مطبوعہ ہند) طرف بھی ہو، اور رحمت کی طرف بھی ہو۔

تو جہاں تک واقعہ ہے اس سے تو اسی کی تائید ہوتی ہے، مطالب یہ ہے کہ میلانات و رجحانات کے فطری اختلاف کے رخ کو "البینات" سے ہٹا کر جن لوگوں نے دین کے غیر بینائی حصہ کی تحقیق و تیسرے کی طرف پھیر دیا، ظاہر ہے کہ اپنے اجتہاد و کوشش کے صلہ سے وہ محروم نہیں ہو سکے اور محروم کیا معنی خدا کی رحمتوں اور کرامتوں کے وہ مستحق نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا،

پس کھلی ہوئی بات ہے کہ یہی اختلاف ان کے حق میں ذریعہ رحمت بن گیا، اور یوں ذلک کے اسم اشارہ کا اشارہ "اختلاف اور رحمت" دونوں طرف صحیح ہو جاتا ہے۔

بلکہ کل ان کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے اس کا ثبوت آج ہی اس سے مل رہا ہے، کہ کروڑ ہا کروڑ مسلمانوں کے قلوب نسلاً بعد نسل ان بزرگوں کے تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہیں اتنے لبریز کہ "رحمۃ اللہ علیہم" رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دعاؤں کے بغیر ان کا تذکرہ نہیں کر سکتے، آخر کوئی بات ہی تو ہے کہ کتب خانوں کے میاں جی بیچارے بھی تو بچوں کو قرآن ہی پڑھاتے ہیں، خدا کی باتیں ہی سکھاتے ہیں، مگر اعزاز و احترام کا وہ حصان کو کیوں نہیں دیا جاتا جو صرف ان بزرگوں کے ساتھ مخصوص ہے جنہوں نے خلائیاتی مسائل کے سلجھانے کی کوششوں میں اپنی جانیں لڑادی ہیں۔

یہی وہ وجوہ و اسباب ہیں جن کی بنیاد پر سمجھا جاتا ہے کہ انسانی افراد کے باہمی اختلافات کے ازالہ کی کوشش دنیا کے جن مکاتب خیال میں چاہا جاتا ہے، خواہ اس کا تعلق دین سے یا دنیا سے یا زندگی کے کسی شعبہ سے ہو یہ ایک لا حاصل کوشش اور بے معنی سعی ہے بلکہ یہ نصب العین خود اس نصب العین کی غلط اور باطل ہونے کی دلیل ہے۔

ضرورت جو کچھ بھی ہے وہ ازالہ کی نہیں، بلکہ صرف ازالہ کی ہے اور یہی تدبیر اسلام نے اختیار کی، مسلمان ابتداء سے اسی پر عمل پیرا رہے۔

۱۔ مجھے تو اس پر حیرت ہوتی ہے کہ انسانوں میں کوئی اونچا کیوں ہو اور نیچا کیوں ہو، اس سوال کے اٹھانے والے اس کے سوا اور کیا چاہتے ہیں کہ دنیا جو کچھ مان رہی ہے اس کو چھوڑ کر ان کی ماننے لگے، ان کو اپنا امام بننے اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلے۔ کیا خود یہ نظارہ اسی کا نہیں ہے کہ سب کو نیچا کر کے ایک ان میں اونچا بن رہا ہے یا بننا چاہتا ہے۔ آخر جاہ کی راہوں میں یہ نشیب و فراز ہر حال جب باقی ہی رہے گا تو بالفرض اگر مال کی حد تک ہمواری پیدا کرنے میں کامیابی بھی ہو جائے تو اس کا کیا حاصل، ضرورت کی حد تک مال کی طلب کا پیمانہ ہی کیلئے ہے۔ ضرورت تو اس کی بھی پوری ہوتی ہے جو غریب مہینہ میں دس پانچ سے زیادہ کما نہیں سکتا۔ معاشی تنگ و دو کی ساری گرم بازاری کے پیچھے غور کرنے والے جانتے ہیں کہ زیادہ تر آبر و جاہ ہی کا جذبہ چھپا ہوا ہے، اور اگر جاہ طلبی کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا تو دنیا میں ہوا آخرت میں افراد کے فطری کمالات کے ظہور کا ذریعہ ہی کیا رہ جائے گا۔

لیکن اچانک مسلمانوں کو کچھ دنوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ "مذہبی اختلاف" جس میں گوناگوں مصالح و منافع کی ضمانتیں پوشیدہ تھیں، ایک ایسا لفظ بن گیا ہے کہ زبان سے ادا صرف نکلا نہیں اور مٹیا نیاں چڑھ گئیں، حقارت و نفرت کے جذبات میں تلاطم پیدا ہو جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شدید ترین جرم ہے جس کے مسلمان مرتکب ہیں، ان پر تو زبانیں بے ظاہر نہیں کھلتیں، جن پر زبان کھولنے نتیجہ اگر اپنے خون سے نہیں تو کم از کم اپنی عزت و آبرو سے کھیلنا بن جاتا ہے، لیکن لعنت کی کوئی قسم اور ملامت کا کوئی طریقہ باقی نہیں چھوڑا جاتا جو عام مسلمانوں پر نہ برسائے جاتے ہوں، وہ دھتکارے جاتے ہیں، دروازے جاتے ہیں، اسی قصور میں کہ مذہبی "اختلافات" کے قصوں کے مٹانے میں وہ اب تک کامیاب نہیں ہو سکے، ذمہ داری اسی کی تھوپی جاتی ہے مذہبی پیشواؤں کے سر اور دھجیاں اس کے بعد بکھیری جاتی ہیں ان غریبوں کے جبہ و دستار کی۔

یہ حال ہے جس میں کسی ایک ملک ہی کے مسلمان مبتلا نہیں ہیں بلکہ تقریباً آج جہاں کہیں ایسے مقامات میں مسلمان آباد ہیں جہاں کسی نہ کسی بھیس میں مغربی تہذیب تمدن کے تپشیرے پہنچ سکے ہیں، سب کی یہی کیفیت ہے؟

وقت آ گیا ہے کہ کچھ اس کے متعلق بھی عرض ہی کر دیا جائے، طوالت تو بڑی چلی، لیکن جس نے طوالت کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے، ڈر ہے اگریوں ہی خاموشی اختیار کی گئی، جیسے اب تک کی جا رہی ہے تو اس کا طول و عرض حد سے زیادہ نہ متجاوز ہو جائے، میں نے کسی موقع پر اشارہ کیا تھا کہ مسلمانوں کے حال کو ان کے ماضی سے بے تعلق کر کے جب تک توڑا نہیں گیا تھا اس وقت تک ان "مذہبی اختلافات" کی ضرر رسانی کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہ تھی، بلکہ بالعکس اس کے ہمیشہ ہر دور میں بزرگوں نے اس کے افادی پہلوؤں ہی کو مسلمانوں پر واضح کرنے کی کوشش کی۔ دراصل ان اختلافات کی تاریخ کا یہی وہ ماضی تھا، جس سے بتدریج مسلمانوں کو جدا کیا جا رہا ہے اور تم بالائے تم یہ ہو کہ اپنے ماضی سے توڑنے پر بس نہیں کیا گیا، بلکہ کچھ ایسے حالات پیدا ہوتے جا رہے ہیں یا قصداً کئے جا رہے ہیں جن کی بدولت انہوں سے ٹوٹ کر شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلمان اپنے حال کو

جن قوموں کے ماضی سے جوڑ رہے ہیں جن کا ماضی مسلمانوں کے ماضی سے مختلف بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ بالکل مختلف ہے، لیکن مذللہ یہ ہو رہا ہے یا دیا جا رہا ہے کہ وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔ پس انسانوں کی تاریخ ماضی کا مطالعہ انسانوں ہی کے حال کی تصحیح کے لئے اگر کیا جائے اس کے سوافطری قاعدہ اور تہوی کیا سکتا ہے۔

لیکن میں اس کو مغالطہ اور بدترین قسم کا مغالطہ یقین کرتا ہوں، تفصیل کے لئے توشیح ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ لیکن میں جو کچھ کہتا چاہتا ہوں اس کا خلاصہ شہرہ یہ ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مذہبی اختلافات کے باب میں مسلمانوں کی اگلی نسلیں کے بوجہ حساسیت تھی۔ غالباً اس کا ایک معتد بہ اور کافی حصہ آپ سُن چکے اب ذرا آئے۔ جن قوموں کی ماضی کا یہ جیسے انسان باور کرا کے اپنے حال کی تصحیح کے لئے ہم سے مطالعہ کرایا جا رہا ہے وہ ہم آج ان کو مطالعہ کر رہے ہیں، واقعہ ان کے ماضی کی صحیح اور سچی داستان مذہبی اختلافات کے مسئلہ میں کیا ہو جس سے صرف اشارے کروں گا۔ کیونکہ واقعات سے کم و بیش لوگ آگاہ ہیں، البتہ ان کے متعلق جس نقطہ نظر کو اس تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں پیش کرنا چاہتا ہوں، عموماً اس سے غفلت برتی جاتی ہے۔

اس لئے میرا یہ بیان تفصیل کی نہیں صرف تنبیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اتنا تو سب ہی جانتے ہیں کہ مذہب کے متعلق آج یورپ کے احساسات کچھ ہی ہوں لیکن زیادہ دن نہیں گزرے ہیں، صدی دو صدی سے بھی شاید کم ہی مدت کہ یورپ ایک مذہبی اور عالمی قسم کا مذہبی ملک تھا۔ مختلف عوامل و موثرات، اسباب و وجوہ کے تحت آج سی سینکڑوں سال بلکہ ہزار ڈیڑھ ہزار سال بھی اگر کہا جائے تو یہ غلط نہ ہوگا کہ مذہب نے اس ملک میں اپنا ایک عجیب و غریب نظام قائم کر لیا تھا، وہی نظام جس کی عام تعبیر لفظ "کلیسا" سے کی جاتی ہے۔ یہ کلیسا اور اس کا قائم کیا ہوا نظام کیا تھا؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ ہزار ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ ہے۔ لیکن اتنا تو سب ہی جانتے ہیں کہ یہ ایک بے پناہ طاقت اور قوت تھی جو مذہب کے نام

مرد ہو یا عورت جوان ہو یا بوڑھا، غریب ہو یا امیر، حتی کہ چھوٹے چھوٹے راجپوتوں سے لیکر بڑے بڑے۔۔۔ جن تخت و تاج یا شوکت و جبروت سلاطین بھی طاقت و قوت کے اس آہنی شکنے میں کچھ سے طرح رکھے ہوئے تھے کہ کیسا کی مرضی کے حذف ہل بھی نہیں سکتے تھے، یہ مبالغہ نہیں و نقد ہے۔ جس دور کا یہ یورپ کی "تاریخ میں" قرون متوسطہ" رکھا گیا ہے، اور آج ان قرون متوسطہ کے گزرے مسلمانوں کی "تاریخ میں" بھی ڈھونڈھا جا رہا ہے۔ چاہا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کے گزرے قرون میں بھی کچھ ایسے قرون پیدا کئے جائیں جن کا نام بھی وہی ہو کہ "قرون متوسطہ" کا نام ہو اور ثابت کر دیا جائے کہ ان کے کام بھی وہی تھے جو یورپ کے "قرون متوسطہ" میں انجام دیے گئے۔

یہ بڑا بڑا بات ہے کہ مسلمانوں پر بھی کچھ عرصے قرون گزرے ہیں یا نہیں، جنہیں قرون وسطیٰ کہتے ہیں۔ یورپ کے قرون متوسطہ کا ہم دوش و ہم زلف قرار دیا جاسکتا ہو۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ یورپ کے قرون متوسطہ کے متعلق کلیہ کی بے پناہ قوتوں اور طاقتوں، عنان گیرت و اختیار کی جو داستان بیان کرنا ہے عینا وہ وہی ہے جو وہ بیان کرتا ہے۔

یہ بات کہ تفصیلات کا نہ تو یہاں موقع ہے اور نہ ان کی ضرورت ہے۔ صرف مولیٰ فی ہند مشہور حروف کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ "Abdoran Decretalis"۔
 ۲۔ سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ "Abdoran Decretalis"۔
 ۳۔ سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ "Abdoran Decretalis"۔
 ۴۔ سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ "Abdoran Decretalis"۔
 ۵۔ سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ "Abdoran Decretalis"۔
 ۶۔ سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ "Abdoran Decretalis"۔
 ۷۔ سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ "Abdoran Decretalis"۔
 ۸۔ سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ "Abdoran Decretalis"۔
 ۹۔ سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ "Abdoran Decretalis"۔
 ۱۰۔ سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ "Abdoran Decretalis"۔

دنیاوی حکام خواہ شہنشاہ ہوں یا بادشاہ وغیرہ ہرگز مجاز نہیں ہیں کہ عہدہ دارانِ کلیسا کا تقرر عمل میں لائیں اور عرصہ اور انگشتی سے اس کو سرفراز کریں۔

آگے تھا۔

اگر کوئی شہنشاہ یا بادشاہ یا ڈوک وغیرہ مذہبی ضرورت کے تقررات میں دخل دینے کی جرأت کرے گا تو وہ کفر و مرتد ہے۔ (ص ۲۰۰)

کفر و ارتداد کے اس پاپ کی فتویٰ کے بعد پادریوں کے اقتدار کا جو حال ہو سکتا ہے ظاہر ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ یورپ تو یورپ تمام دنیا کے مسیحی ممالک کے لئے ان کی تعمیل واجب و فرض سمجھی جاتی تھی۔ گرانٹ نے شاہ فریڈرک کے حالات میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ پوپ نے شہنشاہ کو کلیسا سے خارج کر دیا تھا اور یہ کم سے کم سزا تھی جو کسی بادشاہ کو پاپائی آستانہ سے بہ نظر ترجمانہ دی جاتی تھی، اثر صرف اس قدر تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں جو صلیبی لڑائیاں یورپ پوپ کی فتویٰ نمایوں کی روشنی میں لڑ رہا تھا، اس جنگ میں "کلیسا بدر" بادشاہوں کو شرکت کا استحقاق باقی نہ رہتا تھا۔ بہر حال فریڈرک کو بھی سزا دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا، جیسا کہ گرانٹ ہی نے لکھا ہے۔

جب وہ (فریڈرک) وہاں (بروسلم) پہنچا تو اسے کوئی پادری ایسا نہ ملا، جو تاج اس کے سر پر رکھتا (یہ ایک رسم تھی جو بادشاہوں کے لئے پادری ادا کرتے تھے) کیونکہ وہ کلیسا سے خارج ہو چکا تھا اس لئے اس نے قربانگاہ سے تاج اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے اپنے سر پر رکھ لیا۔ (ص ۲۹۸)

یہ چند سرسری اور عام باتیں ہیں، جن سے یورپ کی تاریخ کا شاید کوئی معمولی طالب علم بھی ناواقف نہ ہوگا۔ آپ ان حقائق کو اپنے سامنے رکھئے جن کا اصل صرف یہ ہے کہ کلیسائی نظام جو درحقیقت ایک انتہائی قسم کا آہنی سیاسی نظام تھا، لیکن اس کی جڑوں میں مذہب کے نام سے باور مستحاکمانہ تھا، بات بات پر خدا و خدا کے بیٹے اور خدا کے بیٹے کے حواری پطرس کے ناموں سے

طریقوں سے ان کو لوٹا کھسوا ہے، کیا ان کی تفصیل کی حاجت ہے؛ پروٹسٹنٹ فرقہ کے بانی لوٹھر کے متعلق تو کہتے ہیں کہ شروع میں کلیسا کی مخالفت پر اس کو جس چیز سے آمادہ کیا وہ ان پادریوں ہی کا پرانا دستور "جنت فروشی" کا تھا۔ گرانٹ نے اس قصہ کو درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بہتر نامی پادری، لوٹھر کے زمانے میں جرمنی آیا، ایک گرجے کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کرتا تھا، لیکن کس طریقہ سے،

• "اس نے لوگوں کے سامنے معافی کے پروانوں کی فروخت شروع کی۔"

اور یہ کہ

"اگر وہ چندہ دیں گے تو اس کے معاوضہ میں خود ان کے اعزہ و اجاب دوزخ کی

آگ سے محفوظ رہیں گے" (ص ۴۹)

اور یہ کوئی استثنائی مثال نہ تھی، کلیسا جس کا نظام برے ملک پر محیط اور حاوی تھا چپہ چپہ پر گرجوں اور خانقاہوں میں کلیسا کے لازم پادری اور شپ بیٹھے ہوئے اس کا انتظام کرتے رہتے تھے کہ نزع کی کیفیت کس ڈک یا نائٹ پر ہمارے علاقہ میں ظاری ہوتی ہے، لکھا ہے کہ پادری کا اس وقت مرنے والے کے سر ہات پر موجود رہنا ضروری تھا، مرنے والے کا دم دم نکل رہا ہے اور پادری صاحب مرتبہ سے سزا کھاتا کہ سیاہ سیاہ چہروں، نیلی نیلی آتشیں آنکھوں والے فرشتوں کی آمد کی اطلاع دیتے ہیں، جو اس گنہگار کی روح قبض کرنے کے لئے آدھکے ہیں نجات کی راہ صرف یہ بتائی جاتی ہے کہ کلیسا کے نام کچھ وقعت کیا جائے، خیانت نکالی جائے، کس کس جگہ اتنا سخت ہوگا جو ایسے وقت میں بھی نہ گھل جاتا ہوگا، علاقے کے علاقے ان تدبیروں سے کلیسا کی ملک میں مسلسل منتقل ہوتے جاتے تھے، خدا کی رحمت کی باضابطہ تجارت ہوتی تھی۔

اور یہ تو اس وقت کے قصے ہیں جب تک کلیسا کے خلاف لب بلبانے، پیشانی پر پلٹنے

کی بہت کسی میں نہ تھی، لیکن سوہویں صدی کی ابتداء میں جب لوٹھر کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا اور

خبرداروں کے ذریعہ سے لوٹا کھسوا ہوا، اس کے بعد انیسویں صدی کے قریب

قریب تک اسی غریب مذہب کے نام سے خون کی جھڑپیں کلیسا کی طرف سے جہانی گئیں، اس وقت سے جب وہیں صدی کے آخر میں مسیحیوں میں جو قتل عام پیرس کی گلیوں میں رومن کیتھولک (یعنی کلیسے کے سبھی) کی طرف سے ہڈیوں کے فرقہ کا کیا، خود تک قتل کا یہ بازار گرم رہا، پچیس سے ستر ہزار مختلف انداز کے زنیوں نے مقتولین کی تعداد بتائی ہے، حاملہ عورتوں کے بچوں کو میٹھی چکر زندہ نکالا، تو دیکھو کہ اس کی معصوم بچوں کو ڈال دیا جاتا تھا۔

دیہات میں دہائی بڑے ہو گئے تھے، سی کا نام، تھمب کا بڑا ہوتا ہے۔

وران قصور کو میں کہیں تک نقل کروں، کلیسا کے درویشوں اس کی ایک ایک اینٹ ایک ایک پتھر جس سے اس کی تہ بنی تھی، اس میں ایک سو سو کی آواز نکلی کر کرپس، کے گاؤں گاؤں گئے۔ کچھ ایسے لوگ جو تہ بنی تھی، گرتے صاعب سے ایک اور موقع پر ایک پانی دعویٰ ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

خود نے جہاں نام، اور دہشت بیوں کا ساتھ بتایا ہے، تاکہ ہم اس کے نام سے جہاں ہیں اٹھا دیکھیں تباہ کریں۔

پانی جہاں کا خیر رقت جو مذہب کے نام سے کیا جاتا تھا، اور اس تخریبی اقتدار مطلق کے بعد تعمیری اختیار کی تعبیر ان الفاظ میں کی جاتی تھی۔

ایا اگرچہ ہیں تو نگو بڑی کریں، اور نئی عورت بنائیں۔

گرتے صاعب سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کلیسا کا نام ادا کیا تھا۔

گردبادی حکومت سے بھی ہر جگہ توڑ دینی حکومات اس کی صلاح کر سکتی ہیں

بکس کر رہی تھی، کوئی غلطی نہ ہو تو اس کا تہ و تہ بنوا دے (۲۲)

گرتے صاعب سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کلیسا کا نام ادا کیا تھا۔

گرتے صاعب سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کلیسا کا نام ادا کیا تھا۔

(۴) صلیب، کسی قسم کا کوئی شخص ہو، ان چیزوں کے بہن لینے کے بعد وہ دنیا کی تمام قوتوں کی دسترس سے باہر ہو جاتا تھا ایک پوپ جس کا نام "بونیفیس" تھا اور مشہور شاعر "ڈانسٹ" کا معاصر تھا اس پر بیسویں قسم کے الزامات تھے، خود شاعر ڈانسٹ بھی اس کے شدید مخالفوں میں تھا لیکن مخالفوں کے محاصرہ میں اپنے آپ کو پا کر اس نے بقول گرانٹ،

"سینٹ پیٹر کی عجازی بدن کی قسطنطین کا تاج سر پر رکھا، اور بہشت کی کنجیوں

اور صلیب اپنے ہاتھ میں لیکر تختِ پاپائی پر جلوہ افروز ہوا" (ص ۳۳۷)

لیکن اس پر بھی بعض مخالفوں نے سخت دست سنا یا، بلکہ کہتے ہیں کہ اس بدعہ پوپ کے منہ پر زہ پوش کو لوٹانے گھونہ بھی مارا، حالانکہ وہ اپنے منصب کا پورا لباس پہنے ہوئے تھا۔ گرانٹ کا بیان ہے کہ یہ ایسا واقعہ تھا کہ

"بنائے زمانہ کو اس (مجرم پوپ) سے ہمدردی پیدا ہو گئی، وہ ان قصوں اور

روایتوں کو بھول گئے جو اس کے افعال و خصائل کے متعلق مشہور تھیں، حتیٰ کہ شاعر

دانٹے جو اس کا مخالف تھا مگر اس نے بھی ایک عظیم الشان نظم میں اس اندوہناک

واقعہ کا ذکر نہایت تاسف سے کیا ہے، اس کا قول ہے "سچ پھر حواریوں کے درمیان

مصلوب کیا گیا، سرکہ اور زہراں کے لبوں سے پھر لگایا گیا" (ص ۳۴۷)

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ پوپ تو خیر پوپ ہی تھے ان کے اعمال و افعال خصائل و عادات کی تفصیلات تو کتابوں میں پڑھئے، کلیسا کے دائرہ میں جو لوگ راہب بن کر زندگی گزارتے تھے، گرانٹ نے ان کی اخلاقی خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"بعض راہب تو پورے پورے ڈاکو بن گئے" (ص ۲۳۰)

اور یہ تو ابتداء میں ہوا، بعد کو دین اور دین کی نصرت و تائید کے نام سے صدیوں تک مذہبی اختلافات کے اس قصہ میں جو کچھ کیا گیا ہے، محکمہ تفتیش نے جو فرائض انجام دیئے ہیں، ایک فرقہ نے دوسرے فرقہ والوں کو موقع پانے کے بعد جن جن ہوش ربا، طرح طرح سے تہذیب و سنسکرت

کہ ہے یا زندہ جہاں ہے اور مختلف ترکیبوں سے مارا ہے، حساب لگانے والے کہتے ہیں کہ ان کی حدود میں رکھ کر تک پہنچی ہوئی تھی۔۔۔ اور یہ کہاں تک تفصیل کروں کہ اس راہ میں کیا کیا نہ کیا گیا۔ مذہب اور مذہبی نمائندوں کے متعلق کیا بتایا جائے کہ غریب یورپ کو کن کن تجربات سے گزرنا پڑا؟ ہم کس رہے ہیں اور ہر خون کھول رہا ہے صرف اس لئے کھول رہا ہے کہ کچھ بھی ہو، آخر وہ بیچارے آج تو زندہ ہی تھے۔ لیکن یورپ کو تو بھگتنا پڑا ہے۔ سال دو سال نہیں، صدی دو صدی بھی نہیں۔ ہر ڈیڑھ سو سال تک یورپ کے مذہب نے ان ہی آتشیں تاشوں کو اس کے آگے مسلسل پیش کیا۔ اب وریت یورپ کے مذہب اور مذہبی اخلاقات کے، مٹی کی تاریخ جس کا نام اس نے 'قرونِ متوسطہ' رکھا ہے۔

جنہوں سے نہیں سوچا ہے، اگر واقعی حقائق و واقعات کی روشنی میں وہ کچھ سوچنا چاہتے
 ہیں، خدایا! تو انہیں سوچنا چاہئے کہ اسلام کے مذہبی اختلاف کی تاریخ کو یورپ کے مذہبی
 اختلاف کی تاریخ پر عبور رکھنے کے لئے دن رات کتنے نئے نئے تاریخ سے بہرہ مند ہونے، واقعات معلوم
 کرنے، تاریخی وسوئیٹس پیدا کر رہے ہیں، دین کی نہ ہی علم ہی کی کیا کوئی سچی راستبازانہ خدمت انہیں
 دے رہی ہے؟

۱۔ سب سے پہلے ان نیک نیت لوگوں کے سامنے یہ عرض کرنا چاہیے کہ میں ان محنتی کنیزوں اور معصومانہ اشاروں کو بھی
 برا نہیں سمجھتا۔ لیکن ان کا ذکر یہاں تو اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کے متعلق یورپ کے مورخین کسی نہ کسی وجہ سے ایک
 ایک نکتہ اٹھاتے ہیں۔ مثلاً بعض مورخین یہ کہتے ہیں کہ ان کا تو نہ تو شرم ہے نہ حیا ہے کہ جن جن
 لوگوں کے ساتھ ان کا واسطہ پڑتا ہے ان کے ساتھ براہِ راست میل جول کرتے ہیں۔ لیکن کسی نہ کسی طرح ان
 لوگوں کو یہ سمجھانا چاہیے کہ ان کے یہاں یہ سب باتیں نہیں ہوتیں۔

ہر ایک کے لئے ایک خاص مقام کی ایک خاص ضرورت ہے۔ خود
میں نے اس بار میں کہ یہ غرضی غیر ٹیسٹ ہیں میں دسلوک کیا آج اس سے
سب سے سی ڈیور ہے نہ ہی ملک میں مسلمانوں کی حکومت چھ سو سال تک رہی

آج وہاں اسلام کا نام لیوا بھی کوئی نہیں ہے۔ سسلی ہو یا مالٹا یا وہ سارے جزائر جو مسلمانوں سے چھینے گئے۔ تقریباً سب کا یہی حال ہے۔ گرانٹ صاحب جنہیں اپنے آباؤ اجداد کی عیب پوشیوں میں کچھ کم بہارت حاصل نہیں۔ ایک موقع پر جرمنی کی لیک قوم فرینک نامی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
 "انہوں نے نہایت سختی کے ساتھ وہاں کے باشندوں کو عیسائی ہونے پر مجبور کیا۔"
 اسی پر اور اضافہ کرتے ہیں۔

"شارلی میں رچو سپانیہ کے مسلمانوں کا حریف مقابل تھا، یہی اپنے شکست خوردہ حریف کو ہمیشہ عیسائی ہونے پر مجبور کیا کرتا تھا، بغیر اس کے ان کے اظہار مطاعت کو قبول نہ کرتا" (ص ۳۵۱)

لیکن پھیلا دیا گیا کہ اسلام ہی دنیا میں بہ چبر پھیلا، حالانکہ مشکل ہی سے اس کا کوئی ایسا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے جو قابل تسلیم ہو۔

مخالف قوموں پر فتح پانے کے بعد قرونِ متوسطہ کے عیسائیوں کا عام دستور تھا کہ ان کتابخانوں کو جلا دیتے تھے، عبادت گاہوں کو ذبح خانے بناتے تھے۔ گرانٹ صاحب نے ایک موقع پر لکھا کہ حالانکہ اس قسم کے واقعات کے تذکرہ کرنے میں وہ بہت زیادہ محتاط ہیں۔ تاہم لکھتے ہیں۔
 "مسیحیت کی فتح کے ساتھ ہی افسوس ہے کہ فنونِ لطیفہ کے زائرینوں کو اس بے دردی سے تباہ کیا گیا کہ صفاتِ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"شعراء و فلسفیوں اور مورخوں کی ان تصانیف کے ساتھ بھی یہی برتاؤ روا رکھا گیا" (ص ۲۱۰)

اور یورپ کی تاریخ میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن ہم نے جو کچھ کیا ہے، تم بھی اسی جرم کے مجرم ہو، صرف اس کو دکھانے کے لئے کون نہیں جانتا کہ سکندریہ کے کتب خانہ کا لطیفہ تراشا گیا، جو بات نہ عقلاً درست ہو سکتی تھی اور نہ نقلاً، کوشش کی گئی کہ اسی کو صحیح اور درست

نات کر کے رکھ دیا جائے، اخیر یہ تو چند خارج، زبوت مثالیں تھیں، قصہ مذہبی اختلافات اور
 رستہ نہ گنج کا ہو رہا تھا، جو رب کی پری، سیکڑے چمک ان ہی ہنگاموں کا ایک خوش مرقع ہے
 کلیب اور کلیسا کے وابستوں نے جو کچھ کیا، یہ تو پچھلے زمانہ کی تازہ تاریخ ہے مشکل سے ان واقعات پر
 صدی ۱۷ صدی سے زیادہ مدت گزری ہے لیکن سچ پوچھئے تو عیسائیوں کا یہ حال ابتدا ہی سے تھا،
 ۱۹۷۷ء کے واقعات کے سلسلہ میں گرانٹ صاحب نے لکھا ہے،

”مختلف مسیحی فرقے، اس وحشیانہ پن کے ساتھ آپس میں لڑ رہے تھے، کہ صوبہ افریقہ کا

ایک بڑا حصہ ویران ہو گیا“ (ص ۲۶)

بہر حال ہو سکتا ہے کہ اسلام کے مذہبی اختلافات کی تاریخ سے آج جن نتائج کے پیدا
 کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، ان میں مغربی مورخین کے اس طرز عمل کو بھی دخل ہو کہ جو تیر
 ان کے کلچر میں جیسے ہوئے ہیں، ان ہی کو نکال نکال کر حسب عادت وہ اسلام کے سینے میں بھونک
 پاتے ہوں لیکن ان سے ہماری شکایت ہے کہ مجھے تو گلہ پنوں سے ہے، ان سے پوچھتا
 ہوں کہ اپنے دل کو سمجھنے کے لئے بجائے اپنی آنکھوں کے غیروں سے مانگی ہوئی آنکھوں سے
 من لہ کرنا کہاں تک درست تھا جن لوگوں کو اب تک اس کی توفیق نہیں ہوئی ہے، کا اثر تیر
 پیش کردہ بیانات ہی کے بعد ان میں خود تصویریت کے جذبہ غیرت میں کچھ جنبش پیدا ہو۔

خیر کچھ بھی موجب بنایا جائے کہ مذہب کے بائیس یورپ نے اپنے قرونِ متوسطہ میں
 جو کچھ دیکھا، اور کچھ مذہبی نمائندوں کی گفتگو سے سنا، کو دکھایا گیا ہے مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ
 کے ان حصوں میں۔ یہاں یہاں مسلمانوں نے کتب اور کہاں کلیسا کا نظام قائم کیا،
 مسلمانوں کا مذہب مسلمانوں کے عقائد میں یا ان کے سلاطین و امراء کے عقائد میں کن کن
 فرقوں میں فرق ہیں یا ان کے عقائد جو فرقہ بندیوں کی جاننے کی قدرتی ضرورت نے
 مسلمانوں میں مختلف فرقوں میں جن جاننے والے بزرگوں پر جمع کر دیا تھا، چہل کا علم کے ساتھ
 جو یہ فرقہ بندی قلعہ ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کی مذہبی تاریخ میں بھی مسیحیوں کے

مقرونِ متوسطہ کی تصویروں کو نمایاں کرنے کے لئے بنے چین و مضطرب ہیں ان ہی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ امتیاج کے، اس تعلق سے نفع اٹھاتے ہوئے کب کہاں، کس زمانے میں، کن لوگوں کی طرف سے اس دعویٰ کی منادی کی گئی کہ سب کچھ ان ہی کا ہے جو مذہب کے جاننے والے ہیں، نہ جاننے والوں کا کام صرف اس قدر ہے کہ جاننے والوں کی طرف سے جو کچھ جس شکل میں بھی انھیں عنایت کیا جائے صبر و شکر کے ساتھ اسے قبول کر لیں، صاف لفظوں میں دریافت کرتا ہوں بتانے والے خدا را بتائیں کہ مسلمانوں کے کن اماموں، کن مجتہدوں، کن فقیہوں، کن محدثوں، کن شکرلوں کی طرف سے ایسا وثیقہ پیش کیا گیا، کہ

”اسلامی ممالک پر حکمرانی کا حق صرف ان ہی کو حاصل ہے“

مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں نے کس خلیفہ یا بادشاہ کے عطیہ کو دنیا میں اس نام سے پیش کیا کہ جس کا ایک تھا، اس نے اپنا شنایابی کے شکرانے میں تمام شاہی محدثات، شاہی دارالسلطنت پر تمام صوبوں اور ضلالت و ممالک کے ساتھ قبضہ دلا یا ہے، کس کی طرف سے اس دعویٰ کا اشتہار کیا گیا کہ مذہب کی زندگی کا جن کو حق ہے، ان پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکتا، مسطنت کی عدالتوں کو ان کے مقدمات کی سننے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، دنیا کے سلاطین اور شاہزادے ان کے دست نگر ہیں، وہ جس بادشاہ یا بادشاہوں کے بادشاہ شاہ کو بھی جب چاہیں معزول کر سکتے ہیں، ان بیچاروں میں ایسا کون تھا جس نے شاہنشاہوں کی سرتاجی کا دعویٰ کر کے اعلان کیا ہو کہ خدا کے نام سے جسے چاہیں اکھاڑ پھینکیں، تباہ کر دیں، برباد کر دیں، نیست و نابود کر دیں، منتشر کر دیں، ہاتھ میں جنت کی کھجیوں کو لے کر معافی اور مرزیش کے پروانوں کی ان میں کس نے کب اور کہاں تجارت کی ہے، خدا کی رحمت کا سودا گران میں کون تھا، کس نرمان و کس عہد میں یہ باور کیا گیا کہ دنیا کی حکمتوں سے غلطی ہو جائے تو روحانی حکومت اس کی اصلاح کر سکتی ہے، لیکن روحانی حکومت سے اگر غلطی ہو جائے تو اس کا انصاف کرنے والا صرف خدا ہے۔

باوجود عیسائی ہونے کے، کلیسا کے پوپوں نے جو مذہب کی تشریح کی تھی، اس تشریح سے خدشہ کرنے والوں پر عیسائی مذہب کے پیشواؤں نے انتقام کی جواگ، مذہب کے ہمت برائی، دین کے نمائندوں نے قتل عام کے خوش سمنہ میں انھیں جو غوطے دیئے جس کے سننے سے اب بھی سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کیا مذہب اسلام کی تشریح کرنے والوں کی تاریخ میں اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ اس طرز عمل کو کسی پیمانے پر بھی روارکھا گیا ہے، اپنی اختلافات کے متعلق عام مسلمانوں کا جو نقطہ نظر بتدار سے آخر تک رہا، اس کا حال سنایا جا چکا ہے، ایک دونوں میں کوئی نسبت ہے؟

کلیسا کے مذہبی نظریات و آراء سے، اختلاف کرنے والوں کی تفصیل سے یورپ کی تاریخ بھری پڑی ہے، جو میرے سامنے بھی نہ آئے ہیں، لیکن مذہبی اختلاف کے جس لفظ نے یورپ کی سرزمین کو سینکڑوں سال تک بانوں کے خون سے رنگین رکھا، بچنے اسی مذہبی اختلاف کی جڑ، مسیحی مذہب میں مٹی ہوئی ہے، سننے ہو اس کے واقعات کیا ہیں، خود امام، لکھتا راوی ہیں۔

قال لما جرح المنصور دال لی جب بے سی خبیثہ منصور نے جرح کیا تو اس نے
عزمت علی ان امر بکتابک مجھ سے (یعنی نام، لکھتا ہے) کہا میں نے یہ پختہ ارادہ
ہذا لتی وضعته فتنسخر ثم کر رہا ہے کہ جو کتابیں آپ نے لکھی ہیں ان کی نقلیں کراؤں
ابعث الی کل مصر من مصر پھر مسلمانوں کے ہر شہر میں انھیں بھیج کر یہ فرمان
امسکین منها منیخۃ و کر دوں کہ لوگ صرف ان ہی کتابوں کے مطابق
امرهم ان يعملوا بما فیہا عمل کریں، ان کے حدود سے متجاوز نہ ہو کر کوئی اور
ولا یعتدوا الی غیرہ شیہ طریقہ نہ اختیار کریں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو خود تو کیا خیال آتا، ان سے اختلاف رکھنے والوں کے متعلق اس
 و شاہ میں خیال پیدا ہوتا ہے، اور پیدا کیا ہوتا ہے، پختہ ارادے کی شکل اختیار کر چکا ہے، تو اپنی عسکری
 و سیاسی قوت میں غالباً روئے زمین پر اس زمانہ کا سب سے بڑا طاقتور بادشاہ تھا، اپنی سلطنت کے
 مارے وسائل و ذرائع کو امام مالک کے قدموں پر اس لئے ڈال دیتا ہے کہ جو ان سے اختلاف رکھتے
 ہیں ان کا ہمیشہ ہمیش کے لئے غمناک کر دیا جائے اور جس تنہا کو منصور امام کے ہاتھ میں سے رہا تھا، اگر
 لکھتے تو کامیابی میں بھی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی، لیکن مذہبی اختلاف کے جس تماشے کو یورپ کے
 قرون متوسطہ اور مسیحی مذہب کے دور کلیسائیت میں دیکھا جا چکا ہے اب اسی اختلاف کے نتائج
 و اسلام کی تاریخ میں بھی چاہئے کہ سنا جائے اور بغوث عبرت سنا جائے، خلیفہ منصور کے اس ارادے
 سے مطلع ہونے کے بعد امام نے جو جواب دیا وہ یہ تھا۔

یا ائیر المؤمنین لا تفعل هذا لے مسلمانوں کے امیر آپ ہرگز اب نہ کیجئے،

یوں نہ کیجئے، خود ہی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فان الناس قد سبقتم الیہم سر نون سن پس، یہ ہے اس کے قول پہ پہنچ
 اقاویل و معوا احدیث و ردوا چکے ہیں حدیثیں، روایات، جیسے ہیں وہ تین روایت
 روایات و اخذ کل قوم باسبق کر چکے ہیں لوگوں کے اس مذہب پہ پہنچ چکی ہے
 الہم وداؤا فدیر الناس سی برد عالمیہ پر چکے ہیں، یہ دی کے باشندے
 و ما اختار اهل کل بلد منهم جو ہیں اپنے لئے اختیار کر چکے ہیں ان ہی کے ساتھ
 لانفہم۔ لوگوں کو چھوڑ دیجئے۔

جو اختلاف کر کے کہہ کر چھوڑ دیئے گئے، اگر دیا جائے گا، نیست و نابود کر دیا جائے گا
 یہ جنہوں نے اختلاف کیا وہ کہہ کر چھوڑ دیئے گئے، یہ کہہ کر چھوڑ دیئے گئے، مذہبی حق، قاست
 کے حفظ کے لئے یہ نتائج یورپ کے قرون متوسطہ پہ پہنچ گئے، اور آپ قرون متوسطہ میں یوں کے
 جن قرون کو قرار دینا چاہتے ہیں سی مذہبی اختلاف کے رکھنے والوں کو جب بریاد کر سنے

اٹھارے پھینکے، نیت و ناپاؤ دکر نے کا ارادہ اور سختہ ارادہ کیا گیا، تو جس سے اختلاف کی وجہ سے یہ ارادہ کیا گیا، مگر نہ صرف، خدشہ کرنے والوں کو بندہ ان کے اختلاف کو بھی میرت و زیور بننے سے بچایا، و ہمیشہ کے لئے بچایا۔ کہنے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد منصور کے بعد عباسی حکومت کا جو تیسرے خلیفہ ہارون الرشید تھا وہ بھی حج کے سلسلہ میں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ پہنچا ہے۔ امام مالک سے اس کی بھی ملاقات ہوتی ہے۔ امام مکی اس قصہ کے بھی راوی ہیں۔

شاورنی ہارون الرشید ابن الرشید نے مجھ سے اس باب میں مشورہ کیا کہ
فی ان یعلق الموطاء فی خانہ کعبہ میں الموطاء امام مالک کی کتاب لٹکا دیجئے
الکعبہ و یعمل الناس و رعایا مسلمانوں کو اسی کے متعلق عمل کرنے پر
علی مانیہ آمان کیا جائے۔

جواب میں اس وقت بھی امام نے ہی فرمایا۔

لا تفعل فان اصحاب رسول الله ایسا نہ کیجئے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
صلی اللہ علیہ وسلم اختلافی صحابہ اسلام کے فروعی مسائل یعنی البینات میں
انفروء و تعرفوا فی البلدان و نہیں، باہم اختلاف رکھتے تھے وہی لوگ مختلف
کل مصیب سند تبدیلیں میں بھی آگئے، ان میں ہر ایک حق و صواب پر تھا۔

مطلب وہی تھا کہ اختلاف کی یہ شکل اسلام میں کوئی نئی چیز نہیں ہے، نبوت کے صحبت یافتہ یا
مذہب س کے زوال کی کوشش نہیں کی، بلکہ زیادہ تر یہ اختلافات ان ہی کے اختلافات پر مبنی ہیں، تو
میں نے جو طریقہ فقہا کر یا ہے، اس سے خواہ مخواہ ہٹانے کی ضرورت کیا ہے۔

تکلیفیت کا شبہ اگر کچھ ہو سکتا تھا تو ہماری فقہ کے ان ہی مذاہب خیال کے متعلق ہو سکتا
ہے لیکن امام مالک نے ہی فقہی حقیقت میں سے ایک طریقہ کے امام الامہ ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں
کہ مقدار و اختیار کے وجود نہ ہی اختلاف کے ان الفاظ کو انھوں نے کتنا سبک اور نرم فرما دیا تھا۔

بعض کتابوں میں یہ بھی ہے کہ خود امام شافعیؒ فرماتے تھے۔

صلیٰ اللہ علیہ وسلم ابھرا بالبطلۃ میں نے صبح کی نماز پڑھی تو بسم اللہ کو زور سے نہ پڑھا

ولا فتیاء من ابی حنیفۃؒ اور قنوت کی دعا امام ابو حنیفہؒ کے شرم سے نہ پڑھی،

تقریباً اسی قسم کی بات ضعیفوں کے امام حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی منقول ہے ان کے پوتے گيا کہ وضو کے بعد جس کی نکیر چوٹی ہو یا اس نے حجامت (بچھا) لیا ہو، کیا اس کے پیچھے نماز آپ پڑھ سکتے ہیں، وجودیکہ امام احمدؒ مذہب تھا کہ ان چیزوں سے یعنی خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن صحابہ و تابعین میں ایک جماعت اس کی قائل نہ تھی، جن میں سعید بن المسیب مدینہ کے افضل تابعین بھی ہیں۔ امام احمدؒ نے جواب میں فرمایا۔

کیف الاصلی خلف سعید بن المسیب سعید بن المسیب کے پیچھے میں نماز کیسے نہ پڑھوں گا۔

دیکھ رہے ہو خود براہ راست اسلام کے فقہی مکاتب خیال کے ان ائمہ کا ذاتی خیال تھا ذات مذہب کی ان شکلوں کے متعلق کیا ہے، حنفیوں کے مشہور امام یعنی "الامام الثانی" قاضی ابو یوسف کے متعلق ہدایہ وغیرہ تک میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ عید کی نماز میں ہارون الرشید کے منشار کے سنبھلنے سے اپنے استاد امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر اس فتویٰ پر عمل کیا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے، بلکہ کتابوں میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ ہارون کے رشتہ قاضی ابو یوسف مدینہ میں ساتھ تھے، اس زمانہ کے دستور کے مطابق ہارون ہی کو عید کی نماز پڑھانی گئی، وضو کرنے کے بعد اس نے حجامت (پچھنے) کا عمل اپنے اوپر کرایا تھا جس میں خون نکلا، حنفی مذہب کی رو سے وضو ٹوٹ گیا۔ لیکن امام مالکؒ نے جو خون نکلنے سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں ہیں، اسی حال میں ہارون کو نماز پڑھانے کا فتویٰ دیا۔ قاضی ابو یوسفؒ نے حنفی مذہب کے ہاتھ باندھ کر پیچھے کھڑے ہو گئے، فصیحی خلف ولیم یحییٰ (ابو یوسفؒ نے ہارون کے پیچھے نماز پڑھی اور اسے نہیں لٹایا) یہ مسئلہ

اور میں تو کہتا ہوں کہ خود امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ راشدین قاضی ابو یوسف و محمد بن حسن
 الشیبانی وغیرہم حضرات میں فقہ کے تقریباً ہر باب میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں، اگرچہ
 عوام میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ ان اختلافات کی نوعیت اصولی اختلافات کی ہے، لیکن میں
 پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اصولی اختلاف یعنی دین کے "البنات" میں بحمد اللہ ان بزرگوں میں
 قطعاً کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے، اختلافات جو کچھ بھی ہیں وہ مذہب کے صرف غیر بنیاتی
 حصے متعلق ہیں، پھر یہ کہنا کہ دوسرے ائمہ اور امام ابو حنیفہؒ میں تو اصولی اختلافات ہیں، صحیح
 نہیں ہے، اور اگر اصولی اختلافات کا کچھ اور مطلب ہے تو کسی حیثیت سے بھی سوچا جائے، میں
 قطعاً اس فرق کے سمجھنے سے عاری ہوں، جس قسم کے اختلافات امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ و
 مالکؒ میں نظر آتے ہیں۔ بحسنہ اسی نوعیت کے اختلافات امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ میں
 بھی تقریباً شریعت کے ہر باب میں پائے جاتے ہیں۔ میرے نزدیک اس تاریخی عالم علامہ ہارون
 شہاب الدین المرحانی کی یہ تنقید جو قول مشہور پر انھوں نے کی ہے بالکل صحیح ہے۔ اور واقعات کے
 مطابق ہے، ان کی کتاب "ناظورۃ الحق" سے مولانا عبدالحی فرنگی علی نے "النافع الکبیر" میں
 نقل فرمایا ہے۔

لیت شعری فامعنی قولہما ان کچھ سمجھ میں نہیں آتا، لوگوں کا اس کی کیا مطلب
 ابابوسف و محمد و زفر و ان خالفوا ہے کہ ابویوسف و محمد و زفر نے بھی اگرچہ
 اباحنیفہ فی بعض الاحکام لکنہم امام سے بعض احکام میں اختلاف کیا ہے
 یقلدوہم فی الاصول ما الذی لیکن یہ لوگ امام ابو حنیفہؒ کی اصول میں
 پریدون بہ۔ تقلید کرتے ہیں۔

پھر خود ہی مرحانی نے بڑے سبب و تفصیل سے مختلف شواہد و نظائر کی روشنی میں یہ ثابت
 کر دیا ہے کہ اختلاف کی ان دونوں قسموں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے اسی لئے ان کا خیال ہے
 کہ امام شافعیؒ و مالکؒ وغیرہم حضرات کو جس طرح امام ابو حنیفہؒ کے مقابلہ میں مجتہد مطلق سمجھا

جوتا ہے کوئی وجہ نہیں کہ ابو یوسف و محمد وغیرہ کو بھی اجتہادِ مطلق کے اس منصب سے اتار کر
 "مجتہد مقلد" ٹھہرایا جائے۔ آخر میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ لوگ چونکہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے
 اس لئے اپنے آپ کو تلمیذ امام ابو حنیفہؒ ہی کی طرف منسوب کرتے رہے، اسی لئے کسی مستقل کتب
 خان کی حیثیت سے ان کے نظریات و عقائد نے شہرت حاصل نہیں کی، ورنہ بقول ان کے

یہ لوگ جو مقلد تھے ان کے لئے یہ بزرگ امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ ہی تھے

یہ لوگ جو مقلد تھے ان کے لئے یہ بزرگ امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ ہی تھے

یہ لوگ جو مقلد تھے ان کے لئے یہ بزرگ امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ ہی تھے

(نافع، بکیر ص ۱۵) جڑا ہوتا تھا۔

پھر یہ سب واقعہ ہے اور اسی کے ساتھ ہم یہ بھی جانتے ہیں جبکہ آئندہ تفصیل
 سے معلوم ہو گا کہ ان کی تدوین امامین کی ایک باضابطہ مجلس شوریٰ نے کی ہے جس میں
 لوایا صدر کی حیثیت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، اور ان کے تلامذہ جو مختلف علوم و فنون کے
 مسند تلامذہ میں سے تھے ان کی مشیت، ایمان کی تھی۔ سب باتیں ہیں کہ کتابوں میں امام کی رائے کے
 ساتھ ساتھ تلامذہ کے اختلافی رجحان کے ساتھ ہیں، یہ وہی تلامذہ ہیں جن کے
 آثار میں آج بھی اس میں ہیں۔ لیکن کوئی حائل تھی۔ نہ کہ ان کے ساتھ منفق ہونے پر کسی کو
 تنبیہ ملے جاتی تھی، نہ ہی سے جن مورخین امام سے ان کے شاگردوں کو اختلاف باقی رہتا
 تھا، ان میں سے کسی نے ان کے خلاف کوئی نوٹ کی جھٹ سے۔ تلامذہ درج کیا جاتا تھا، آئندہ
 معلوم ہو گا کہ ان کی اس مجلس میں جھٹ، تفسیر، سوال و جواب، فقہ، اصول و تنقید کی کتنی آزادی
 رہی تھی اور اس سے تلامذہ جو سمجھتے تھے کہ مذہبی مسائل کے ان اختلافات کی نوعیت
 ان کے شاگردوں کی کتابوں میں باقی رہی، ان کے ساتھ اختلاف رکھنے والوں کو اگر یہ
 سب باتیں سن لیں تو وہ نہایت خوش ہو جائیں گے۔ ان کے شاگردوں میں شمار کرتے تھے، تو ان تعلقات کا
 ہمیں اس میں کوئی شک نہیں تھا۔ ورنہ تلامذہ دوبارہ سو سال سے بغیر کسی دفعہ کے اور

شک و شبہ کے حقیقی نفع کی کتابوں میں اختلافات کے یہ سارے قصے جو نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں
 لہذا یہ خود دلیل نہیں ہے کہ مذہبی اختلافات کی جو نوعیت یورپ کے قرون متوسطہ میں کلیسا اور
 وابستگان کلیسا کے نزدیک یا ان کے مخالفوں کے نزدیک تھی اس میں اور مسلمانوں کے مذہبی
 اختلافات میں کسی قسم کی کوئی مشابہت یا کسی قسم کی کوئی مجابست نہیں ہے۔

مگر کیا کیجئے اور ان لوگوں سے کیا کہئے جن کے آگے مذہبی اختلافات کے اتفاق کا ٹکڑ
 غیر انہیں کہ اچانک یورپ کے قرون متوسطہ کی وہی مذہبی تاریخ ان کے سامنے آجاتی ہے۔ جن
 میں بڑے بڑے اہم اختلافات ہیں۔ بیک وقت یہ اثرات صاحب کے لکھا ہے۔ ایسی چیزیں
 ہمیں بڑے معرکہ آرا مسائل کی حیثیت رکھتے تھے مثلاً

”عشر ہائی میں غیری روئی اسسبل کی جائے یا بذا خمیر کی، روح القدس باپ کا

منظہر ہے، یا باپ و بیٹے دونوں کا سب سے اہم سوال یہ تھا کہ روم کے اسقف

کو تمام کلیسا پر تفوق حاصل ہے یا نہیں۔“ (تاریخ یورپ ص ۴۱۶)

اور یہ تھے یورپ کے قرون متوسطہ کے وہ مذہبی مسائل جن سے عیسائیوں کی ایک ٹولی کا دین
 دوسری ٹولی کے دین سے جدا اور قطعاً جدا ہو جاتا تھا، اتنا جدا کہ ان ہی اختلافات کے شعلوں میں
 صدیوں یورپ کے سارے ممالک جلتے رہے بجھتے رہے۔ بلکہ سچ پوچھنے تو آج بھی یورپ میں جو کچھ
 ہو رہا ہے، شعور کسی کو اس کا ہویا نہ ہو، لیکن انسانی نفسیات اور ان کے عمل و رد عمل کے قوانین
 سے جو واقف ہیں، اگر وہ غور کریں گے تو اس کے پیچھے بہت سے عوامل ہیں جن کی جنگاریاں جسمانی
 دینی نظر آئیں گی۔

(بقی آئندہ)

اسلامی روایات اور ان کا تحفظ

مقالہ سویم

تعدد ازواج

از جناب پروفیسر سید محمد جلیل صاحب فاضل ایم اے (کینٹ)

اس باب میں کثیرالازدواجی کے مضمون پر بحث کی گئی ہے جس سے مراد ایک مرد کا کئی عورتوں سے جنسی تعلق رکھنا ہے۔ ایک عورت کے کئی مردوں سے جنسی تعلق رکھنے کے لئے ان مقالوں میں پولی اینڈری (Polyandry) کا انگریزی لفظ بطور اصطلاح استعمال کیا گیا ہے۔

اس مقالہ میں مضمون زیر بحث کثیرالازدواجی ہے، پولی اینڈری نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام میں پولی اینڈری حرام ہے اور کثیرالازدواجی کی اجازت ہے۔ اس لئے اسلام پر مفسرین مصنفین کے حلقے کثیرالازدواجی کے جواز کی بنا پر ہی ہوتے رہے ہیں۔

ہندوستانی تاریخ میں درویدی کا واقعہ پولی اینڈری کی مشہور مثال ہے۔ گلگت اور تبت کے بدھوں اور بارہ کے گروگوں میں یہ رسم اب بھی رائج ہے۔ ظاہر ہے کہ قدیم زمانہ سے چلی آئی ہو درویدی پانچ پانڈروں سے بیاہی نہ جاسکتی، اگر یہ اس زمانہ کا عام رواج نہ ہوتا۔ ڈارلنگ پنجاب پریزینٹ۔ یعنی پنجابی کسان میں بھی پنجاب کی ایک جاہل غیر مسلم قوم میں اس رسم کے مروج ہونے کا ذکر کرتا ہے۔

کثیرالازدواجی ہندو میں جائز ہے۔ اس ضمن میں انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں پولی گامی (Polygamy) کے تحت لکھا ہے کہ ہندو اسی کے لئے چند ان پر جوڑ دیکر سب سے اس کا مطالعہ کر لینا چاہئے۔

ہندوستان کی تاریخ میں راجہ دسرتھ کی بیویوں کے جھگڑوں سے ہم خوب واقف ہیں۔ پندرہویں
صدی عیسوی میں ریاست وجیانگر کن کے حاکم دیوراجہ تانی کی بارہ ہزار بیویاں تھیں جن میں سے
دو تین ہزار کے قریب اس کے ساتھ مرنے کے بعد آگ میں زندہ جلائی گئیں۔ ۱۷

نظاہر ہے کہ راجہ دسرتھ اور دیوراجہ کے درمیان کثیرالازدواجی کی ایک واز اور مسلمہ روایت
ہے۔ اور یہ کم ہندوؤں میں آج بھی رائج ہے۔ ۱۹۱۱ء کی ہندوستان کی مردم شماری میں ہر ایک ہزار
ہندو آبادی میں آٹھ خاندانوں میں کثیرالازدواجی رائج تھی۔ مسلمانوں میں کثیرالازدواجی کی
مثالیں اس سے بھی کم ملتی ہیں۔ کیونکہ ہر مردم شماری میں ہندوؤں میں عورتوں کی تعداد
مردوں سے زیادہ ہوتی ہے اور مسلمانوں میں یہ تفاوت نہیں پایا جاتا۔ لہذا کثیرالازدواجی مسلمانوں
میں عملاً نہایت کم ہے۔

اسلام میں کثیرالازدواجی کی محض اجازت ہے۔ کثیرالازدواجی کا حکم نہیں ہے، اگر آپ
ایک مرد سے ایک ہی بیوی کے تعلق رکھنے کو اعلیٰ ترین ازدواجی زندگی خیال کرتے ہیں تو بھی آپ
اچھے اور سچے مسلمان رہ سکتے ہیں۔ یہ غلط ہے کہ تمام مسلمان چار بیویاں یا سب سے ہیں۔ اگر تمام
مسلمان مرد چار بیویاں کریں تو دنیا بھر میں عورتوں کی تعداد مردوں سے قریباً چار گنا ہونی
چاہئے، لیکن یہ نہیں ہے۔ تمام اسلامی ممالک کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ عام طور پر نصف
آبادی مردوں اور نصف عورتوں پر مشتمل ہے۔ لہذا کثیرالازدواجی مسلمانوں میں شاذ امر ہے
اور غیر معمولی حالات میں یہ اجازت مفید ہوتی ہے۔ البتہ غیر مسلموں میں مثلاً عیسائی ممالک
میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور پردہ رائج نہیں ہے۔ لہذا باوجود اس کے کہ وہاں
ایک سے زیادہ بیوی کرنے کی قانوناً ممانعت ہے۔ عمل جیسا کہ پچھلے باب میں اعداد و شمار سے ظاہر
کیا گیا ہے۔ کثیرالازدواجی و پولی اینڈری دونوں ہی رائج ہیں۔

مغیر ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے تھے۔ عیسائی بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ اپنی اخلاقی تعلیم اور صاف گوئی کی وجہ سے مصلوب ہوئے۔ اگر وہ کثیرالازدواجی کو ناجائز اور خدا کی لعنتوں میں سے خیال کرتے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ صاف گوئی سے کام نہ لیتے۔ لیکن حضرت عیسیٰ نے ایک دفعہ بھی نئے عہد نامے میں اس عبرانی روایت کو منسوخ نہیں کیا۔ مقدس رومی نیکن عیسائی راہب کامپ نیلا سنہ ۱۲۰۰ء میں اپنی کتاب "کیوی ٹاس سولس" یعنی شہر خوشید میں جس کا لاطینی سے انگریزی میں ترجمہ ٹیوڈر پبلشنگ کمپنی نیویارک نے شائع کیا ہے فرماتے ہیں

"مقدس رومی کلیسٹ کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے اپنے

مال و دولت کی طرح اپنی بیویوں کو بھی ہم کر لیا تھا" (ص ۲۹۴)

مگر عہد نامہ جدید سے حضرت عیسیٰ کا کوئی حکم اس حالت ازدواجی کے جواز میں بھی نہیں پایا جاتا۔ پیٹرین، مارٹن لو تھر کی سوانح عمری کی دوسری جلد میں مارٹن لو تھر کا یہ فقرہ تحریر فرماتے ہیں

"میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر ایک شخص ایک زیادہ بیویاں بیاہتا چاہے تو میں اس کو منع نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کا یہ فعل، بخیل مقدس کے احکام کے خلاف ہوگا"

مارٹن لو تھر عبرانی و یونانی و لاطینی زبانوں کے فاضل تھے اور پراٹسٹنٹ عیسائیت کے بانی ہیں۔ اور انھوں نے ایک جرمن امیر قلب عیس کو دوسری بیوی بیاہنے کی اجازت دی۔ اسی طرح انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مضمون پولی گامی Polygamy میں صاف درج ہے کہ کثیرالازدواجی انجیل کے احکام کے خلاف نہیں ہے۔

مارٹن لو تھر کی رائے عیسائیت کی ایک دلائل روایت سے منسلک ہے، عیسائی عمل اور عقیدہ کثیرالازدواجی کو ناجائز قرار نہیں دیتا۔ پوپ گری گوری اپنے ایک خط میں سنہ ۱۲۵۲ء میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اگر ایک بیوی ایسی بیمار ہو کہ وہ شادی کے تعلقات کے فرائض انجام نہ دے سکے تو اس کا عاقد ایک اور بیوی بیاہ سکتا ہے"

رہا ہوں سے عیسائی قوانین کے مطابق شادی شدہ تھیں۔ عوام بھی علیٰ ہذا القیاس کثیرالازدواجی
 پر جائز خیال کرتے تھے۔ اور حسب ضرورت اس پر عمل پیرا تھے۔ ایک بیوی بیاہنے کا قانون عیسائیت
 سے پہلے سلطنتِ روم کا قانون تھا۔ جو عیسائی یورپ نے ورثہ میں لیا۔ لیکن اگرچہ روایتی تعصب اور
 مذہبی کی عام آسانی ایک بیوی کے اصول کے حق میں تھی عیسائی مذہب میں کثیرالازدواجی کی اجازت
 مذہبی طور پر ہمیشہ رہی ہے اور عیسائی مذہبی اکابرین نے کبھی اس سے انکار نہیں کیا۔

عیسائی فرقہ انابیسٹ کثیرالازدواجی کے حق میں تھا۔ نیسویں صدی میں امریکہ میں
 تب عیسائی فرقہ ظہور میں آیا جس کا نام مورمن ہے۔ جنہوں نے اولین عیسائیت کی روایت کا
 عیار کیا اور کثیرالازدواجی کو دوبارہ علیٰ الاعلان رائج کیا۔ یہ فرقہ بیسویں صدی کے شروع میں
 بھی کثیرالازدواجی پر عمل پیرا تھا۔ آخر کار ریاستہائے متحدہ امریکہ کی حکومت نے قانوناً اس
 کثیرالازدواجی کو ممنوع قرار دیا۔

یہ صاف ظاہر ہے کہ کثیرالازدواجی کے مسئلہ میں یہودیت و نصرانیت اور اسلام میں
 کوئی فرق نہیں۔ اگر ہے تو اتنا کہ پرانے مذہب میں کثیرالازدواجی کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ اسلام
 نے چار بیویوں کی حد مقرر کی۔ اور ایک بیوی رکھنے پر ازدواجی زندگی کی علیٰ زور حد مقرر کرنا
 ایک سے زیادہ بیوی سے شادی نہ کرنے کی عیسائیوں پر کرنی نہ تھی۔ نہ ہی یہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ
 یورپ کا صرف ملکی قانون ہے۔ اور اگر ہم ان اعداد و شمار پر غور کریں جو یورپ کی کثیرالازدواجیت
 کے متعلق پچھلے باب میں بیان کئے گئے ہیں تو ظاہر ہو جائے گا کہ صرف ایک بیوی سے
 تعلق رکھنے کا ملکی قانون بھی یورپ میں اقلیت کے لحاظ سے محض ایک مردہ قانون ہے۔ اور
 جنسی بدنظمی کی حالت میں کثیرالازدواجی کے ساتھ پولی اینڈرری بھی شامل ہو جاتی ہے۔

ہمارے خیالات یورپ کے متعلق وہی ہیں جو یورپی قیصریت کے پروجیکٹ ہونے
 یورپ کی عظمت و شوکت ہمارے دلوں پر شانے کے لئے ہمارے سامنے رکھے تھے۔ اور یورپ
 کی مدد شوقی زندگی کو یورپ کے مذہبی و سیاسی حلقوں میں کہا ہے کہ ہمیں اس

۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق سترہ لاکھ چھتیس ہزار (۱۷۳۶۰۰۰) عورتیں تعداد میں مردوں سے زیادہ ہیں۔ لیکن ایک سے زیادہ بیویوں کے خلاف قانون نے اتنی عورتوں کے لئے شادی اور اولاد کی خوشی خلاف قانون بنا دی ہے۔ ۱۹۲۱ء کی ہی مردم شماری کے مطابق چھتیس لاکھ ستاسی ہزار (۴۵۸۷۰۰۰) عورتیں انگلستان میں ایسی ہیں جو پندرہ اور پینتالیس سال کی عمر کے درمیان ہیں۔ اور غیر شادی شدہ ہیں۔ ان میں سے چھتیس لاکھ پچپن ہزار (۳۶۵۵۰۰۰) عورتیں ایسی ہیں جن کا کوئی ذاتی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ جب غیر شادی شدہ عورتیں معاش کی تلاش میں مردوں کے مقابلہ میں اترتی ہیں تو لاکھوں مردوں کو اپنی اُحبت اتنی کم کرنی پڑتی ہے کہ وہ اہل و عیال کے اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس طرح بیکار عورتوں کی تعداد میں اور اضافہ ہو جاتا ہے لیکن جب لاکھوں عورتوں کو مردوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے تو انہیں اس سنگدل خود غرض دنیا سے محض ضروریات حیات حاصل کرنے کے لئے اپنے جسم کو بھی بچھا پڑتا ہے۔ عورتوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ مرد اپنی بیویوں کو طلاق دے کر ان سے شادی کر لیں۔ بے پردہ سوسائٹی میں مردوں سے ملاقات بڑھانے کے مواقع تو عام ہوتے ہیں۔ خاوندوں کے لئے عورتوں کی اس رقبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بقول فاضل مصنف

”اکثر عورتوں کا بچھترنی صدی وقت ایک خاوند کو حاصل کرنے یا حاصل کر کے اس کو اپنے قابو میں رکھنے پر خرچ ہو جاتا ہے۔ اس طرح عورتوں کے قوائے ذہنی بالکل برباد ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے دل بغض و حسد و حشیانہ نفرت و شہیدہ مخاصمتوں اور ذلیل سازشوں کی وجہ سے تنگ اور تاریک رہتے ہیں۔“

۱۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء کے دن کے اخبار ”سڈے ایکسپریس“ میں درج ہے کہ عدالتوں میں ہر روز نوے طلاق کے مقدمات پیش ہوتے ہیں۔ نیز ان سب غیر شادی شدہ عورتوں کو نایسندیدہ محل کے مواقع پیدا ہو سکتے ہیں جن کا نتیجہ خلاف قانون استقاط الحمل ہوتا ہے۔ علاوہ انہیں

عورتوں کی تحریک زندگی کا ایک اور نیشنل کن پینو ہے جو ان حالات کا لازمی نتیجہ ہے۔
 فیض مصنف میکانیسم میں اس کو کہتے ہیں کہ عورت پر یہ سب ظلم سیاست کے نام
 پر روا رکھا جاتا ہے۔ غلوں سے ثابت کیا ہے کہ کتاب مقدس کے عہد نامہ عتیق و جدید میں
 کثیر ازدواجی کن کہیں بھی مخالفت نہیں ہے۔ عیسائی کثیر ازدواج پہنچے ہوں گے الہامات کو خدائی
 حکام تصور کرتے ہوئے کثیر ازدواجی کے خلاف ہیں۔ پھر ہی مصنف فرماتے ہیں۔
 ”جو صرف اپنی عورتوں کو دست بستہ پر رکھتے نہیں کہتے۔ بلکہ جہاں جہاں ہماری
 طرح دیکھ رہے ہیں۔ ہم اس کے ساتھ اپنا معاشرتی نظام بھی لے جاتے۔
 میں درغیر میسجوں کو دہرے ہیں کہ وہ بھی ہماری طرح اپنی عورتوں کو بازاروں
 میں دھکیں دیں تاکہ وہ دہرے ہماری عورتوں کی طرح بے فائدہ ذرا بزاری بن جائیں (ص ۶۵)
 اور آگے بڑھ کر کہتے ہیں۔

”میں ہر اکیس ایک رہنما محفظہ کی بجائے ایک ڈکٹیٹر رہا ہے۔ ایک طرف یہ
 ”بنت کا بغلام و تباہت جس سے شہید دروہ پیدا ہوں۔ دوسری طرف تلوار چلاؤ
 سب سانی روح کے ساتھ ساتھ کہ اس میں وحشت و جنگ کی ترغیب دی ہو
 درسی برائیاں لڑی اس مصنف نے یہ لوگوں پر خونی مظالم کئے ہیں۔ ازداد
 کے پاس سب فوں کو دے رہے اور نہ ہی اس نے دو کینے کی نمدی غفلت کی ہو (ص ۶۶)
 در فیض مصنف کھلیا کے اس رویے کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کرتے ہیں
 جو کھلیا کے کثیر ازدواجی کے متعلق یعنی اس کے خلاف اختیار کی ہوا ہے۔ اور وہ اپیل
 کرتے ہیں کہ زندگی کے روزمرہ مشاہدات کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ کیونکہ روزمرہ کے بین واقعات
 اس بات کو واضح ثبوت ہیں۔

”جہاں سے ایک اور ہے، جہاں سے ایک اور ہے۔ وہاں کی عورتیں ہیں
 جہاں سے ایک اور ہے، جہاں سے ایک اور ہے۔ وہاں کی عورتیں ہیں

مذاح ہے۔ فرق صرف یہی ہے کہ وہ ایذا دہی اور صاف گوئی سے کام لیتے ہیں

اور ہم منافقت پر مجبور ہیں۔

غالباً اس کتاب سے زیادہ قلمبازانہ ضرورت نہیں۔ سب کچھ جو فیض مستند، ورپ کی تشدد جسدیت عورتوں کے متعلق متاثرہ کی بناء پر پکارتے ہیں، اس مختصر مقدمہ میں بیان نہیں ہو سکتا مگر جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس سے اسلامی عدالت کی برتری و رعایتاں پسندی واضح ہے۔

فطرت کے قوانین سے بھی کثیرالازدواجی کی اجازت کی ضرورت کو ثابت کیا جاسکتا ہے مگر میں نے ایسے دلائل کو اس لئے نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ سب مسلمان کثیرالازدواجی کے حق میں واضح فطرتی براہین سے واقف ہوتے ہیں۔ محل کے خاص کر آخری ایام میں، چلتے ہیں۔ اور بچہ کو دودھ دینے کی مدت میں، ممنوعہ حالات میں عورت ازدواجی فرائض سرانجام نہیں دے سکتی۔ اور مردوں کی ایک، قلت ایسی ہے جو اگر کثیرالازدواجی کی اجازت نہ ہو تو عذبی مدظلیوں پر مجبور ہو جائے گی۔ لہذا ایک قوم کی معاشرتی پاکیزگی صرف محدود کثیرالازدواجی سے ہی قائم رہ سکتی ہے اگر دراز جنگ یا اس لئے کمزوری کی کٹھن ذمہ وریاں مرد پر عورت کی نسبت زیادہ ہیں۔ اور اتفاقی وجوہات سے عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو جانے تو قوم کو اخلاقی اور نسلی برہادی سے روکنے کا واحد علاج صرف کثیرالازدواجی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ورپ کے کئی مفکر، کثیرالازدواجی کے حق میں ہیں۔

پہلی بیوی کو اس لئے طلاق دہرنا کیونکہ مکرور دوسری عورت سے نکاح کرنے کی خواہش یہ ضرورت ہے۔ پہلی بیوی اور اس کی اولاد بے سخت، انصافی بہت ہوئے غائب اس وقت تک پہلی بیوی گھر کے آرام و بچوں کی پرورش کی وجہ سے آزاد نہ روزی کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ کسی دوسری عورت کے ساتھ جنسی تعلقات رکھنا دوسرے کو بیاہ نہ سکتا کیونکہ سوسائٹی دوسری عورت سے نکاح کی اجازت نہیں دیتی اس کو دوسرے سے تپ کو اور سوسائٹی کو اخلاقی ذلت میں کھینچتا ہے۔ اور اپنی اولاد کو دوسری ذلت سے ہو

درجہ سے محروم کرنے کے علاوہ ذلت اور خواری میں دھکیلنا ہے جو سراسر ظلم اور بے انصافی ہے۔ یہ سنتے ہوئے بھی کہ یک عورت اور ایک مرد کا مستقل نکاح اعلیٰ ترین ازدواجی حالت ہے۔ کثیرالازدواجی کی اسلامی قسم کی محدود اجازت کا ہونا قومی و نسلی پاکیزگی کے لئے سخت ضروری ہے۔

اسلام فطرت اور اخلاقی پاکیزگی کو مد نظر رکھتے ہوئے محدود کثیرالازدواجی کی اجازت دیتا ہے۔ اور اس حالت میں بیویوں کے درمیان سخت انصاف اور یکساں انصاف کا حکم دیتا ہے۔ جو کڑی شرط ہے۔ اور جو دوسرے مذاہب میں نہیں ہے۔ یہ حالات ان حالات سے بہت بہتر ہیں جہاں ایک سے زیادہ بیوی نہ کر سکنے کی قانونی مجبوری صرف جنسی بد نظمی، بے سود طلاقیں، بے ورثہ و ناجائز اولاد، معاشرتی ابتری اور منافقت پیدا کرتی ہے۔

میں اس مقدمہ کو کینن آنریبل ٹیلر کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے انگلستان کی جرج کانگریس کو خطبہ دیتے ہوئے فرمائے تھے اور جو ”ٹائمز“ سے ماخوذ ہیں۔

”ہم مسلمان ممالک میں کثیرالازدواجی کے عمل میں نہایت سخت ضبط و نظم برپا کرنا چاہتے ہیں اور یہ کثیرالازدواجی اس پوری اینڈری کے مقابلہ میں جو یورپی شہروں کی لعنت ہے اور جو اسلام میں بالکل نہیں پائی جاتی عورتوں کے لئے بہت کم باعث ذلت اور مردوں کے لئے بہت کم باعث نقصان ہے۔“

زہیر بن ابی سلمیٰؓ

سوانح حیات اور کلام پر تبصرہ

از ڈاکٹر محمد یوسف صاحب ایم۔ اے پی ایچ ڈی استاذ مسلم یونیورسٹی علیحدہ

زہیر بن ابی سلمیٰ، زمانہ جاہلیت کے ان تین شعراء میں سے ہے جن کی اولیت پر ہم علماء لغت اور جہانزہ شعر نے اتفاق کیا ہے۔

رہا یہ سوال کہ زہیر اور صف اول کے بقیہ دو راہیوں یعنی عمرو بن قیس و زہیر بن ابی سلمیٰ کا کوئی مختتم جواب آج تک نہیں دیا گیا اور یہ پوچھنے پر دیا بھی نہیں اسکا۔ اس لئے کہ اول تو خود شاعر کا مذاق طبع اور اس کے فطری رجحانات اس کے ساتھ خصوص اور دوسرے شعراء سے مختلف ہوتے ہیں نتیجہ کے طور پر اس کی شاعری کی خصوصیات ہی جداگانہ قسم کی ہوتی ہیں اور موازنہ کی اجازت نہیں دیتیں۔ دوسرے مختلف جگہوں کے شہدوں اور پھر ایک ہی جگہ کے رہنے والوں میں بھی ہر فرد کا مذاق سخن جداگانہ ہوتا ہے اس لئے ہی ایک شاعر کے متعلق یہ عام رائے قائم ہونا کہ وہ شعراء شعراء سے مشکل ہے۔ البتہ یہ بالکل مقول بات ہے کہ تین شاعروں کی بابت یہ اتفاق ہو سکے کہ مختلف زاویہ ہائے نظر سے دیکھنے کے بعد تقدم ان کے اندر محصور ہے۔

کلام کی نوعیت کے لحاظ سے زہیر مدح میں اپنا مقابل نہیں رکھتا۔ اس کا کلام غالباً پورے حجاز میں بہت پسند کیا جاتا تھا اور حجازی لوگ اس کو تمام شعراء پر مقدم مانتے تھے۔

۱۔ یہ مقالہ عربک لٹریچر سوسائٹی کے جبر منعقدہ، رفروری ۱۹۷۷ء میں پڑھا گیا۔

زہیر کے جانبداروں میں جو اس کو اشعار شاعر کہتے تھے حضرت عمرؓ اور مشہور شاعر جریرؓ کے نام قابل ذکر ہیں۔

۴ فی دہائی کا وسط بعد درست وقت ایک مڑی کی جو محسوس ہوتی ہے وہ سیکہ شعرا کی زندگی کے حالات، نظریات بالکل نہیں ملتے۔ بڑے بڑے شاعر کے متعلق ہم تو کچھ جانتے ہیں اور چند حدوں یا زیادہ سے زیادہ ایک صفحہ میں آسکتے ہیں۔ لیکن پڑھنے کا رولج نہ ہونے کی وجہ سے وہ سب اپنی اپنی شمار تک محدود رہے اور صرف ان واقعات زندگی کو یاد رکھا جو یا تو غیر معمولی ہوتے یا ان کی جانب شاعر کے کلام میں اشارے پائے جاتے ہیں۔

یہی حال زہیر کا ہے۔ زہیر کے متعلق ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ نسب کے اعتبار سے ذریعہ سے ملتا تھا جو کہ مضر کی ایک شاخ تھی یا اس کا پیرا نسب نامہ یہ ہے:-
 ۱۔ ہبہ بن ابی سلی ریاح بن قرط بن الحارث بن عازن بن خلاد
 ۲۔ ثعلبہ بن ثور بن ہذیمہ بن کاطمہ بن عثمان بن عمرو (وہو زہیر)
 ۳۔ بن اذین طابخہ بن الیاس بن مضر

یہ سب نام واد ابوسلمی کے متعلق بہ جتنا ہے کہ اس نے سسرالی تعلقات کی بنا پر ہجرت کر لی تھی۔ زہیر کی ایک شاخ تھی مگر نہ نتیجہ کی۔ بعد کو کچھ دالی غنیمت کی تشبہ میں نہ رہے۔ تاویا گیا کہ وہ کبیرہ خاندان جو کہ ہجرت کر گیا اور اپنے قبیلہ مضر کے رہنے والے تھے۔ ان کے پاس کی کوشش کی کہ اس میں سے جو اس کے ہم قبیلہ لوگوں سے تھے اس کے ساتھ ہی بے وفائی کا سلسلہ دیا کہ اس کو ان کے ساتھ رہنا گوارا نہ ہوا اور وہ ان کو سب سے پہلے کہہ کر وہ یہ کہ یہ ابو عبد اللہ بن غطفان کے ساتھ جانا اور وہی رہتا ہے۔

نیز بدعت کی غنیمت، اگرچہ ان میں کوئی بات بعید از قیاس نہیں ہو سکتا۔
 یہ سب کی سب باتیں ہیں، لیکن اس میں غیب کی جانچ نہیں، اور حقیقت اتنا ہی ہمارے

فیہ مطلب بھی ہے کہ زہیر کی پیدائش کے وقت ابوسلمی مستقل طور پر اپنے اصلی قبیلہ مزنیہ کے
 بلے بنو عبداللہ بن غطفان کی سرزمین یعنی نجد کے مقام الحجاز میں سکونت پذیر تھا اور وہ بھی
 اس طرح کہ اس نے قبیلہ مزنیہ اور اپنے گھرانے کے مابین ہر قسم کے تعلقات منقطع کر رکھے تھے زہیر
 نے بھی قبیلہ مزنیہ سے کوئی واسطہ نہ رکھا اور اپنے آپ کو تمام تر عبداللہ بن غطفان کے ساتھ
 وابستہ بنائے رکھا۔ وہ اپنے اشعار میں جا بجا عبداللہ بن غطفان کا ذکر کرتا ہے۔ اس قبیلہ کی حمایت
 کرتا ہے۔ اس کے مخالفین اور بدخواہوں کو دھمکیاں دیتا ہے اور یہ سب کچھ کامل یگانگت کے
 انداز میں، لیکن مزنیہ کا نام تک نہیں لیتا۔ چنانچہ عبداللہ بن غطفان کے ساتھ زہیر کے گھرانے
 کی وابستگی اتنی بڑھ گئی تھی کہ لوگ مزنیہ کے ساتھ اس کا تعلق فراموش کر جاتے اور ان کا نسب
 عبداللہ بن غطفان کے ساتھ ملائے لگتے تھے لیکن یہ غلط ہے۔ کعب بن زہیر اپنے کو مزنی
 کہتا ہے۔

ہما لا اصل منی حیث کنت وانی من المزنیین المصطفین بانکم

زہیری اصل وہی ہیں میں جہاں بھی ہوں، بیشک میں مزنیہ والوں میں سے ہوں جو شرافت کی پاکیزگی رکھتے ہیں،
 زہیر کی ازدواجی زندگی کے متعلق اس کے اشعار میں ایک دو اشارے پائے جاتے ہیں
 وہ نسیب میں عموماً ام ادنیٰ اور ام کعب کو اپنا مخاطب بناتا ہے۔ ام ادنیٰ اس کی پہلی بیوی تھی اس سے
 جو اولاد پیدا ہوئی وہ زمانہ طہریت ہی میں مر گئی۔ بعد ازاں اس نے ایک اور عورت کبشہ بنت
 عمار سے شادی کی جو بنو نجیم یعنی قبیلہ بنو عبداللہ بن غطفان کی ایک شاخ سے تعلق رکھتی تھی اور
 جس کو وہ ام کعب کی کنیت سے یاد کرتا ہے۔ ام کعب سے شادی ہونے کے بعد ام ادنیٰ کا جہیز
 حصد و رقابت اس حد تک ابھرا کہ اس نے اپنے شوہر سے گلو خلاصی حاصل کرنے کی ٹھان لی اور
 اس غرض سے اس کو پریشان کرنا شروع کیا۔ بالآخر زہیر نے مجبور ہو کر طلاق دیدی لیکن اس کو
 اس بات کا اتنا ہی قلق ہوا جتنا کہ بعد کے زمانے میں عربی ضرب المثل کے مطابق فرزدق نے
 لوار کو طلاق دیکر محسوس کیا ہوگا۔ ام ادنیٰ کی جدائی پر زہیر کے دو شعر محفوظ ہیں ان سے اندازہ

ہوتا ہے کہ اس کو ام اوفی کے ساتھ بالکل بے تعلقی نہ تھی۔

لعمرك والخطوب مغیرات وفي طول المعاشرة التقالی

تیری قسم زمانہ کے حادثات ات ن کو بدل دیا کرتے ہیں اور بہت دن ساتھ رہنے میں کشیدگی پیدا ہو جاتی

لقد باليت مبشعن ام اوفی ولكن ام اوفی لا تبالی

میرے لئے تو بتکہ ام اوفی کی جدائی بہت بڑی بات ہے لیکن ام اوفی کو اس کی کچھ پروا نہیں

برسن کے نسخہ میں دو شعر و زباده ہیں :-

فاما اذ ضمنت فلا تقولی لذي صهرا ذلت ولم تذالی

میں نے سوچا کہ تو کسی بکے لگے یہ کہنا کہ مجھے تکلیف نہ رکھا گیا اور انہی لیکہ تجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں دی

انصبت بنی منک و نلت منی من اللذات والحلل الغوالی

میں نے تجھ سے اور اپنی اور تجھے میری ذات سے بہت سی عیش و آرام اور بیش قیمت کپڑے حاصل کیے

میرے محبوب سے نسبت زیادہ گناؤں ہونے کی ایک ظاہر وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے

میں نے کم محبت سے زیادہ کمینے کیے، کعب، بکیر و سلم، سلم جوانی میں گھوڑا، سدا کہ

زہر سنہ میں ایک مہینہ بھی کہا جڑ لوان (نخہ برین ۹۲۵ - ۹۵۹) میں درج ہے کہ

میں نے اس سے بہت سی محبت اور مہم کے باعث کافی نام پیدا کیا۔ زہیر کی ایک

نسخہ میں یہ ہے :-

میں نے اس سے بہت سی محبت اور مہم کے باعث کافی نام پیدا کیا۔ زہیر کی ایک

نسخہ میں یہ ہے :-

میں نے اس سے بہت سی محبت اور مہم کے باعث کافی نام پیدا کیا۔ زہیر کی ایک

نسخہ میں یہ ہے :-

میں نے اس سے بہت سی محبت اور مہم کے باعث کافی نام پیدا کیا۔ زہیر کی ایک

نسخہ میں یہ ہے :-

کہا جاتا ہے کہ زمہیر نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر یوں دی تھی کہ جلد ہی کسی ربانی ہدایت کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس نے اپنے بیٹوں کو نصیحت بھی کی تھی کہ وہ اس ہدایت کے پیرو بنیں۔ چنانچہ کعب اور کعبہ کے جوش اسلامی کا ایک محرک ان کے باپ کی نصیحت بھی تھی۔

زمہیر نے کافی طویل عمر پائی اسی اور نوے سال تک کے حوالے تو اس کے اشعار میں ملتے ہیں۔ مشہور ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سو سال کا بوڑھا دیکھا تھا اور دیکھ کر فرمایا تھا "اللہم اعدنی من شیطانہ" اعلیٰ زمہیر کی وفات ۳۳۰ یا ۳۳۱ کے آس پاس بعثت رسول اللہ سے کچھ قبل ہوئی۔

زمہیر کے گھرانے کی ایک اور خصوصیت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ کہ اس گھرانے میں مسلسل کئی نسل تک شاعری کا فن باقی رہا۔ اس کی ابتدا زمہیر کے باپ ابوسلمی سے ہوتی ہے جو شاعر تھا۔ زمہیر کے نانہال میں بشامہ بن الغدیر بھی شاعر کی حیثیت سے جانا جاتا تھا اور اس کے ادعا کے مطابق زمہیر کو شاعری کا ملکہ اسی سے ملا تھا۔ زمہیر کی بنیں سلمیٰ اور خنساء اس کے پوتے سعید و رعبۃ المضرب، اور اس کے پر پوتے: السوار و راعوام (ابو عقبہ) اور عمرو بن سعید سب کے سب شاعر تھے۔ پر پوتوں نے بادیہ چھوڑ کر سمرہ میں سکونت اختیار کی اور ان کے بعد یہاں دھوم مچا۔ کہ اس گھرانے میں شاعری ختم ہوئی۔ لہذا کچھ زمانہ بعد ایک ورنہ کا نام بیان بن ذی رقعہ عبد الرحمن بن عقبہ مضرب ملتا ہے جس کا تذکرہ بن خزمہ سے کیا ہے۔ زمہیر کی بہن خنساء نے اس کے مرثیہ میں یہ شعر رکت ہیں۔

وما یغنی نوقی المرء شیئاً ولا عقد النمیم ولا المنشار

انسان کی اکتاہٹ کہ کم نہیں آتی ورنہ تعویذوں کا باندھنا اور نہ سونا چاندی

۱۔ بشامہ بن الغدیر زمہیر کی راکہ (برن ۸۰) و ابوسلمی کا ماموں (غالی ۵۰۰) تھا۔ بت مہ کا ایک بھائی۔ سعد تھا جس نے زمہیر کے تقسیم غنیمت کے بارے میں جھگڑا کیا تھا (برن ۲۵) ۵۲ جہرۃ النسب لحدیثی پورغیر ۳۱۲ صفحہ ۵۶۵

إذا لاقى منيته فأُمسى بساق به وقد حق الحذار

جب اس کو موت آگئی تو یہ حال ہوا کہ اس کو لگے لگے اٹھائے گئے بیشک عبرت سزاوار

ولا قاه من الأيام يوم كما من قبل لم يخلد قدار

خس کا بھی دن آتی گی۔ جب کہ سر سے پہلے قدار کو خود نصیب ہو گا

زہیر کے کلام کے مجموعے | معلقہ کے "ادوہ زہیر کا باقی کلام ہم تک مندرجہ ذیل مجموعوں کی صورت میں پہنچا ہے۔

(۱) قدیم ترین مجموعہ "السکری" (المتوفی ۶۲۷ھ = ۱۲۸۸ء) کا ہے۔

(۲) ثعلب الکوفی (المتوفی ۸۲۱ھ = ۱۴۰۴ء) کا مجموعہ مع شرح۔

جرمن اور شیل سو سائٹی برلن کے خزانہ میں ایک مخطوطہ "مجموعہ دیوان زہیر و ابنہ کعب روایت السکری" کے عنوان سے پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ دیوان زہیر بروایت السکری ہے۔ یہ غلطی ہے۔ جتنی سکری صرف دیوان کعب ہے اور دیوان زہیر بروایت ابی العباس ثعلب ہے جیسا کہ ابانیا کے نسخہ میں ہے۔ نیز زہیر کے دیوان کے دو نسخے استنبول میں ہیں جو نسخہ ابانیا کے مطابق ہیں۔ استنبول کے نخول کی دو نقلیں دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہیں، ان سب کے آخر میں تصدیقہ رالیہ

فهل في نذكر أيام القصبى منذ

۱۸۵۱ء کی مافات میں ایام سے "د" لفظ
دارالکتب مصر سے ر سب انظر ...
معدہ نہیں جنگ کے حادثات سے نمبر کی اجازت دی یا نہیں۔

جرمن ریش سرعائے کے نسخہ کی نقل اختصار کے ساتھ میرزا استاد محرم علی محمد عبدالعزیز
میں نے کہاں سے جمع کیا ہے "سر" نمونہ کی ترتیب میں اہم فائدہ اٹھایا ہے۔ "برلن"
کات راہی نسخہ نقلی جاننا ہے۔

(۳) جدو کایا یعنی عالم الاعظم (المتوفی ۱۰۶۷ھ = ۱۶۵۷ء) نے ایک مختصر مجموعہ تیار کیا اس میں

اس نے صرف وہ اشعار شامل کئے جو نصیری عالم الاصمعی کے نزدیک معتد طور سے زہیر کے کہے جاسکتے ہیں۔ چند قصائد جو اصمعی کے نزدیک مردود لیکن ابو عمر و اور المفضل کے نزدیک ثابت تھے وہ بھی آخر میں ملحق کر دیئے ہیں۔ اس کے ساتھ شرح بھی ہے۔ زہیر کے دیوان کے تمام ایڈیشن جو اس وقت تک نکلے ہیں اسی الا علم کے مجموعہ پر مبنی ہیں۔ سب سے بہتر ایڈیشن وہ ہے جو شیخ عمر السویدی نے سلسلہ میں لیدن سے شائع کیا۔ مشہور مستشرق آوارڈ نے لندن سے سلسلہ میں الا علم کی شرح کو حذف کر کے صرف اشعار کا مجموعہ الحقد الثمین فی حوادین الشعراء الجاہلین کے ضمن میں شائع کیا اور اس کے ساتھ کچھ اور بیانات کا بھی اضافہ کیا جو مختلف ماخذ میں زہیر کی طرف منسوب پائے جاتے ہیں۔

جرجی زیدان کے بیان کے مطابق جرمن مستشرق *Dyroff* نے زہیر اور اس کے کلام کی بابت ایک کتاب لکھی ہے جو ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی۔ (افسوس ہے کہ میں اس کتاب سے استفادہ نہ کر سکا) زہیر کا ماحول زہیر نے نجد کی سرزمین میں بنو عبد اللہ بن غطفان کے دربار میں آنکھ کھولی۔ اور تمام عمر وہیں بسر کی۔ اس کے کلام کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دارمان نظریہ نجد کی سرزمین تھی۔ غطفان، خیبر اور حدود حجاز سے مشرق کی جانب آباد تھے۔ ان کے بڑوں میں قبیلہ بنو اسد، ہوازن اور سہیم آبادیاں تھیں زہیر اپنے شعر میں انھیں قبائل کا نام لیتا ہے اسی طرح جن مقامات کے نام اس کے اشعار میں آئے ہیں وہ وہی ہیں جو مذکورہ قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً جرثم، قنان، فذک، الدحنا، الریس، دکریس وغیرہ

اس کے اشعار میں صرف ایک ہی تاریخی واقعہ کا حوالہ ملتا ہے یعنی حرب بن عیس و ذہبان۔ باقی یا تو ذاتی معاملات ہیں مثلاً ایک شخص الحارث بن ورقارہ لاسدی کا اس کے اونٹوں اور سیر نامی غلام کو مچرٹے جانا یا وہ واقعہ کہ جن کا قبیلہ غطفان کی زندگی سے تعلق ہے۔ مثلاً سلیم اور ہوازن کا غارت ڈالنے کا رادہ کرنا اور زہیر کا ان کو دھمکیاں دینا۔ صبرہ کے دو بادشاہوں عمرو بن ہند اور النعمان بن المنذر کے نام بھی ملتے ہیں۔

قبیلہ بنو مرہ میں بنی حارثہ کا گھرانہ سرداری کا مالک تھا اور بڑی وقعت و شہرت رکھتا تھا۔ اس گھرانے سے زہیر کے تعلقات بہت گہرے اور خلوص کے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ابو حارثہ کے گھرانے کا شاید ہی کوئی فرد ایسا بچا ہو جس کی مدح میں زہیر نے، شاعرانہ کہے ہوئے، ابتداءً زہیر نے سان بن ابی حارثہ کی مدح میں قصیدے کہے۔ سان بن ابی حارثہ کا ایک مرثیہ بھی محفوظ ہے ابتہ اس کا اہلی ممدوح ہرم بن سان ہے جس کی مدح اس نے حارث بن عوف بن حارثہ کے ساتھ اپنے معلقہ میں کی ہے۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ ہرم نے قسم کھائی تھی کہ جب کبھی بھی زہیر اس کو سلام کرے گا تو وہ اس کو کچھ نہ کچھ ضرور دے گا۔ چنانچہ اس تکلیف سے بچانے کے لئے زہیر نے سلام کرے گا یہ طریقہ اختیار کیا تھا: ”عواصبا حا غیر ہم وخیر کم استئذیت“

خارجہ بن سان کی مدح میں بھی ایک قصیدہ پایا جاتا ہے۔ ایک مرثیہ زید بن سان کا محفوظ ہے۔ بن کے علاوہ ایک قصیدہ حسن بن خذیفہ بن براء الفزاری کی مدح میں ہے۔

کلام بڑا جان تبصرہ | اوپر بنامہ بن الخدیر کے اس دعویٰ کا ذکر گزر چکا ہے کہ زہیر کو شاعری کا ملکہ اس سے ملا۔ لیکن بشامہ بن الخدیر کے الفاظ خود یہ بتاتے ہیں کہ اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ جہاں تک بید نشی استعداد اور صلاحیت کا تعلق ہے۔ وہ زہیر کو اپنے (اور نیز اپنے باپ کے) انہاں بنو مرہ سے ملی نہ کہ مغربیہ سے) بشامہ ایک شاعر تھا۔ اس حیثیت سے اس کو فطرتاً شاعر کا قدرداں ہونا چاہیے۔ اپنے قریبی گھرانے میں ایک نوخیز شاعر کے متعلق اپنے جذباتِ سرور و رفائی کا اظہار میں کیوں کیا کہ فخر کے لیے ہیں یہ جیسے کہ یہ صلاحیت زہیر کو اس کی جانب سے ملی ہے۔ لیکن جہاں تک کتاب و رساں اثر ہونے کا تعلق ہے زہیر نے بشامہ سے اخذ نہیں کیا۔

بکہ اس کا رنگ بہت کچھ دس بن مجبر سے ملتا ہے جس کا کہ وہ راوی تھا۔ اوس بن مجبر شہنشاہ کا ایک مشہور تاجدار اور بڑی قدر و منزلت رکھتا تھا اگرچہ بعد کو اس کی قدر و منزلت اس کے دونوں شاگردوں یعنی زہیر اور ابی نفع کے سامنے ماند پڑ گئی۔ تاہم جیسا کہ طہ حسین کی

تحقیق ہے۔ اوس بن حجر زہیر تابعہ، کعب بن زہیر اور زہیر کے شاگرد الحطیثہ کا ایک اچھا خاصا دبستان ہے جو چند نمایاں خصوصیات رکھتا ہے۔ ان خصوصیات کی ابتداء اوس بن حجر سے ہوئی، بعد والوں نے انھیں اختیار کیا اور ترقی دی۔

اول یہ کہ ان شعرا نے پہلی مرتبہ شاعری کو بحیثیت ایک فن اور صنعت کے سمجھا اور استعمال کیا۔ زہیر کے متعلق مشہور ہے کہ دوسرے شعرا کی طرح جیسے اشعار اس کے ذہن میں آتے تھے وہ ان کو ویسے ہی نہیں پیش کر دیا کرتا تھا بلکہ وقتاً فوقتاً ان پر غور کرتا ان کی تنقیح و اصلاح کرتا۔ اس کے بعد انھیں پیش کرتا۔ اس کے بڑے بڑے قصائد کو تحلیات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس لئے کہ ان کی تیاری میں وہ ایک ایک سال صرف کیا کرتا تھا۔ یہ طریقہ اس زمانہ میں ندرت رکھتا تھا۔ اور ایک حد تک کمزوری پر بھی محمول کیا گیا۔

اصحی کا قول ہے کہ زہیر خطیبہ اور ان جیسے اور شاعر تو شعر کے غلام ہیں اس لئے کہ وہ شعر کی تنقیح کیا کرتے تھے اور مطبوع شاعروں کے طریقے پر نہیں چلتے تھے۔ لیکن درحقیقت شعر کی تہذیب و ترقی کی طرف یہ ایک بڑا مہارک قدم تھا۔ ابن قتیبہ جب زہیر کو شاعر متکلف کہتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ زہیر کو شاعری کا فطری ملکہ نہ تھا یا اس کے کلام میں موجودہ زمانے کے مفہوم میں تصنع اور آوری دپائی جاتی ہے۔ اس کا مطلب صرف اتنا لینا چاہئے کہ وہ شعر کو جیسا کہ پہلی مرتبہ ذہن میں آئے ایک دم پیش نہیں کر دیا کرتا تھا۔

اسی تنقیح اور اصلاح کا نتیجہ یہ ہے کہ زہیر اور اس کے دبستان سے تعلق رکھنے والے دیگر شعرا کے یہاں تشبیہات اور استعارات بکثرت اور بہت اچھے، وراعلیٰ ملتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تشبیہات اور استعارات کی عمدگی غور اور تامل کی محتاج ہے اسی اعتبار سے زہیر کے طریقہ شعر گوئی کو تہذیب و ترقی کے لئے ایک مبارک قدم شمار کیا گیا ہے۔ طہ حسین کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ عام طور سے یہ جو خیال کیا جاتا ہے غلط ہے کہ صنائع اور حسن بیان کی ابتداء بنو عباس کے دور میں ہوئی اور مسلم بن الولید نے اس کی بنا ڈالی بلکہ اس کی ابتداء تو زہیر اور اس کے ساتھی

داخل نہیں دیتا۔ باوجود اس کے مدح نہایت موثر اور کارگر ہوتی ہے اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔
 البتہ اس وقت اجمالی طور پر اتنا اور کہنا ہے کہ یہ خصوصیت یعنی ایک قدم حقیقت نگاری اور واقعہ سر
 سجاوہ نہ کرنا زہیر کے پورے کلام میں عام ہے حتیٰ کہ اس کی جھلک نسیب میں بھی نظر آتی ہے۔
 ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ زہیر کے یہاں ایک بلند و بالا خدائی معیار کا لحاظ بھی پایا جاتا
 ہے، زہیر جتنا اپنی مدحیات کے لئے مشہور ہے اتنا ہی حکیات کے لئے بھی، عام طور سے کہا جاتا ہے کہ
 عربوں کے یہاں فلسفیانہ شاعری بہت کم پائی جاتی ہے، زہیر کے یہاں فلسفہ نہ ہی لیکن کم از کم تناظر
 ہے کہ وہ اپنے تجربات پر غور و فکر کرتا ہے، عواقب امور کو سوچتا ہے اور ہر فعل کو اپنے انفرادی خود غرض
 نقطہ نظر سے نہیں بلکہ عام مفاد کے نقطہ نظر سے تولنے کی کوشش کرتا ہے اور یہیں سے یک برتر
 خدائی معیار اور ایک مافوق الفطرت ہستی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات اوس بن حجر کے یہاں بھی
 پائی جاتی ہے۔ کہ وہ مکارم اخلاق کا تذکرہ بہت کرتا ہے۔
نسیب | زہیر کی نسیب عموماً بہت مختصر ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے گذر کر بہت
 جلد اپنے اصلی مقصد یعنی مدح تک بڑھنا چاہتا ہے البتہ اس کی تشبیب کی چند خاص خصوصیات
 قابل ذکر ہیں۔ وہ عرب کے دستور کے مطابق بتدریس محبوب کے نئے ہوئے کھنڈرات کا تذکرہ
 کرتا ہے۔ یہ شعر عرب کا عام موضوع ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں جو بات طرائق بہت کم گنجائش
 ہے۔ چنانچہ زہیر کے یہاں بھی وہی طریقہ بیان اور وہی تشبیہیں پائی جاتی ہیں جو اس ذیل میں مخصوص
 ہیں۔ وہ کھنڈرات کی ویرانی کا نقشہ کھینچتا ہے، ان میں شبنم کے بجائے وحشی بانوروں کی
 بود و باش کا تذکرہ کرتا ہے۔ نئے ہوئے نشانات کو کبھی گودے کی لکیروں اور کبھی رق میل (پرے)
 مکتوب کے کچے کچے مٹے ہوئے حروف سے تشبیہ دیتا ہے وغیرہ وغیرہ نیز اپنے ان جذبات اور
 وجدانی کیفیات کا اظہار کرتا ہے جو ان کھنڈرات کو دیکھ کر اس کے رنجور دل میں پیدا ہوتی ہیں۔
 زہیر کے یہاں محبوب کی روانگی اور جدائی کے اوقات کی بہت موثر اور مکمل تصویریں ملتی
 ہیں، عربوں کی خانہ بدوش زندگی میں اکثر ایسے مواقع پیش آتے تھے کہ دو قبیلے کچھ عرصہ ایک چراگاہ کے

اورد گرد رہنے کے بعد آب و گیاہ ختم ہونے پر مختلف سمتوں میں جدا ہو جاتے۔ جدائی کے وقت کا سماں قدرتی طور پر دونوں قبیلوں کے ان نوجوانوں کے دلوں پر ہمیشہ ہمیش کے لئے مرسم ہو جاتا جن کے درمیان اس عرصہ میں عشق و محبت کے تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ چنانچہ ہر عربی شاعر کے ذہن میں محبوب کے کھنڈرات پر آنسو بہنے کے بعد اس یوم مفارقت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جبکہ اس نے اپنی محبوبہ کو رنگین ہودج میں سوار نظروں سے اوجھل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

زہیر اس میدان میں اپنے مقابل شعر پر صاف سبقت لے جاتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ بڑی تفصیل و رتائے رتائے ساتھ محبوبہ کے قبیلہ میں کوچ کے مشوروں کا تذکرہ کرتا ہے پھر دکھاتا ہے کہ سردار کے حکم پر چار و ناچار کوچ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اونٹوں کے اوپر ہودج کسے ہوئے ہیں، ان پر رنگین پردے پڑے ہوئے ہیں انہیں میں سے ایک ہودج میں اس کی محبوبہ رخصت ہوتی ہے۔ یہ ایک جگہ کھڑا آنسو بہا رہا ہے۔ اور نظروں سے تعاقب کرتا جاتا ہے۔ جب قافلہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو بھی وہ اپنی دلچسپی قائم رکھتا ہے۔ قافلہ کے راستہ میں جو مقامات اور حالات پیش آتے ہیں سب کی شبیہ لکھتا ہے۔ وہ ستریں، ایک مرتبہ پھر بے چارگی اور مجبوری کا اظہار کرتا ہے کہ محبوبہ ایک دور دراز مقام پر پہنچ گئی ہے جس کے درمیان بق و وق سحر اور بے آب و گیاہ رگستان شامل ہیں اور اس کے دیر رکھنے کی کوئی تدبیر ممکن نہیں ہے۔

رَدِّ اَلْعِيَانِ جِوَالِ الْحَيِّ فَحْتَمَلُوا اِلَى الظَّهِيرَةِ اَمْرٌ بَيْنَهُمْ لَيْدٌ

لوٹنے والے عورتوں کو تھکا دے اس سے آئیں دروہ سب لوگ کوچ کر گئے بعد اس کے کہ دو پہر کا وہ اس مسئلہ میں الجھ رہا

مَنْ يَجِدُ سَحْبًا حَادٍ نَوَاحِيَهُمْ نَحَابِ اَمْرٍ اَنْ اَمْرٍ اَمْرٍ مَشْتَرَا

وہ ایک سحاب سے ملے گا۔ یہ سحاب اس کے لئے تھا کہ وہ منزل مقصود کی طرف روانہ ہو

مَنْ رَحِيصٍ هُوَ نَزْدَ اَنْ نَحَابِ اَمْرٍ اَنْ اَمْرٍ اَمْرٍ مَشْتَرَا

اس کے لئے تھا کہ وہ سحاب اس کے لئے تھا کہ وہ منزل مقصود کی طرف روانہ ہو اور اس سے ہوتی ہوئی کوچ کر گئیں۔

علون بانماط عناق وکلة ورا دحواشہا مشاکھتہ الدم

انھوں نے اعلیٰ قسم کے تدرے ڈال رکھے تھے اور ایسے گلابی پھدے لگا رکھے تھے جن کے کنارے خون کی طرح نظر آتے تھے

فازلت ارمقہم حتی اذا مضت ابیدی الہکاب ہم من راکس فلقا

میں برابر ان پر نظریں جمائے رہا۔ یہاں تک کہ جب اونٹ ان کو لیکر راکس کی بہت زمین میں اتر گئے۔

دائمتہ لشوری اوقفا آدم تسعی بالمحداہ علی آثارہم حزقا

اور شوری یا آدم کی پشت کے قریب پہنچے اس حال میں کہ ہدی خواں ان کے پیچھے پیچھے ٹکرائیں بنا کر مل رہے تھے

کانت عینی فی غربی مقتلۃ من النواضح تسقی جنتہ ممحفا

تو میری دونوں آنکھوں کا یہ حال ہوا کہ گویا دو بھرے ہوئے ڈول تھے جو ایک محنت کی ماری پانی کھینچنے والی اونٹنی پر

لہے ہوں اور وہ دور دور کے باغوں کو سیراب کرتی جاتی ہو۔

زمیر کی نیب کے دو اہم جزو وہی تھے جو بیان ہوئے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ وہ معشوق کے

ظاہری حسن کا بہت کم بیان کرتا ہے۔ لاکھ دیگر شعرا اس موضوع پر خوب خوب اپنے کمال کا ثبوت

دیتے ہیں۔ اکثر تو زمیر معشوق کے حسن ظاہری کو بالکل نظر انداز ہی کر جاتا ہے۔ اس کے مشہور معلقہ کی نیب

صرف کھنڈرات اور فراق کے ذکر پر مشتمل ہے۔ زمیر کے کل کلام میں معشوق کے ظاہری خدو خال کے

بیان کی دو مثالیں ملتی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ معشوق کی تعریف کرتے وقت بھی زمیر

اپنے کلام کو تصنع اور دور از کار مبالغہ سے پاک رکھتا ہے۔

قامت ترا ای بزی ضالی لتحرینی ولا محالۃ ان یتاق من عشقا

وہ جھاڑیوں کے درمیان کھڑی ہوئی۔ پتا جلوہ دکھاتی رہی کہ میرے غم کو ابھار دے عاشق کو جذبہ شوق کا بھرکھٹا تو یک لایمی تہ

بیحد مغز لہ ادماء خاذلۃ من الظباء ترعی شادنا خرقا

اس کی گردن ایسی تھی جیسی کہ ایک سفید ہرن کی جو اپنے گلے سے پیچھے لگئی ہو اور گردن اٹھ اٹھ کر اپنے چھوٹے موزیچہ کی نیب کی گری

کان ریقہا بعد الکری اغنیقت من طیب لراح لما بعد ان عفا

سو کرانے پر اس کا لعاب ہن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا بہت اعلیٰ قسم کی شراب نوش کر لی جو ہنوز کبھی کے حدود متجاوز نہ ہوئی ہو (یعنی گڑھی)

میر کی زہیر کی شہرت کا دور دورہ اس کی مدحیات پر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مدیح زہیری کا حق ہے۔
 اس کی مدح کا سب سے جید وصف یہ ہے کہ وہ کسی کی تجبویٰ تریف نہیں کرتا۔ اگرچہ اس کے مدوح
 کی جانب سے اس کو قدر و تعالیٰ سے تاہم اس کی مدح گوئی بے غرض اور بے لوث رہی اس
 کی مدح کو پڑھنے کے بعد مجموعی برہمی ہو جاتی ہے کہ وہ مدوح کو خوش نہیں کرنا چاہتا بلکہ ایک زندہ
 انسان میں کر کے اس چھی صفت کو جو اس میں پائی جاتی ہے دوسرے لوگوں کے نزدیک قابل
 اور محبوب بنا دیتا ہے۔ وہ جھوٹ اور دور زکار مبالغوں اور شبیہوں سے بدست بغیر اپنے
 مدح کو موثر بنا سکتا ہے۔ اس کی مدح خوبی بیان اور عیادت کا بہترین نمونہ ہے۔ وہ صرف
 رہنمائی نہیں دیتا بلکہ ہم کو اس کے متبع بنانے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس کی مدح کو اگر کرنے کے لئے
 جو کچھ ضروری ہے اس میں ان کا استقامت اور دینا ہے۔ اس کی مدح کا نظم اور اخقار بھی باقی
 رہتا ہے چند نمونے درج ہوں۔

و فہم مقود حسن و جمال و اندیہ مبتاعا القول والفعل

اور وہ مقود حسن و جمال و اندیہ مبتاعا القول والفعل

و فہم مقود حسن و جمال و اندیہ مبتاعا القول والفعل

اور وہ مقود حسن و جمال و اندیہ مبتاعا القول والفعل

و فہم مقود حسن و جمال و اندیہ مبتاعا القول والفعل

اور وہ مقود حسن و جمال و اندیہ مبتاعا القول والفعل

و فہم مقود حسن و جمال و اندیہ مبتاعا القول والفعل

اور وہ مقود حسن و جمال و اندیہ مبتاعا القول والفعل

و فہم مقود حسن و جمال و اندیہ مبتاعا القول والفعل

اور وہ مقود حسن و جمال و اندیہ مبتاعا القول والفعل

و فہم مقود حسن و جمال و اندیہ مبتاعا القول والفعل

اور وہ مقود حسن و جمال و اندیہ مبتاعا القول والفعل

تراء اذا ما جنته متھللا کانک تعطیہ الذی انت سائلہ

جب کبھی کہ تم اس کے پاس جاؤ تو تم اس کو یہ ہشاش بشاش پاؤ گے گویا تم اس سے انگٹے کے بجائے یہی چیز اس کو دے رہے ہو

وذی نسب ناء بعید وصالہ ہمال وفا یدری بانک واصلہ

وہ اسے مہرِ احبیت سے دور کے قرابت والے ہر گزین کے ساتھ تو نے یہ نہ سہی نہ سہی کی کہ وہ ہاگہ نہ کو شہد ہک نہیں
وہ کہ بعدانی کرنے والا نوکرِ مستطیع ہے کہ محنت نہ بخشے نہ رزق نہ دے اور نہ دور تک پہنچتا ہے ہر ہائے گدگد سے صلی نہ شہد کو بھوں

ومن مثل حصنی فی الکھرب وشلہ لا نکرہ صنیم اولاً امریحا ونہ

اور کون ہے جو رٹائیوں میں علم و زیادتی کا تہ بد کرنے میں وراہے منصوبوں کی تکمیل میں حصن کا تیب ہو؟

جیسا کہ ابو الفرج نے بتایا ہے نو خیزندہ کر قطعہ میں نہایت اپنے مدوح کے لئے عنایت

خواستہ شجاعت، عقل اور عدل کی تمام صفات جن میں کہ فضل کو منحصر فرمایا ہے شہادت

کردی ہیں۔ یہ درحقیقت بڑا کمال ہے۔ نیز اس کے ساتھ کے اشعار میں مختلف صفات کی مناسب توجیح

یعنی کی ہے۔ ایک اور جگہ کہتا ہے۔

ان تلق یوما علی علالتہ ہرماً تلق الساعۃ منہ وامندی خفاق

اگر تو کبھی برسے دن میں بھی ہرم کے پاس جائے تو جو دوستی کا وصف تو میں ہیں۔ ہر گاہ

ولیس مانع ذی قربی وذی نسب یومہ ولا موعداً وامن ذابعد وواف

وہ قرابت اور اولاد شہد ہاروں کی کمی، تھ نہیں رکتا ورنہ وہ بھی کسی مناسبت سے وسبب کے ساتھ نہایت

لیث بعثر یصطاد الرجان اذا وکذب یبیت عن الخمر نہ دمدق

وہ غم کا شیر جو انسانوں کا شکار کرتا، اور لیت موفع پر جہد شہ بھی پڑ غیب کی بات کہتا ہے وہ ہر تہ بہ تہ رہا

یطعنہم ما ازمو احتی اذ اما طعنوا ضرر من حی ذابعد وواف علق

جب دشمن تیرا انداز کرے میں تو وہ گئے بڑھ کر نیزہ چیتا، مگر وہ تو بے دشمن نیزہ دہری نہ شروع کرنے میں تو وہ درگے ٹھکرتا رہتا ہے

هذا ولیس من یعبی بخصتہ وسط سندی اذا نال من نطقا

یہ میرے مدوح کی صفت۔ میرا مدوح ایسا نہیں کہ جب بھری مغل میں بولنے والے بول کر ہوں تو اس کو یہ رشتہ نہ لگے

وَنَالِ حِیَی الدُّنْیَا بِمَنْزِلَةِ افقِ السَّمَاءِ لَمَّا لَتَّ كَفُّهُ الْاَفْقَا

اگر دنیا میں کوئی انسان بلندیِ رتبہ کی افقِ آسمان تک پہنچ سکتا تو یقیناً ممدوح کا ہاتھ افق کو چھو لیتا۔

آخری شعر قابلِ غور ہے۔ اگر متاخرین میں سے کوئی شاعر ہوتا تو وہ ضرور یہ کہتا کہ ممدوح نے افق کو پار کیا ہے مگر یہی نے تو چاند کو ممدوح کے جوتے کا تلا بنا دیا ہے۔

حکایت [مدحیات کے بعد زیرِ یہی اپنی حکایات کے لئے ممتاز ہے۔ یہ ایک مقررہ بات ہے کہ فلسفیانہ شاعری اسی وقت ٹھوہیں آتی ہے جبکہ حضارۃ اور تمدن ترقی کرتے ہیں۔ غور و فکر کی عادت انسان میں اسی وقت بید ہوتی ہے جبکہ وہ اپنی طبعی ضروریات سے بے نیاز ہو کر کچھ وقت فرصت کا نکال سکے۔ دورِ جاہلیت میں عرب بالکل بدویہ زندگی بسر کرتے تھے ان کے تمام اوقات کسبِ معاش میں صرف ہوتے تھے۔ اس سے طبعی اور معاشی حالات کے نامائزگار ہونے کی وجہ سے فلسفیانہ شاعری کا فقدان پایا جاتا ہے۔ زیرِ یہی بعد الطبیعیاتی مسائل یا خالص فلسفی نظریات تو نہیں البتہ اس کی حیثیت یک ایسے سن رسیدہ ورجہاں دیدہ بزرگ کی ہے جو روزمرہ کے تجربات پر غور و خوض کر کے کچھ سوچا زندگی وضع کرتا ہے اور انہیں دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ وہ ان سے مستفید ہوں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

وَمَنْ لَا يَصَانَعُ فِي أُمُورِ كَثِيرَةٍ يَضُرُّ بِأَنْيَابِ يُوطَأُ بِمَنْعَمٍ

جو شخص نہ سیدھے باتوں میں نرمی اور برکت کا مہ نہیں دیتا وہ دانوں سے میں باجھتا ہے اور پیروں کی کھل دیا جاتا ہے

وَمَنْ يَجْعَلْ مَعْرُوفٍ مِنْ دُونِ عَرْضِهِ يَفْرَهُ وَمَنْ لَا يَتَّقِ الشَّتْمَ يَشْتَمُ

جو شخص کسی کے زورِ غیرتی سے اس کی بروٹھ جاتی ہے وہ خود گالی گلوچ کی نہیں بچتا اس کو برا بھلا سنا پڑتا ہے

وَمَنْ لَا يَزِدُّ عِشَ حَوْضَهُ سِلَاحًا يَهْتَمُّ وَمَنْ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ يَظْلَمُ

جو شخص دوسرے کے حوضِ عشق کی حفاظت نہیں کرتا اس کے حقوق پامال کر دیے جاتے ہیں اور جو دوسروں کو ظلم کرنے کی

یاری نہیں دیتا وہ بھی ظلم کیا جاتا ہے۔

(باقی آئندہ)

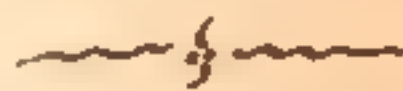
ادب

کلام بدر

از جناب بدر جلائی بی۔ اے سابق ایڈیٹر اخبار دینہ

رنگ یہ موجیں ترے پیانے کی سرخیاں پیر مغاں ہیں مرے افسانے کی
 بن اپنی خود آرائی سے فرصت پا کر دیکھ لو آکے تباہی مرے کا شانے کی
 بالذات تھا پروانے کا مقصود حیات اس نے فرصت بھی اگر پائی تو جل جانے کی
 مجھ کو بھلا دے یہ بھلا وا دے کر یاد اب تک ہے ادا آپ کے آ جانے کی

بدر بیچارہ نے نیکی کا بھی پایا نہ بدل
 لوگ کہتے ہیں بدی کا بھی ہے بدل نہ نیکی



سب کچھ بھی رہتے جو ان کے قدم کے ضرور آتے پھر کر مسافر عدم کے
 تے کے چکر یہ قسمت کی گردش اشارے کسی زلف پڑیچ و خم کے
 ہا میری مجبور یوں کے فسانے نہ تیرے کرم کے نہ تیرے ستم کے
 کشتی عمر کے بادباں ہیں تھپڑے نہیں ہیں یہ موج الم کے
 خود مختصر نامہ شوق کرتا نہیں رکتے لیکن یہ آنسو قلم کے

یہ کیا جانیں شمع محبت کی لاگیں
 یہ ہیں بدر پروانے شمع حرم کے

تبصرے

Writings and Speeches of
Moulana Mohd Ali

مرتبہ جناب، فضل اقبال صاحب ایم۔ اے۔
تقطیع متوسلہ عنایت ۸۵ صفحہ ۱ تا ۱۰

قیمت ۱ روپیہ پتہ: شیخ محمد شرف صاحب پبلشر کشمیری بازار لاہور۔

مولانا محمد علی مرحوم ان خوش نصیب انسانوں میں سے تھے جنہیں قدرت اول اور دماغ
کی بھلائیوں اور خوبیوں سے حصہ و فرعطا فرمائی ہے۔ وہ ایک عرف میدان حریت و آزادی کا
ایک نہایت بہادر و جری شہسوار تھے تو دوسری جہت سے انگریزی زبان کے پرچوش و پرزور مقرر
انشاء پر زبانی تھے۔ اگر یہ سیاسی جدوجہد اور علیٰ مصروفیتوں کی وجہ سے مرحوم کو کوئی مستقل
کے ہاں موقع نہیں ملا تاہم "کام بڑے کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ہزاروں صفحات کی تحریروں جو ان کے
ہاتھ میں مختلف جہتوں سے اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہیں ان کے قلم سے نکلیں
اور اس سب کا ایک اخبارت کے صفحات میں منتقل کر دی گئیں۔ شیخ محمد شرف صاحب
اس سب کو اپنے ہاتھوں میں انگریزی زبان میں اسلامی شریک کا ایک بڑا عمدہ اور مفید ذخیرہ جمع کر
کر ان کے ہاں کہ موصوف نے فی غل مرتب کی مدد سے مولانا مرحوم کی چند منتخب تحریروں کا
ایک سب سے بڑا کی شکل میں شائع کر کے محفوظ کر دیا۔ ان تحریروں اور تقریروں کا مجموعہ
ایک ایسی قیمتی کتاب ہے جو ہر نیک و صالحہ کی کتاب خانہ کی حیثیت سے
محفوظ رہنی چاہیے۔ اس کو جو بچھا اور پرکھنا مناسب نہ ہوگا۔ البتہ یہ مجموعہ
حیثیت سے بہت زیادہ قیمتی و درجہ اول کا ہے کہ یہ اس عظیم و جلیل شخصیت کے افکار و خیالات پر مشتمل
ہے۔ ان میں ہمیشہ از پیش قدمیوں اور مختلف قسم کے ذہنی اور علی کمالات کی وجہ سے ہندوستان
کی موجودہ پیدری کی تاریخ میں ہمیشہ سنہری اور جلی حروف میں لکھا جائے گا۔ علاوہ بریں زور

تسا کلام، وسعت معلومات، اسلوب نگارش کی جدت و رنگارنگی کے باعث یہ مجموعہ انگریزی وادب کے طلباء کے لئے بہت کام کی چیز ہے۔

جناب ناشر سے یہ توقع بجا نہیں ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے بقیہ مضامین و مقالات جو ابی کامریڈ کے صفحات میں بکھرے پڑے ہیں اسی طرح شائع کریں گے۔

Aqbal as a Thinker | تقطیع متوسط ضخامت ۳۰۰ صفحات ٹائپ جلی اور روشن
نٹ پانچروپہ پتہ۔ شیخ محمد اشرف صاحب کشمیری بازار لاہور

یہ کتاب چند مقالات کا مجموعہ ہے جو ہندوستان کے متعدد ارباب علم وادب نے ڈاکٹر اقبال کی شاعری اور فلسفہ کے مختلف پہلوؤں پر انگریزی میں لکھے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی "اقبال کا تصور زبان و مکان"۔ خواجہ غلام الحسین نے "اقبال کے فکر میں ترقی پسندانہ رجحانات" شریف صاحب ایم۔ اے (کینٹ) نے "اقبال کا تصور خدا" ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نے "بی ششے اور اقبال"۔ پروفیسر فضل الرحمن نے "اقبال اور تصوف" ڈاکٹر عزیز احمد نے "اقبال کا سیاسی نظریہ"۔ پروفیسر کلیم الدین احمد نے "فنون لطیفہ کے متعلق اقبال کا تصور" پر تحقیق دی ہے۔

یہ تمام مقالات نہایت سنجیدہ، محققانہ، پراز معلومات اور مفید و بصیرت افروز ہیں، ہر مقالہ بجائے خود ایک کتاب ہے۔ البتہ سب سے آخر میں فیاض محمود صاحب کا مقالہ "اقبال کا رویہ خدا کے متعلق" تشنہ و نا تمام ہے۔

اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اقبال کا فکر اگرچہ مربوط و مسلسل اور مرتب و مہذب تھا مگر اس کے باوجود بعض اشعار ان کے قلم سے ایسے بھی نکل گئے ہیں جن کو ہم محض ایک شاعرانہ "یا اسی مناسبت سے" زندانہ جرات کہہ سکتے ہیں۔ اس کو اقبال کے مربوط افکار کا جزر و دنیا صمیم نہ ہوگا۔

ملاحظات افلاطون | مہتمم ڈاکٹر سید فاجد حسین صاحب تقطیع متوسط ضخامت ۵، ۴ صفحات

کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد پانچویں وغیرہ مجلد پندرہویں شائع کردہ انجمن ترقی اردو (پنہ) نے
 سقراط یونان کا مشہور ہندوستانی ہے۔ افلاطون اسی کا شاگرد تھا۔ سقراط کا
 تعمیر یہ تھا کہ وہ یونان کی فطرت کا جو تفریح خانوں اور سی قسم کی لوگوں کے جمع ہو
 جموں پر پہنچ جاتا اور وہاں لوگوں سے بات چیت شروع کر دیتا۔ مختلف چیزوں کی نسبت
 پہتا خود سوچ کر کرتا تھا اور جو جواب دیتا تھا اس پر منطقی، مطلق میں معارضہ یا انقضاض وارد کرتا
 اس طرح جب مجیب لا جواب ہو جاتا تو اب سقراط خود اپنے فلسفیانہ افکار و نظریات کی روشنی
 میں چیز کی حقیقت پر مدلل بحث کرتا تھا۔ سقراط نے اپنے فلسفہ اور خیالات کو اسی طرح عوام
 پہنچانے کی کوشش کی اور دوسرے فلاسفہ کی طرح کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی۔ سقراط کی حیرت
 و عبرت آمیز موت کے بعد اس کے تلمیذ ریشیو افلاطون نے جہاں اس کی کتابیں لکھیں۔ مکالمات
 افلاطون کے نام سے بھی ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ زیر تبصرہ کتاب اسی کتاب کے آٹھ مکالمات
 ہیں۔ انگریزی ترجمہ کے واسطے اردو ترجمہ ہے۔

زمانہ و مائت میں افلاطون سے دراصل محبت، نیکی اور علم وغیرہ کے متعلق اپنے
 خیالات کا بیان کیا ہے۔ اس کے تلمیذ میں زرخانی کی سب سے ترجمہ کی خوبی اور عمدگی ہے۔
 اس ترجمہ کا نام کافی شہرت ہے۔ ان مکالمات کا خاص امتیاز یہ بھی ہے کہ فلسفیانہ طرز
 بیان پر سب سے زیادہ بیان میں دیکھ گئے ہیں۔ جس سے اس زمانہ کے یونانی ادب پر بھی
 روشنی پڑتی ہے۔ اس کتاب میں فلسفہ فلسفہ اور ادب کا ادب، ارباب ذوق کے لئے
 ایک عمدہ کتاب کا باعث ہوگا۔

اسلام اور سوداگری ڈاکٹر نور اقبال قریشی صدر شعبہ معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن
 صفحہ ۲۴۰۔ سنے کا پتہ۔ اور راجہ معاشیات فاطمہ منزل، حمایت نگر حیدرآباد دکن
 ڈاکٹر نور اقبال علم المعیشت کے ماہر جامعہ عثمانیہ کے شعبہ معاشیات کے صدر اور
 مسائل پر چند دوسری کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی جدید تصنیف "اسلام اور سوداگری" ہے۔

بدشکل ہے۔ سود کے مغربی نظریے، سود کا اسلامی نظریہ، سود اور ربا، اسلام اور بینک کاری، معاشرت پر ربا کے اثرات، معین شرح کے قرضوں کے برے اثرات۔

کتاب اپنی افادیت کے لحاظ سے لائق تحسین اور قابل مطالعہ ہے۔ اور سب سے اہم اور نمایاں پہلو جو دراصل کتاب کی روح ہے یہ ہے کہ آج تک قدیم و جدید تعلیم یافتہ حضرات یہ سمجھ رہے تھے کہ موجودہ معاشی مسائل میں سود کے لئے ایک خاص جگہ ہے اور بین دین میں اس کی افادیت ظاہر ہے لہذا اسلام اگر سود کو حرام قرار دیتا ہے تو ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اسلام کی جانب سے ایسا دفاع پیش کریں جس سے اس کی مضرت اس کی افادیت سے زیادہ نمایاں نظر آنے لگے۔

علمی حلقہ میں پہلی مرتبہ ڈاکٹر قریشی نے سود کے جدید نظریات کے علمی اور عملی پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے ماہرین معاشیات جدید کی آرا اور ان کے فیصلوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ نظام معاشی کے ابتدائی دور سے لے کر موجودہ دور تک خود جدید علم المعیشت میں سود کا مفید ہونا غیر طے شدہ امر ہے بلکہ اکثر ماہرین کا رجحان یہ ہے کہ معاشی نظام میں سود کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اور وہ یقین کرتے ہیں کہ معاشی ترقیات کا آخری اتقان یہ ہے کہ شرح سود کو مغرب تک لے آئے پس کا پی ب ہو کر رہے گا۔ بلاشبہ مصنف کی یہ کاوش مستحق تحسین و تہنیک ہے اور اس بحث نے کتاب کی افادیت کو دو پانچ کر دیا ہے۔

البتہ "سود کا اسلامی نظریہ" اور "سود اور ربا" کے زیر عنوان جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اپنی افادیت کے باوجود تشنہ ہے۔ سود کے متعلق اسلامی نظریہ کی وضاحت کے لئے از بس ضروری ہے کہ آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ متعلقہ حرمت سود کے تمام اطراف و جوانب کو روشنی میں لایا جائے اور پھر یہ ثابت کیا جائے کہ سود سے متعلق اسلام کا دور رس فیصلہ نظام معاشیات کی بہتری کے لئے کس درجہ صحیح اور سنی برصفت ہے۔

گاؤں سدھار گیت | تقطیع خورد ضخامت ۸۰ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت درج نہیں

پتہ: آزاد بڈ پورہ کوچہ پھیلاں دہلی۔

جناب شیخ ندین صاحب نیر بچوں اور بچیوں کے شاعر کی حیثیت سے کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ موصوف نے اب گاؤں سدھار کی طرف بھی توجہ کی ہے چنانچہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے آپ کی یہ کتاب ان گیتوں کا مجموعہ ہے جو آپ نے گاؤں والوں کی اصلاح و فلاح کے لئے لکھے ہیں۔ ان گیتوں میں بھی یہ صاحب کے طرزِ غنیف کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ زبان نہایت سہل، ورساں جسے ہر اجدگنوار بھی سمجھ جائے، انداز بیان ایسا دلچسپ اور دلنشین کہ تین چار مرتبہ کے پڑھنے سے ہی پورا گیت یاد ہو جائے۔ چیر مضمون کے اعتبار سے ان گیتوں میں وہ تمام چیزیں موجود ہیں جو گاؤں والوں کو صحت و تندرستی، صفائی و ستھرا پن، اور اخلاق و مذہب کا سبق پڑھانے کے لئے ضروری ہیں۔ اس کا تعارف جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ نے لکھا ہے۔ جگہ جگہ کہ لائقِ مہمف نے یہ گیت لکھے ہی موصوف کی فرمائش پر ہیں یہاں یہ ہے گرام سدھار غنیش ان گیتوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں خرید کر گاؤں گاؤں پھیلانے کی کوشش کریں گی۔

موت العالم موت العالم

متوسلین سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کو یہ معلوم کر کے بڑا فسوس ہو گا کہ حضرت مولانا قاری محمد باقی قادری صاحب نقشبندی مجددی نے جو حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے جانشین و رفیقہ مجددی اور اس سلسلہ کے کابر شاخ میں سے ہوتے تھے۔ وہ جب علی شہداء و شہداء کے وقت یہ ٹھکانہ کرتی میں رحلت فرمائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا محمد حسین صاحب نے وقت بہت کم و درخت سے موصوف کی روح پر فتوح کو ایصالِ ثواب کے لئے خوش سہولت سے مل گئے۔

مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

ذیل میں ندوۃ المصنفین کی کتابوں کے نام مع مختصر تعارف کے درج کئے جاتے ہیں تفصیل کیلئے دفتر سے فہرست کتب طلب فرمائیے

سلسلہ ۱۔ اسلام میں غلامی کی حقیقت مسئلہ غلامی

پر پہلی محققانہ کتاب۔ قیمت ستر مہلہ للحد

تعلیمات۔ سلام اور مسیحی اقوام، اسلام کے اخلاقی

اور روحانی نظام کا ویدیرھا کہ قیمت ستر مہلہ للحد

سوشلزم کی بنیادی حقیقت۔ اشتراکیت کے متعلق

پروفیسر کارل ڈیل کی آٹھ تقریریں کا ترجمہ

قیمت تین روپے مہلہ چار روپے۔

ہندوستان میں قانون شریعت کے نقاد کا سلسلہ ۴

سند۔ بنیادی صہم۔ تاریخ ملت کا حصہ اول،

جس میں سیرت طہر کائنات کے تمام اہم واقعات کو

ایک خاص ترتیب سے یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت ۵۰

فہم قرن جدید ایشیاء جس میں بہت سے اہم

اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو زینت و تزیین

کیا گیا ہے اپنے رنگ کی بے خل کتاب عام مہلہ سے

غلامان اسلام، کچھتر سے زیادہ غلامان اسلام

کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی

بیان۔ قیمت ۵۰ مہلہ ۵۰

اخلاق اور فلسفہ اخلاق، علم الاخلاق پر ایک

محققانہ کتاب جس میں اصول، خدق اور انواع

اخلاق اور فلسفہ اخلاق پر مکمل بحث کی گئی ہے،

قیمت ۵۰ مہلہ ۵۰

سلسلہ ۲۔ قصص القرآن حصہ اول جدید ایشیاء

ندوۃ المصنفین کی ایہ ناز اور مقبول ترین کتاب

زیر طبع۔ قیمت ۵۰ مہلہ ۵۰

وحی الہی مسئلہ وحی پر پہلی محققانہ کتاب۔

قیمت دو روپے مہلہ ستر

بین الاقوامی سیاسی معلومات۔ یہ کتاب ہر ایک

لا بہرہ ریزی میں رہنے کے لائق ہے۔ قیمت ۵۰

تاریخ انقلاب روس۔ ٹراسکی کی کتاب کا سند

اور مکمل خلاصہ۔ قیمت ۵۰

سلسلہ ۳۔ قصص القرآن حصہ دوم قیمت ۵۰ مہلہ ۵۰

سلام کا اقتصادی نظام، یہ وقت کی اہم ترین

کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل

مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

تیسرا ایڈیشن زیر طبع قیمت غیر مہلہ للحد

مہلہ پانچ روپے

خداوندِ راشدہ، تاریخِ ملت کا دوسرا حصہ جس میں عہدِ خلفائے راشدین کے تمام قابل ذکر واقعات صحت و جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت سے ۲۰ مجلد ہے

مسلمانوں کا عروج اور زوال۔ جدید ایڈیشن زیر طبع۔ قیمت ۲۰ مجلد ہے

سنت ۱۔ مکمل لغات القرآن جلد اول۔ لغتِ قرآن پر پہلا کتاب۔ قیمت ۲۰ مجلد ہے

سنت ۲۔ کارل مارکس کی کتاب کپٹل کا مختصر شستہ ورفہ ترجمہ۔ قیمت ۲۰

اسلام کا نظام حکومت۔ صدیوں کے قانونی مطالبہ کا تاریخی جواب۔ قیمت ۲۰ مجلد ہے

خداوندِ نبی امیہ، تاریخِ ملت کا تیسرا حصہ خلیفائے نبی امیہ کے مستند حالات و واقعات سے مجلد ہے

سنت ۳۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم تربیت۔ جلد اول۔ اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب۔ اندر زبانِ انگریزی قیمت ۲۰ مجلد ہے

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت۔ جلد ثانی۔ قیمت ۲۰ مجلد ہے

قصص القرآن حصہ سوم۔ کتاب کے اس حصہ میں نبیائے علیہم السلام کے واقعات کے علاوہ باقی قصص قرآنی اور تاریخی واقعات کی مکمل تشریح و تفسیر کی گئی ہے۔ قیمت ۲۰ مجلد ہے

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد ثانی قیمت ۲۰ مجلد ہے

سنت ۴۔ کتابوں میں قرآن اور تصوف مولفہ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحبہ ایم۔ اے پی۔ ایچ ٹی طبع ہو چکی ہے عنقریب حضرات محبین و معاونین کی خدمت میں روانہ کی جائیگی

قصص القرآن جلد چہارم پریس کو جاری ہے باقی دو کتابوں کا اعلان بعد کو کیا جائے گا۔

کتابوں کے تفصیلی تعارف کے لئے فہرست کتب مفت طلب فرمائیے اس سے آپ کو ادارے کے حلقہائے محبین و معاونین و اجار میں شامل ہونے کے قوانین بھی معلوم ہوں گے۔

فیس حلقہ محبین ۵۰۰، حلقہ معاونین ۱۰۰

حلقہ اجارہ لاء محبین و معاونین کو تمام مطبوعات ادارہ مع رسالہ برہان بغیر قیمت دی جاتی ہیں اور اجارہ نصف قیمت پر

نیچر ہندوستان پبلیشرز قریب باغ دہلی

جلد اول - قصص القرآن حصہ دوم قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد دوم کا قصصی تمام وقت کی بہترین کتاب
پہلے میں اسلام کے نظام، قصصی کا مکمل نقشہ
پیش کیا گیا ہے قیمت ہے مجلد دوم

جلد اول - بنو ہاشم میں مسلمانوں کو فتنہ تحمیم و ترسیت
جلد اول - اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب، اندر
میں وکٹ قیمت بلکہ مجلد دوم
بنو ہاشم میں مسلمانوں کا نظام جسم و تربیت جلد اول

جلد اول - راشد و تائید و تائید و تائید و تائید
جلد اول - راشدین کے تمام قبیلوں کی روایات
جلد اول - وجہ مسیحیت کے رتبہ بیان کے لئے ہیں
جلد اول - تائید و تائید

جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم

جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم

جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم

جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم

جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم

جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم

جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم
جلد اول - قیمت بلکہ مجلد دوم

میں جو چیزیں ہیں جن کی ضرورت ہے

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص :- جو مخصوص حضرات کو یا بخیر و پے یکشت مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنین خاص کو یہی تمیزیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم و نور سے وہ کی خدمت میں دار سے درمشتہ برہان کی تمام مصنوعات ضرور پہنچائی جائیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہونے لگیں گے۔

۲۔ محسنین :- جو حضرات بچیں وہ سالانہ مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنین میں شامل ہوں گے ان کی جانب سے یہ خدمت معوضہ کے غلط اثر کو نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خاص ہوگا۔ ادارہ کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد دو سو چار ہوگی نیز مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادب کا رسالہ برہان کسی معوضہ کے بغیر پیش کیا جائے گا۔

۳۔ معاونین :- جو حضرات تین روپے سالانہ یا بیسی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے عام معاونین میں ہوگا۔ ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ و رسالہ برہان (جس کا سالانہ چند پانچ روپے سے زیادہ قیمت ہوتا ہے) پیش کیا جائے گا۔

۴۔ اہل حق :- جو روپے سالانہ یا بیسی مرحمت فرمائیں گے ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ و رسالہ برہان (جس کا سالانہ چند پانچ روپے سے زیادہ قیمت ہوتا ہے) پیش کیا جائے گا۔

قواعد

۱۔ زبان :- انگریزی ہینڈ کی دائرہ رائج و مشہور شائع ہوگی۔
۲۔ ادبی و علمی کلیاتی مضامین بہ طبع و مؤلفین ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔
۳۔ ہر مضمون کا نام کے تحت سے رسالے کے دائرہ میں شائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ تا تاریخ تک دفتر کو طالع دیدیں ان کی خدمت میں رسالہ دوبارہ بذمیت بھیجا جائیگا جس کے بعد سہ ماہیہ میں اعلان نہیں بھیجا جائے گی۔

۴۔ جو بے سبب امور کے ساتھ رسالہ پیش کیا جائے وہ بھی حقہ وری ہے۔
۵۔ قیمت رسالہ دو روپے ستمبر ہی دو روپے بارہ آنے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۸/-
۶۔ منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوین یا پنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

موروثی محمد اسلم صاحب پرنٹ و پبلیشرز حد رقی ریس دہلی میں طبع کر کے دفتر رسالہ برہان دہلی، قولہ مارغرم شائع کر کے

ندوة ائین دینی کا علمی و دینی ماہنامہ

برکات

مرتبہ
سعید احمد کسرا بادی

مطبوعات ندوة المصنفین دہلی

ذیل میں ندوة المصنفین کی کتابوں کے نام مع مختصر تعارف کے درج کئے جاتے ہیں تفصیل دفتر سے فہرست کتب طلب فرمائیے اس سے آپ کو ادارے کی ممبری کے قوانین اور اس کے صحائف و معاونین اور اجار کی تفصیل بھی معلوم ہوگی۔

<p>غلامان اسلام :- پچھتر سے زیادہ غلامان اسلام کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کی تفصیلی بیان قیمت چار مہلہ ہے</p> <p>اخلاق اور فلسفہ اخلاق :- علم الاخلاق پر ایک مجموعہ کتب جس میں اصول اخلاق اور اخلاق اور فلسفہ اخلاق پر مکمل بحث کی گئی قیمت چار مہلہ ہے</p> <p>مستند قصص قرآن حصا اول :- جدید ایڈیشن ندوة المصنفین کی مایہ ناز اور مقبول ترین کتاب زیر طبع قیمت چار مہلہ ہے</p> <p>سین :- قومی سیاسی معلومات :- یہ کتاب ہر ایک لائبریری میں رہنے کے لئے بہ قیمت چار مہلہ ہے</p> <p>وحی الہی :- مستند وحی پر مبنی محققانہ کتاب قیمت دو روپے مہلہ ہے</p> <p>سین الغد :- روس کی کتاب کا مستند اور مکمل خلاصہ قیمت چار مہلہ ہے</p>	<p>مستند اسلام میں غلامی کی حقیقت :- مستند غلامی پر پہلی محققانہ کتاب جدید ایڈیشن جن میں ضروری اصلاحیں بھی کئے گئے ہیں قیمت چار مہلہ ہے</p> <p>تعیین اسلام اور سچی اقوام :- اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کا پذیرفہ کہ قیمت چار مہلہ ہے</p> <p>سوشلزم کی بنیادی حقیقت :- انٹراکٹ کے متعلق پروفیسر ڈاکٹر کی ڈیٹھ تقریروں کا ترجمہ جرمنی سے پہلی بار اردو میں نقل کیا گیا ہے قیمت چار مہلہ ہے</p> <p>ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ :- منظمہ نبی عربی مسلم تاریخ ملت کا حصا اول جس میں بہت سے روکانات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص ترتیب سے بیان کیا گیا ہے قیمت چار مہلہ ہے</p> <p>ہندوستان میں جدید ایڈیشن :- جس میں بہت سے اہم اضافے کئے گئے ہیں اور زبانت کتب کو نہ صرف نومرتب کیا گیا ہے بلکہ اس مضمون پر نئے نئے کی پیش کتاب قیمت چار مہلہ ہے</p>
---	---

برہان

شمارہ (۲)

جلد پنجم

شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق اگست ۱۹۴۵ء

فہرست مضامین

- | | | |
|-----|--|----------------------------------|
| ۶۶ | عتیق الرحمن عثمانی | ۱۔ نظرات |
| ۷۷ | مولانا سید مناظر حسن صاحب گیدانی | ۲۔ تدوین فقہ |
| ۹۵ | جناب میجر خواجہ عبدالرشید صاحب آئی۔ ایم۔ ایس | ۳۔ علم نقل الکلمہ |
| | | ۴۔ ترہیرن ابی سلسلی |
| ۱۱۲ | ڈاکٹر محمد یوسف صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایچ۔ ڈی | سوانح حیات اور کلام پر تبصرہ |
| | | ۵۔ دیوبند میں علم کی پہلی درسگاہ |
| ۱۱۸ | جناب سید محبوب حسن صاحب رضوی | عہد عالمگیری کے دو پروانے |
| | | ۶۔ ادبیات |
| ۱۲۴ | جناب سیفی ندوی صاحب | سازِ بخودی |
| ۱۲۵ | م۔ ح | ۷۔ تبصرے |

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نظرات

اللہ اکبر! قدرت کی کرشمہ سازیاں بھی کس قدر عجیب و غریب اور حیرت انگیز ہیں کہ جس طرح عقل انسانی ان کی گرہ کشائی سے آج سے صدیوں پہلے عہد جاہلیت میں عاجز و درماندہ تھی۔ آج جبکہ اس نے فطرت کے اسرار و رموز کو اپنے پنجمے تدبیر سے بڑی حد تک ہوا فکندہ نقاب کر دیا ہے۔ ایسی ہی عاجز و بے بس ہے۔

غور کیجئے تو تاریخ نے گزشتہ چند دنوں کی یک کروٹ میں ہی انقلاب و تغیر کی ایسی دور دراز منزلیں طے کر لی ہیں جو صدیوں میں بھی طے نہیں ہوئیں۔ اور اس مختصر مدت میں دنیا کے پردہ وجود پر ان وقعات و حوادث نے ظہور کیا ہے جو قرونوں میں بھی ظاہر نہیں ہوتے۔ سوچئے اور سمجھئے والوں کے لئے ان واقعات و حوادث کی کتاب کا ایک ایک صفحہ۔ اور اس صفحہ کی ایک ایک سطر عبرت و بصیرت کی ہزاروں دانتیں سنارہی ہے۔ اور انسانی قلب و دماغ کو ایک مسلسل لگ رہا یاد دہش نصیحت و موعظت دے رہی ہے۔ فہل من مذاکر۔

کون نہیں جانتا چند ہی مہینوں کی بات ہے۔ موجودہ دنیا کی وہ عظیم ترین شخصیت جس کو لگ بھگ ریسیڈنٹ روزولٹ کے نام سے جانتے تھے اور جس کے دبدر 'رشوکت کا یہ عالم تھا کہ اس کی چشم کرم و ستفات کی ایک جنبش نے برطانیہ عظمیٰ کی بد نصیبی کو خوش نصیبی سے اور یوسی ونا کامی کو فتنہ دی وکا مرانی سے بدن دیا تھا۔ بالآخر جب قدرت کے محکمہ قصاص سے خود اس کے سب سے فرمان اجل صادر ہوا تو ذرا بھی دیر نہ لگی اور وہ دم کے دم میں موت کا شکار ہو گیا۔ فہشٹ نظام حکومت کا وہ عفریت قہر سامان (مسلوینی) جس کے کام و دہن سے نکلا ہوا

ایک ایک سانس عالم کے کارخانہ امن و امان میں بچل پیدا کرتا تھا۔ آخر کار اس کا حشر یہ ہوا کہ وہ خود اپنے ہی ملک کی سرزمین پر خود اپنی ہی فوج کے سپاہیوں کے ہاتھوں انتہائی بے بسی و بے کسی کے عالم میں اپنی لڑائی کے ساتھ بندوق کی گولیوں کی مسلسل بوچھاڑ کا نشانہ بنا اور اس طرح وہ ہمیشہ کے لئے خاکِ مذلت و رسوائی کا پیوند ہو کر رہ گیا۔

عصرِ حاضر کا وہ مجموعہ طلسمات و عجائبات انسان (ہنر) جس کا قدم قدم مادرِ گیتی کے بدن پر خوف و ہراس کی لہریں پیدا کرتا تھا اور جس کے کالبذِ عزم و بہمت کی ایک ایک کروٹ سے ملکوں اور قوموں کی قسمتوں کے نقشے بدل جاتے تھے۔ انجام کار دنیائے دیکھا کہ وہ خود اپنے کا شانہ امارت و عشرت کی ہی دیوار کے سایہ میں اپنی محبوبہ کے ساتھ اس درداغیز طریقہ پر تندرِ اجل ہوا کہ آج اس کا کہیں یہ نام و نشان بھی نہیں ہے جہاں کوئی نوحہ و ماتم کے دوا نسو بھی گرا سکے۔

یہ تو جو کچھ ہوا شہسی عروج و زواں کا ایک عبرت انگیز مرقع تھا۔ اس سے قطع نظر قومی اعتبار سے دیکھئے تو نظر آئے گا کہ جو قوم کل تک اپنے بہ منصوبہ میں کامیاب اور اپنے ہر ارادہ میں فہم و کامران تھی۔ اور جس کے جلو میں قبا و نصرت کی فوجیں جوق در جوق چلتی تھیں۔ گردشِ ایام کی ایک جنبش نے ہی اب اسے "تو اے سوختہ در گلو" کا ایک حیرت افزا پیکر بنا کر رکھ دیا ہے۔ اور ابھی کچھ دن ہوئے ان کی بد قسمتی پر دنیا کے تین بڑے انب نوں نے اپنے متفقہ فیصلہ سے ایک حتمی مہر تصدیق بھی ثبت کر دی ہے۔

اور اس کے برعکس جو قومیں میدانِ چھوڑتی چلی جا رہی تھیں اور دنیا کی انگشت قیافہ شناسی جن کے نبضِ حیات کی مدہم رفتار کا بے چینی سے شمار کر رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے پوری جنگ کا نقشہ یکسر منقلب کر کے رکھ دیا۔ چنانچہ آج فتح کا جھنڈا انھیں کے

ہاتھ میں ہے۔ اور اب اس کا تاج و تاجدارانہ کے سرور کی زینت بنا ہوا ہے

۱۲۔ سچ کے صفحت قوموں کے عروج و زوال کی داستانوں سے تہی مایہ نہیں۔ لیکن آپ کو جستجو کے بعد بھی ن میں کسی ایک ایسی قوم کا حال نہیں ملیگا کہ جس نے کل بارہ سال کی مدت میں انتہائی عروج اور پھر اسی طرح انتہائی زوال دونوں کی منزلوں کو اس سرعت کے ساتھ طے کر لیا ہو۔ اور وہ چند کلا دتوں میں سب کچھ بن جانے کے بعد یکایک پھر کچھ بھی نہ رہی ہو۔



یہ قوموں کی سکت و ریخت اور ان کا یہ عروج و زوال خواہ کتنا ہی درس آموز و عبرت انگیز ہو۔ لیکن ایک سنجیدہ مفکر کے لئے سب سے زیادہ لائق توجہ و موشگافہ ہے جو ابھی حال میں انگلستان کے جدید انتخاب سے بطور نتیجہ پیدا ہوا ہے۔ غور کیجئے انگلستان کا سابق وزیر اعظم جس نے درحقیقت اپنی قوم کے حق میں میں نے کیا کام کیا۔ آج وہ خود اپنی اسی قوم کے مقتول گناہی اور بے چارگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے اور اس طرح جہاں اہل برطانیہ نے پنی آزادی۔ روشن ضمیری اور ملی دماغی کا ایک ناقابل تردید ثبوت پیش کیا ہے۔ انھوں نے قطعی طور پر یہ حقیقت بھی ثابت کر دی ہے کہ اب معاشی اور سیاسی رجحانات کے اعتبار سے دنیا کا رخ کیا ہے؟ اور خارجی و داخلی عوامل و موثرات نے اسے کس طرف چلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جنگ یورپ کے اختتام پر جارج برنارڈشا نے کہا تھا کہ یہ فتح دراصل انگلینڈ و ایل کی نہیں بلکہ سوویت روس کی فتح ہے۔ اس بنا پر ہمیں اس پر خوشی منانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ سچ ہے اس جہان پر اس نے ڈھائی مہینہ پہلے جو بات کہی تھی انگلستان کے گزشتہ انتخابات کی حریفانہ تصدیق کر دی ہے۔ اور برنارڈشا غریب نے تو جنگ کا سارا کھیل دیکھ لینے کے بعد یہ کہا مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم جنگ کے آغاز میں ہی اس نتیجہ کی پیش گوئی کر چکے تھے۔ جس کی شہادت آج بھی بڑے بڑے علمائے کرام دے سکتے ہیں۔



اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس عظیم و جلیل انقلاب کا اثر صرف ان کی سیاسی اور معاشی

زندگی تک ہی محدود نہ رہے گا۔ بلکہ مذہب اور اخلاق کا بھی اس سے متاثر ہونا ناگزیر ہے۔ اس وقت
 بیا ایک بالکل نئے سانچے میں ڈھل رہی ہے۔ پرانے افکار و خیالات کی جگہ نئے رجحانات و میلانات
 پکڑ رہے ہیں۔ زندگی کی نسبت ایک بالکل جدید نقطہ نظر بڑی تیزی سے پرورش پا رہا ہے۔ روحانی اور
 حالماتی و مذہبی اقدار و برونز و زن و بے قیمت ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ انسان
 مشرف المخلوقات ہونے کے باوصف قطعی طور پر ایک معاشی حیوان بن رہا ہے اور وہ ان تمام
 چیزوں کو یکسر نظر انداز کرتے جا رہا ہے جن کا تعلق انسانی روح کے ارتقا اور اس کے باطن کی
 فروز و فلاح سے ہے، پھر چونکہ اس نقطہ نظر کی پشت پر بے پناہ فوجیں اور حکومت و سلطنت
 نہایت مستحکم طاقت و قوت ہے۔ اس بنا پر اس معاشی اور مادی نقطہ نظر کے تمام دنیا پر چھا
 جانے کے جو قوی امکانات ہیں ان سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔

حکومت کی ساحری کس طرح محکوم کے احساس اور اس کی قوت امتیاز کو مافوق و معطل
 کر دیتی ہے۔ اس کی ایک تازہ مگر دلچسپ مثال یہ ہے کہ انگلینڈ میں لیبر پارٹی کے برسرِ اقتدار آتے
 ہی ہماری ایک مشہور قومی درس گاہ کے وائس چانسلر نے جس کا بند بند سر بایہ داری کی زنجیروں میں
 جکڑا ہوا ہے۔ پارٹی کے لیڈر کو مبارکباد کا تار بھیجا ہے اور اس میں بڑے فخر سے اس کا اظہار کیا
 ہے کہ "سوشلزم اسلام سے بہت قریب ہے" گویا اسلام مریم کا ایک بے جا مجسمہ ہے کہ اسے جو شکل
 آپ چاہیں بڑی آسانی سے دے سکتے ہیں۔

ان حالات میں لامحالہ سول۔ پیدا ہوتا ہے کہ س نئے نظامِ عالم کے نقشہ میں مذہب کی
 کیا حیثیت ہوگی اور اس کے خانہ کو کس طرح پر کیا جاسکتا ہے واقعہ یہ ہے کہ اگر اس دم واقعی دنیا کا
 آخری اور سچا مذہب ہے تو اس سوال کا جواب سب سے پہلے مسلمانوں کو دینا چاہئے اور انہیں غور کرنا
 چاہئے کہ وہ اس سلاب کا مقابلہ کیونکر اور کس طرح کر سکتے ہیں۔ ورنہ اگر اس نازک وقت پر بھی

انھوں نے اپنی غفلت اور بے حسی کو نہیں چھوڑا تو نہیں کہا جاسکتا کہ خدا کی اس وسیع سرزمین انھیں کہیں کوئی ایسا گوشہ عاقبت مل بھی سکے گا یا نہیں جہاں وہ اطمینان سے زندگی کا سانس لے سکیں۔

انسانی تہذیب و تمدن میں جب کبھی کوئی عظیم انقلاب رونما ہوتا ہے تو عموماً اس کی پردہ چڑوں کی طاقت و قوت ہوتی ہے ایک قلم اور دوسری تلوار۔ مفکرین اپنی تقریروں سے اپنی شعور نوایموں سے۔ ورتش بیان مقرر اپنی تقریروں سے لوگوں کے فکروں کو متحرک کرتے ہیں۔ بحرِ ان و موت پیدا کر کے۔ انھیں کسی ایک خاص فکر سے اس طرح وابستہ کر دیتے ہیں کہ فکران کی روح میں تحلیل ہو کر ان کا ایمان اور عقیدہ بن جاتا ہے۔ پھر جب ان میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس عقیدہ کی صداقت کو دوسروں پر ظاہر کریں اور ان سے اس کی عظمت و برتری کا اقرار کرائیں تو اب اس قوم کے سپاہی میدانِ عمل میں آتے ہیں اور جو کام قلم سے تشنہ تکمیل رہ گیا تھا وہ اسے مکمل کر دکھاتے ہیں۔ آج کی دنیا میں بھی دیکھئے تو یہی دو طاقتیں کام کر رہی ہیں۔ درمختص کی موافقت اور عدم موافقت سے قومیں گہری اور ابھر رہی ہیں، یہ ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

پس مسئلہ توں کے سے دین کی حفاظت کا صرف یہی ایک موثر طریقہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک طرف قلم کے زور سے موجودہ مذہب کش رجحانات و مزعومات کا رخ پلٹنے کی کوشش کریں اور دوسری جانب وہ اس کی سعی کریں کہ دنیا میں طاقت و قوت کے جو چند دائرے بن رہے ہیں ان میں سے کسی ایک دائرہ میں ان کو بھی کوئی وقیع مقام حاصل ہو قلم اور تلوار کی طاقت دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ یہ دونوں ہم میں کسی ایک کو دوسرے پر تقدم نہیں دیا جاسکتا۔ تلوار کی طاقت کا حصول خیر کسی قدر زیادہ آسان ہے اور فکر صحیح خیر تلوار کی طاقت کے محض ایک فسطح ہے۔ مذہب نہیں ہے۔ لسان العصر جو م نے خوب کہا ہے۔

نہ ہونہ مذہب میں گرز و ر حکومت تو وہ مذہب نہیں ایک فلسفہ ہے

یہ مرحوم کے شاعر حکیم نے اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

ایں نکتہ کشائندہ اسرار نہا نست ملکست تن خاکی و دین روح روانست
تن زنده و جاں زنده زربطائن جانست با سبحة و سجدہ و شمشیر و سنان خیز

از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے عہد عروج و زرقی میں سب سے سجادہ اور شمشیر و سنان دونوں کا تعاون اور اشتراک ہی اس بات کا ضامن رہا ہے کہ انہوں نے جب کبھی کسی ملک کو فتح کیا تو... نے مملکت کے ساتھ ساتھ اہل ملک کے دل اور دماغ اور ان کی روح کو بھی فتح کر لیا۔

آج مسلمانوں کی اپنی تبلیغیں اور اصلاحی انجمنیں بھی ہیں اور قومی تعلیمی درس گاہیں بھی ان میں مذہبی ہیں اور انشا پر دار بھی۔ سیاسی رہنما بھی ہیں اور دینی پیشوا بھی۔ لیکن افسوس ہے کہ مجموعی طور پر ان تمام کوششوں کا رخ ایسا نہیں ہے جس سے ہم دنیا کے بین الاقوامی حالات کا مقابلہ کر سکیں اس طوفان سے بچ سکیں جس کے یکایک امڈ پڑنے کا امکان اب قوی قوی تر ہو گیا ہے۔

ہماری ایک بڑی غلطی یہ رہی ہے کہ اب تک ہم نے جتنے کام کئے ہیں وہ صرف اپنی حدود اور بالکل قریب کی دنیا کو پیش نظر رکھ کر کئے ہیں۔ حالانکہ ہم سمجھنا چاہئے تھا کہ اب دنیا اپنی تمام وسعتوں کے باوجود ایک خاندان یا ایک قبیلہ بن کر رہ گئی ہے۔ اس بنا پر یورپ میں جو انقلاب پیدا ہوا، اس سے ایشیا اور افریقہ کا متاثر ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح چین و جاپان اور ہندوستان کی اسی صورت حال کا اثر ضروری ہے کہ یورپ اور امریکہ پر پڑے۔ جس انقلاب کا اندیشہ تھا اب بظاہر اس کے پھیل پڑنے کا وقت قریب آ گیا ہے اور ہم اب تک اس قابل بھی نہیں کہ چند لمحے اس سیلاب کی

موجوں سے برسرِ آویزش ہی رہ سکیں۔ جو انقلاب اب آرہا ہے خود ہمارے ملک میں برسوں سے اس زمین ہوار کی جاتی رہی ہے اور شدید ترین پروپیگنڈہ کے ذریعہ نوجوانوں کے دماغوں کو اس طرح کر دیا گیا ہے کہ یہ انقذاب ہندوستان میں پہنچ کر غالباً کوئی اجمہیت محسوس نہ کرے گا۔ بلکہ یہاں۔ درودیوار سے اس کے خیمہ مقدم کی آوازیں بند ہوں گی۔ اس کے علاوہ گریہ صورت نہ بھی ہوتی تو ہندو غریب تو یوں بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اس بنا پر ہروہ نظام، ہروہ فکر، اور ہروہ تہذیب جو یورپ کی طرف سے آئیگی وہ لامحالہ اسے قبول کرے گا اور ضرور قبول کرے گا۔ آپ زبان سے لاکھ چغیر چلائیں، شور مچائیں اور دوا دلا کریں وقت کا کارواں جس رفتار سے چل رہا ہے اور اسے فطرت کی جوتا آگے بڑھا رہی ہیں ان کے زور شور اور ذوق تیز گامی و سبک پائی میں کوئی فرق پیدا نہیں ہو سکتا۔ کچھ بہت توقع ان حکومتوں سے ہو سکتی تھی جو مسلمان کہلاتی ہیں لیکن وہ تو ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ ہیں۔ اور انقلاب پندیری کی استعداد میں ہم تیرہ بختان ہند سے بھی کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہیں۔ یہ ہی وہ دنیا کا جدید رخ تھا جسے حکیم شرق کی چشم غیب آشنائے پہلے ہی دیکھ لیا تھا اور اس بڑے درد اور سوز و گداز سے کہا تھا۔

انکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں موجہرت ہوں کہ دنیا کیا کر کیا ہو جائیگی

اب آپ پوچھیں گے کہ اچھا! جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب اس کا علاج کیا ہے؟ ہمارے نزدیک موجودہ حالت میں اس کی تدبیر کے تین اجزاء ہیں اور ان میں سے ہر ایک چیز بجائے خود ایک مستقل ہر رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ ہندوستان کے تعلیمی نظام پر زیادہ سے زیادہ قدار حاصل کرنے کی کوشش کسی یعنی سی اس بات کی ہونی چاہئے کہ کم از کم مسلمانوں کا نظام تعلیم بالکل الگ ہو اور وہ ایسے اجزاء مرکب ہو کہ اس تعلیم کو حاصل کرنے کے بعد ہماری قوم کے نو بہاں جہاں بہترین انجینئر، صناع، ارباب اور علوم جدیدہ کے، بہ ہوں۔ ساتھ ہی وہ سچے اور بکے مسلمان ہوں اسلامی تہذیب کے دلدادہ ہو اور دینی حمیت کے پیکر ہوں اور اس طرح وہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کی سعادتمندوں اور بھلائیوں کے

جامع ہوں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ہم میں ایسے اربابِ قلم اور ایسے فی ثمر مقرر ہونے چاہئیں جو یورپ اور ایشیا کی مختلف زبانوں میں تحریر اور تقریر کی پوری استعداد و صلاحیت رکھتے ہوں۔ اور ساتھ ہی اسلامی علوم و فنون کے فاضل و مبصر ہوں۔ اس قسم کے حضرات کافی تعداد میں ہندوستان سے باہر جا کر یورپ اور ایشیا میں پھیل جائیں اور مختلف ملکوں میں اپنے ادارے قائم کر کے اسلام کی تبلیغ کا کام کریں، ان زبانوں میں اسلام پر کتابیں لکھیں اخبارات اور رسالے شائع کریں۔ یہ ایک اجتماعات کے موقعوں پر تقریریں کریں۔ غرض یہ ہے کہ تبلیغ و اشاعت کے جتنے طریقے ہیں انہیں کام میں لائیں۔ یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ اگر اس طرح آپ نے کسی ایک آزاد ملک کے سمجھدار اور با اثر غیر مسلم کو مسلمان کر لیا تو وہ یہاں ہندوستان کے پچاس لاکھ جمہورتوں کے مسلمان کر لینے سے زیادہ نافع اور مفید ہے پھر ان غیر ملکی مبلغوں کا ایک طبقہ ابابھی ہونا چاہئے جو ترکی، مصر، ایران، افغانستان اور عراق و فلسطین اور روس کی مسلمان جمہوریتوں میں ملدلی حکام و مسائل کی نشر و اشاعت کرے، ان کو حقیقی اسلام کی نذرت کا متوالا اور والد و شیدا بنائے۔

غور کیجئے۔ اگر آپ کی ان کوششوں سے کچھ اور نہیں فقط ترکی کی پارلیمنٹ کے ارکان اور مصر کے کاہنہ وزارت کے عمائد ہی سچے اور پکے مسلمان بن جاتے ہیں تو وہ کیا کچھ نہیں کر سکتے اور ان سے اسلام کو جیسی کچھ تقویت نہیں پہنچ سکتی۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں بھدا فتنہ تبلیغ کے ولولہ و جوش کی کمی نہیں ہے لیکن افسوس ہے کہ ان کی کوششوں سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ اس لئے پیدا نہیں ہوتا کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ تبلیغ اور اس قوم میں اور کن لوگوں میں کرنی چاہئے۔ کس طرح کرنی چاہئے۔ اور کن لوگوں کو اس کے لئے اس طرح تیار کرنا چاہئے۔ اگر مسلمان اس ضرورت کو پیش نظر رکھ کر کام کر رہے ہوتے تو آج یہ ناممکن تھا کہ دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف سیاسی پارٹیاں قائم ہوتیں اور اسلامی دستور و آئین کی حامی و دنی ایک پارٹی بھی نہ ہوتی۔

تیسری چیز یہ ہے کہ مسلمانوں کو ملک کے سیاسی اقتدار میں زیادہ سے زیادہ شریک ہونے کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے۔ اور جتنا حصہ بھی ملے اور جب بھی ملے اس سے بہر حال انہیں فائدہ

اٹھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہم دیکھتے ہیں اگر ایک وزیر تعلیم کام کا آجاتا ہے تو وہ محکمہ تعلیمات
کیا کر دیتا ہے۔ کسی یونیورسٹی کا ایک وائس چانسلر اگر صحیح ان خیال اور عملی آدمی ہو تو وہ یونیورسٹی کے
اصلاح کر کے اسے کس قدر مفید اور سودمند بنا سکتا ہے۔ مسلمانوں کی یہ پالیسی کہ "پاکھائیں۔
ورنہ جائیں گے جی سے" انھیں سخت نقصان پہنچا رہی ہے اور وہ نہیں سمجھتے کہ اس وقت
کی سیاسی طاقت میں ان کی صحیح نمائندگی کے نہ ہونے سے انھیں قومی اور جماعتی طور پر کس
نقصانات پہنچ رہے ہیں اور آئندہ اور کس قدر زیادہ نقصانات پہنچ سکتے ہیں۔

یہ جو کچھ ہم نے عرض کیا کوئی نئی بات نہیں ہے مقصد صرف اس طرف توجہ دلانا
یہ عرض کرتا ہے کہ اگر واقعی آپ اسلام کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کی جماعتی اور قومی
کو بہ عزت طریقہ پر قائم و باقی رکھنے کے آرزو مند ہیں تو خدا کے لئے وسعت نظر، بیاد مغزی
سے کام لیجئے اور جو کام کرنے کے ہیں ان میں سے جس طرح کہ انھیں کرنا چاہئے۔
امام ہدیٰ کی تدبیر کے انتظار میں ہاتھ پیر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے سے کوئی کام نہ ہو سکیگا اور
کے سامنے مسئولیت سے نہ بچ سکیں گے۔

اٹھو ورنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی دو روزانہ چال قیامت کی چل گئی

حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

گذشتہ مہینہ کے برہان میں حضرت مولانا شاہ قاری محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
وفات حسرت سیات کی خبر شائع کی جا چکی ہے۔ لیکن چونکہ پرچہ کی پوری کتابت ہو چکی تھی اس
شذرہ نہیں لکھا جا سکا۔ حضرت مرحوم دہلی کے باشندہ تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا قاری
مولانا شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلی کے خلیفہ تھے اور فن تجوید و قرأت میں بڑا کمال

قاری محمد اسحاق صاحب نے ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی اور قرأت و تجوید کا فن بھی انھیں
 اچھا۔ اس کے بعد علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے میرٹھ تشریف لے گئے۔ یہاں ان دنوں مدرسہ بلائیہ
 خاص شہرت رکھتا تھا۔ مولانا ناظر حسن صاحب اس کے صدر مدرس تھے اور حضرت مولانا
 عزیز الرحمن صاحب عثمانی بھی اسی مدرسہ میں درس دیتے تھے حضرت قاری صاحب نے تمام
 اسی مدرسہ میں پڑھیں اور یہیں درس نظامی کی تکمیل کی۔ آپ کی استعداد نہایت پختہ اور مضبوط
 عرصہ فقہ میں بڑی دسترس اور وسیع نظر رکھتے تھے اور فقہ کی دولت سے جو محض یک عطیہ
 دی ہے پورے طور پر بہرہ اندوز تھے۔

حضرت مولانا مفتی عزت الرحمن صاحب کا اس وقت عالم شباب تھا۔ آپ جتنے بڑے
 رشتہ تھے تنہا ہی بڑے سالک راہ طریقت و ریاضتِ معرفت بھی تھے۔ قاری صاحب حضرت
 صاحب کے علقہ نامہ میں داخل ہوئے تو آپ کا تعلق صرف علوم ظاہرہ و رسمہ تک ہی
 نہیں رہا بلکہ آپ نے استاد سے علوم باطنیہ کی تحصیل بھی کی۔ اور اس ذوق و شوق اور محنت
 محنت سے کی کہ شاگرد ہو ہوا استاد کا آئینہ بن گیا۔ حضرت مفتی صاحب دیکھنے میں بہت سیدھے
 تھے۔ بڑے بھولے بھالے اور بے تکلف تھے۔ اپنے گھر کے کاموں کے عداوہ پروسیوں کا سودا سلف
 بازار سے لے آتے تھے کم گو تھے۔ حد درجہ کے چار نواز اور غریب پرور تھے۔ چہرہ پر ہر وقت بشارت
 ہم کھیتا رہتا تھا جس سے ملنے تھے تواضع اور غایت انکسار سے تھے۔ تصنع اور بناوٹ کا کہیں
 بات میں ذرا دخل نہ تھا۔ نہایت صابر اور قانع تھے۔ ہزاروں مریدوں کا وسیع صف رکھنے کے باوجود
 سے بھی کسی چیز کی توقع نہیں رکھتے تھے بلکہ جب کسی موقع ہوتا تھا خود اپنے بعض غریب مریدوں
 کو مدد دیتے تھے۔ نہ ہر اس طرح بے تکلف رہتے تھے لیکن دل درحقیقت اسرارِ معرفت
 غیبیہ تھا اور روح چوں حدیث کی مسلسل ضیاء یوں سے سرچشمہ تجلیات و انوارِ بزرگی
 ہو ہوا۔ اسکل ہی اوصاف حضرت قاری صاحب کے بھی تھے۔ ان کا دسترخوان وسیع تھا
 کو بھی کھانا کھا کر خوش ہوتے تھے۔ مزاج میں بید فروتنی اور خاکساری تھی۔ بڑے ہنس مکھ

اور خوش طبع تھے۔ کم بولتے تھے۔ مگر جب زبان کھلتی تھی تو سوائے قال اللہ اور قال الرسول کے کسی اور چیز کا ذکر بہت کم ہوتا تھا۔ جس سے جو تعلق ہوتا تھا اسے خواہ کچھ ہو پورے طور پر نباہتے تھے۔ نہایت پابند وضع اور بزرگانہ اخلاق و مکارم کے پیکر اتم تھے۔

طاب علمی سے فارغ ہو کر ایک عرصہ تک میرٹھ میں ہی درس دیتے رہے۔ مولانا عاشق الہی میرٹھی اور مولانا محمد علی نامی پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی۔ ہندوستان کے مشہور قاری مولانا ابو محمد محی الدین صاحب پنی پتی ایسے حضرات نے آپ سے علوم دینیہ اور تجوید کا فیض حاصل کیا۔ لیکن آپ کے روحانی کمالات کا سوائے خاص لوگوں کے کسی کو علم نہ تھا۔ سب سے زیادہ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد لوگوں کو حضرت قاری صاحب کے خلیفہ مجاز ہونے کا علم ہوا تو حضرت مفتی صاحب کے متعدد مریدوں نے جن میں بعض مشہور علماء مثل ہیں حضرت قاری صاحب سے رجوع کیا اور اب آپ دہلی میں مستقل قیام فرما ہو کر فیوض باطنی و روحانی سے مستفید فرمایا۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے وابستہ ہونے کے باعث ہر سال حضرت مجدد صاحب کے منار پرست ایک جماعت کشیہ کے سرسند شریف لیجاتے تھے اور کئی دن وہاں قیام کرتے تھے چنانچہ اس سال بھی عہدہ رزکی عدالت اور صنعت و نقاہت کے باوجود آپ ۴۴ جولائی کو سرسند شریف لے گئے۔ واپسی میں طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ یہاں تک کہ میرٹھ میں ہی آپ اتر گئے۔ وہاں چند گھنٹوں کے بعد جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ و اعلیٰ مقام فی الجنان۔ عمر تقریباً ۸۴ سال کی پائی۔ دو صاحبزادے جناب قاری محمد یوسف صاحب ادبی آں نڈیاریڈیو کے مستقل قاری ہیں۔ در قاری محمد یعقوب صاحب بطور اپنی اادی یادگار کے جھوڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو نصیب جلیل عطا فرمائے کہ ان کے اس غم جانکاہ میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اور بھی سینکڑوں مرید شگروہ و عقیدتمند شریک ہیں۔

تدوین فقہ

(۸)

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

آپ تو خدا جانے مذہب اسلام کے اختلافی قصوں کا کتنی بھیا نک اور محیب شکلوں میں تصور حائے بیٹھے ہیں اور یہاں حل یہ ہے کہ ایسی بات جس پر منطق بہ ظاہر ناممکن اور محال کا فتویٰ لگائے بغیر نہیں رہ سکتی، علمائے اسلام اس کے بھی صرف امکان ہی نہیں بلکہ وقوع پذیر ہونے کے قائل ہو گئے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ البیانات کے سوا جن کی تفصیل گزر چکی اور بتایا جا چکا ہے کہ شروع ہی سے ان کی تبلیغ و شاعت میں پیغمبر اور پیغمبر کے جانشینوں نے ایک ایسا طریقہ کار اختیار فرمایا کہ مذہب اسلام کے عناصر و جزا میں سن کا ہوتا، تنہا یہی درہن حقیقت بن چکی ہے کہ اسلام کے ساتھ بغیریت کا جو تعلق ان کا ہے اس کے نشہ پر وہ بھی مجبور ہیں جو سرے سے اسلام کو بھی نہیں ملتے، اسی سے اسلام کے اس حصہ میں اختلاف ڈالنے والوں کا حال تو ور ہے جس کا کچھ حال گے بیان ہو گا، لیکن میں مذہب کے جن اختلافات کا تذکرہ اس وقت کر رہا ہوں، ان کے متعلق یہ سن کر آپ کو حیرت ہو گی کہ ان اختلافات کے متعلق ایک دو نہیں اسلام کے ائمہ و علماء کی اکثریت کا یہ خیال ہے کہ اس قسم کے مسائل میں اختلاف کرنے والوں میں سے کسی کو برسر غلطی نہیں قرار دیا جاسکتا، صرف یہی نہیں بلکہ یقین کرنا چاہئے کہ ان میں ہر ایک حق پر اور مذہب اور رہا وہ ثواب پر ہے، جس کا دوسرا مطلب یہی ہوا کہ منطق نفی و اثبات کے تحت تواقض کے حوالہ قرار دیتے ہیں، اختلاف کے مسئلہ میں ہرے علم و دائرہ کی رواداری گویا

یوں سمجھنا چاہئے کہ اس حد کو پہنچی ہوئی ہے کہ منطق کے اس قاعدہ کی پروا بھی گویا ان کے نزدیک ضروری نہیں قرار دی گئی اور یہ رائے کچھ آج غیروں کی تالیوں اور اپنوں کی گالیوں سے متاثر ہو کر نہیں قائم کی گئی ہے، بلکہ اس رائے کی تاریخ اسی قدر قدیم ہے جتنی قدیم خدا سلام کے ان مذہبی اختلافات کی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عقد المجید میں یہ ارقام فرمانے کے بعد اختلاف فی اصولی المجتہدین ان دینی مسائل کے متعلق جن کی کوئی قطعی دلیل نہیں پائی جاتی، ائمہ مجتہدین میں جو اختلاف ہے، خود اس کو لا ینفع فیہا هل کل اختلاف کے متعلق بھی یہ اختلاف ہے، جتنے مجتہدین ہیں، یا سب حق پر ہیں یا حق پران میں سے کوئی واحد۔ ایک ہی ہو سکتا ہے۔

یہ جواب دیتے ہیں۔

قرآن والہ الامیر الوالحسن الاستعری ہیں، بت یعنی ان میں سے ہر ایک حق پر ہے
 و نقضہ کہ ان کا قول ابو الحسن لا شعری قاضی ابو بکر بن
 محمد بن ابی بن شیبہ۔ ابو یوسف اور محمد بن حسن و قاضی شریح کا ہے
 یہ تو ہندو نام دوسرے ترجمہ ہر نام کسی نام ہی کا نام ہے۔ آگے فرماتے ہیں۔
 من عن ابی بن النکاحین من یہی است جہوز شکین سے بھی نقل کی گئی ہے خواہ یہ
 اس سے بہت بعد کے متعین تنازعہ سے ہوں یا مستزاد سے ہوں۔

یہ سب کے قانون کی خلاف ورزی جو لازم آتی ہے، شاہ صاحب نے
 بنفس کے ساتھ اسی کتاب میں اس کا جواب دیا ہے، خواہ یہ بات بہت ہر کتنی ہی دشوار معلوم ہوتی ہے
 کہ انسانی ذہن کی وسعت ہو سکتی ہے کہ اس قسم کے اختلاف پر نفی و اثبات والا منطقی قاعدہ چپاں
 لے لے کر چلے۔

ہی نہیں ہوتا، کیونکہ ایسے اختلافات یا تو ان حدیثوں کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں جو پیغمبر سے براہ
خبر الخاصہ مروی ہیں، اور اس میں کوئی دشواری نہیں ہے اگر یہ سمجھا جائے کہ پیغمبر یہ بھی کرتے تھے اور
وہ بھی کرتے تھے، مثلاً رفع الیدین رکوع میں جانے اور اٹھنے کے وقت ہاتھ اٹھانے کا جو مسئلہ ہے،
اس میں کیا خرابی ہے اگر مانا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہاتھ اٹھاتے تھے کبھی نہیں اختلاف
ان مسائل کے متعلق یہی نہ تھا کہ سنت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ عمل کیا تھا، جب
دونوں ہو سکتے ہیں تو سنت ہونے میں دونوں برابر ہوئے۔ پس نفی بھی واقع کے مطابق ہے
اور اثبات بھی۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ باوجود سنت ہونے کے افضل کیا ہے، مگر خبر سنت
ہونے کا جو دعویٰ تھا، اس کی حد تک تو دونوں باتیں صحیح ہیں، اور اختلافات کا دوسرا قصہ
اجتہادی مسائل میں پیدا ہوتا ہے جن کی صراحت نصوص میں نہیں پائی جاتی، اور نصوص کو بکھر
ارباب فکر و نظر و ہم و بصیرت نے بطور استنباطی نتائج کے ان کو پیدا کیا ہے، پھر اس کو
کیا ہوئی؟ قانون کی ایک کتاب دو ضلعوں کے دو مختلف حاکموں کے سیر کی جاتی ہے یہ ہے
ہوئے کہ ایسے واقعات جن کے متعلق احکام کی تصریح قانون کی اس کتاب میں نہ ہے تو کتاب کے
قوانین مذکورہ کو پیش نظر رکھ کر ان ہی کی روشنی میں چاہئے کہ ہر حاکم حکم لگائے اور فیصلہ دے، ایک
ہی قسم کی فرض کیجئے کہ دونوں حاکموں کے سامنے کوئی ایسی صورت پیش ہوئی جن کا صراحت حکم
قانون کی اس کتاب میں موجود نہ تھا۔ دونوں نے کامل غور و خوض اور تنہائی نظر و فکر سے کام لے کر
دیانت داری کے تمام احساسات کو بیدار رکھتے ہوئے فیصلہ کیا، اتفاقاً ایک کا فیصلہ دوسرے سے
مختلف ہو جائے اور ایسا ہو جانا نہ صرف ممکن بلکہ ہوتا ہی رہتا ہے تو سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں سے
کسی کو برسر غلطی قرار دینا، کیا خود غلطی نہیں ہے؟ غیر شرعی قوانین میں حکومت کے مشارکے مطابق ہونا
یہی کسی فیصلہ کی صحت کا جیسے معیار ہے اسی طرح شرعی قوانین میں حق تعالیٰ کی مرضی اور مشارکے
مطابق اجتہادی احکام کا ہونا ہی ان کا صدق و صواب ہے، امر و حکم کی جنہیں اجازت شریعت

عصا کر چکی ہے۔ انھوں نے اجتہاد کے فرائض کی پابندی کرتے ہوئے اگر اجتہاد کیا ہے تو جو نتیجہ وہ پہنچا کریں گے وہی شریعت کا منشاء قرار پائے گا۔ اور اجتہادی احکام کے حق و صواب ہونے کے یہی معنی ہیں۔ باقی حدیثوں میں حاکموں کے فیصلوں کے متعلق جو یہ آیا ہے کہ وہ کبھی صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور کبھی غلط بھی، اس کا تعلق اجتہادی احکام سے نہیں تھا بلکہ واقعات پر شرعی احکام کو منطبق کرنے کا کام حاکم جو کرتا ہے اس حدیث کا۔ سی سے تعلق ہے مثلاً چوری کے الزام کے ساتھ ایک شخص حاکم اور قاضی کے پاس پیش ہوا، چور کو یہ سنائی جائے اس کا حکم صراحۃً قرآن میں موجود ہے اس لئے سزا کی تجویز کے لئے اجتہاد کی ضرورت نہیں، البتہ وہ چور سزا نہیں بہ واقعہ کی تحقیق کا کام ہے اور اس میں دونوں باتیں صحیح نہیں ہو سکتیں یعنی وہ چور بھی ہو، اور نہ بھی ہو، مجتہد کبھی غلطی کرتا ہے اور کبھی نہیں، اس حکم کا تعلق اجتہاد کی اسی قسم سے ہے، اور نہ مسئلہ اجتہاد یہ میں واقعہ کی مطابقت صرف اس قدر ہے کہ مجتہد نے یعنی اس شخص نے یہ فیصلہ کیا ہے جس کا فیصلہ ہی شریعت کا منشاء ہے۔

بہر حال مجھے تو اس وقت صرف یہ بتانا تھا کہ مذہب کے جس اختلاف پر آج ہر جگہ داد دیا جا رہا ہے جن لوگوں میں یہ اختلاف تھا وہ اس کے متعلق اتنا ائمہ لانی و اتفاقی نقطہ نظر رکھتے تھے آخر اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ ائمہ مجتہدین اپنے سوا دوسروں کے خیال کو غلط سمجھتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ امام ابو حنیفہؒ کی قبر کے خیال سے امام شافعیؒ دین کے ایک صحیح مسئلہ کو چھوڑ کر اس طریقہ عمل کو اختیار کرتے جو ان کے نزدیک غلط یعنی دین نہ تھا، یا امام مالکؒ دو دفعہ موقعہ ملنے کے باوجود ان مسلمانوں کو جو ان کے فقہی نتائج سے مختلف تھے، ان کو غیر شرعی اور دنیا ان کے نزدیک جو غلط زندگی تھی اس پر باقی رہنے کی اجازت ہی نہیں، بلکہ خلیفہ وقت کو غلطی کی اصلاح سے روک سکتے تھے، مالک کون کیسے تحکمون۔

کوئی توجیہ ان بزرگوں کے اس طرز عمل کی اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ وہ سب ہی کو حق و صواب سمجھتے تھے، شاید یہی بنیاد ہے، غالباً مشہور امام سقیان ثوریؒ کے اس قول کی کہ وہ مذہب کے ان اختلافات کو اختلافات کے لفظ سے تعبیر ہی نہیں کرنا چاہتے تھے۔

شعرانی نے نقل کیا ہے۔

قال مصنف الثوری لا تقولوا سینا ثوری کہتے تھے کہ علماء نے فلاں مسئلہ
 اختلاف العلماء فی کذا و قولوا میں اختلاف کیا ہے نہ کہا کرو بلکہ ہوں اس کو
 قد وسم العلماء علی الامة کرو کما مت کے لئے علماء نے یہ گنجائش
 بکذا (میزان ص ۲۱) پیدا کی۔

کاش ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پاکیزہ اصطلاحی مشورہ مان لیا جاتا، اور بجائے اختلافوا، اختلاف
 کے توسعوا، یا اس کے ہم معنی الفاظ کے استعمال کا امت میں رواج ہو جاتا، تو اختلاف کے لفظ اور
 صرف لفظ سے دنیا اور دنیا کیا حد یہ ہے کہ خود مسلمان جس مغالطہ میں آج مبتلا ہیں، یا مبتلا کر دیئے
 گئے ہیں وہ شاید پیدا ہی نہ ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی اختلافات دوران اختلافات سے پیدا ہونے والی فرسہ
 بندیوں کے شور سے سچ آسمانوں کو جوہر پر اٹھایا گیا ہے، بذریعہ گویا لور کر بھی لیا گیا کہ اسلام کی تاریخ
 میں شاید ہی کوئی زمانہ ایسا گذرا ہو جس میں ہفتاد و دو ملت والی جنگ میں ملت اسلامیہ مبتلا نہ رہی ہو۔
 سمجھا جاتا ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے، ایسا واقعہ جس کی تصدیق ہمیشہ مشاہدہ سے ہوتی رہی ہے اور ہو ہی
 ہے، اب میں لوگوں سے کیا کہوں، جس چیز کو وہ واقعہ کہہ رہے ہیں، دعویٰ کر رہے ہیں کہ مشاہدہ اس کا
 علم ان کے اندر پیدا کر رہا ہے، میرا حال اس سے بالکل مختلف ہے۔

سب جانتے ہیں کہ ایک رات تک اس وقت تک جب تک کہ مسلمانوں میں یونانی اور
 اسکندریانی، ہندی و ایرانی زبانوں کے علوم و فنون ترجمہ کی راہ سے منتقل ہو کر نہیں پہنچے تھے ان کے
 عوام ہوں یا خواص، مذہب کے استثنائی عناصر و اجزاء کے متعلق کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں رکھتے تھے،
 اس زمانہ تک ان میں جو کچھ بھی اختلاف تھا وہ ان ہی مور کی حد تک تھا، جن کے اختلاف کا، اختلاف نام
 رکھنا ہی شاید صحیح نہیں بلکہ سب حق پر ہیں۔ سب راہ معیوب ہی پر چل رہے ہیں یہی سمجھا جاتا تھا، ہی وجہ
 تھی کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ رفع الیدین کرتے تھے، کسی حنفی کے دل میں قطعاً کسی زمانہ میں ایک

ملہ اسکندریہ کے مدرسہ میں جن علوم و فنون کا رواج تھا ان ہی کی یہ اصطلاحی تعبیر ہے۔

لوحہ کے لئے بھی اس کا دوسرا ٹپہ نہیں آیا کہ ان کے دین میں کسی قسم کی کوئی کمی تو کیا پیدا ہوگی، وہ اس تھ سے بھی عاجز ہیں کہ امام شافعیؒ کی ولایت اور ان کے مدارس میں شک کریں، جن کے مستحق نامست۔
اولیاء اور صلح سمجھے جاتے ہیں اور جہاں تک میں جانتا ہوں یہی نسبت شوافع کو امام ابوحنیفہؒ اور ان تلمذہ راشدین سے ہے، قبرانی حنیفہؒ پر امام شافعیؒ کے اس طرز عمل کے سوا، امام ابوحنیفہؒ کے شوافع کی عقیدت کی یہ انتہا ہے کہ امام عبدالوہاب شمرانی حجتاً منہ علیہ جملہ ایک شافعی عالم ہیں اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں یہ ارقام فرمانے کے بعد

انھم کلہم علی ہدی من ربہم تمام ائمہ سیدیں راہ پر ہیں اپنے رب کی طرف سے
وما یھینہ احد فی قول من اور ان بزرگوں میں سے کسی کی اہانت وہ کر سکتا ہو
اقوالہم الا بھملہ دلیلہ جو ان کے ہنسک کی دلیل سے ناواقف ہے یہ جہاں
اما من حیث دقت مدارکہ سے بات ائمہ کی سمجھ میں آتی ہے وہ بہت نازک
علیہ۔ اور دقیق ہو۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے الفاظ یہ ہیں۔

لا سیما الامام الاعظم ابوحنیفہ خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ نہ بن ثابت رضی اللہ عنہ
النعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثانی عنہ جن کے علم کی کثرت اور پارسائی و
الذی اجمع اسلف اختلف علی کثرة عبادت اور ان کے علمی مدارک کی نزاکت اور
عمر و ورع و عبادت و دقت مدارکہ و استنباط پر اگلوں اور پچھلوں کا اتفاق ہے، امام
استنطاقات و محاشاہ رضی اللہ تعالیٰ ابوحنیفہ کی ذات اس الزام سے قطعاً بری ہے
منہ من ان یقول فی دین اللہ بالکرای کہ ائمہ کے دین میں انھوں نے کوئی ایسی بات
لا یتحدلہ ظاہر بالکتاب کبھی کہی ہو جس کی شہادت قرآن اور سنت کے
ولا سنۃ (ج ۱ ص ۵۲) ظاہر نصوص میں نہ ملتی ہو

آخر میں اپنے شیخ علی الخواص کی شہادت جو میرے خیال میں واقعہ کی شہادت ہے، ان الفاظ

نہی کرتے ہیں۔

مدثرۃ الامام ابی حنیفہ امام ابو حنیفہؒ جہاں سے اپنے مسائل و معجزات کو منبأ
لا یكاد یطلع علیہ الا کرتے ہیں، وہاں سے ہمارے دو قہقہے ہیں کہ ان سے بجز بڑے
اہل الکشف من کبار بڑے بڑے اولیاء اللہ صاحب کشف کے دوسرا مشکل
اولیاء اللہ (ج ۱ ص ۵۸) ہی سے مطلع ہو سکتا ہے۔

اور غالباً یہی میرا وہ ہے جو شعرانی نے چند مطروحات کے بعد بھی لکھا ہے۔

مذہب الامام ابی حنیفہ اول مدفن ہونے کے لحاظ سے تمام مذاہب اور فقہی مکاتب
مذاہب تہذیب و آخرھا خیال میں پہلا مذہب امام ابو حنیفہؒ ہی کا ہے اور ختم ہونے
لا یصل الی الذی بعض من الکشف کے لحاظ سے بھی آخری مذہب امام ابو حنیفہؒ ہی کا ہے
فداخارہ اللہ تعالیٰ اماما جیسا کہ بعض ارباب کشف نے کہا ہے، اللہ تعالیٰ نے
لذینہ وعبادہ ولہم نزلت بہ امام ابو حنیفہؒ کو اپنے دین کی پیشوائی کے لئے چن لیا اور
فی زیارۃ فی کل عصر الی اپنے بندوں کا انھیں امام بنایا، ان کے ماننے والے ہر
یوم القیامۃ زمانہ میں بڑھتے چلے جائیں گے قیمت کے دن تک۔

شیخ نے اپنے آخری فقرہ میں جن امور کی طرف اشارہ کیا ہے، ان میں بعض اجزاء کی تفصیل
کے آری ہے، مثلاً امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کا سب سے پہلے مروج ہونا، ان کے اتباع کا دن بدن بڑھتے
لے جانا، انشاء اللہ اپنے تمام اسباب و وجوہ کے ساتھ ان پر یہ وصل بحث کی جائے گی، لیکن ایک
عمومی عالم کا اس کشف کو بغیر کسی تنقید کے نقل کرنا کہ امام ہی مذہب سب سے آخر میں رہ جائے گا اور
اسی پر ختم ہوگی، جو ان کے کلام کا حاصل ہے، اس وسعت دلی کا کتنا بڑا ثبوت ہے جو نہ ہی اعتقاداً
یا باوجود علماء اسلام میں پائی جاتی تھی۔

جو نہ دیکھنا چاہتے ہوں انھیں تو کوئی دکھا نہیں سکتا، لیکن مسلمانوں میں سارے جہان کے
مسلمانوں میں عظمت و احترام کا جو مقام عالی حضرت سیدنا شیخ جلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہے

اس سے کون واقف نہیں؟ حقیقی یہوں یا شافعی، مالکی یہوں یا حنبلی، غوث اعظم کا لفظ کس کی زبان پر جاری نہیں؟ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ حضرت والا مسئلہ حنبلی تھے اور ایک وہی کیا، شافعی مسئلہ غزالی، اگر حجۃ الاسلام ہیں تو سید کے حجۃ الاسلام ہیں۔ رازی شافعی اگر امام ہیں تو سب کے امام ہیں۔ نیست پیغمبر و لے وارد کتاب "والے رومی کو چونکہ وہ حنفی تھے اس لئے اس خطاب کا مستحق کیا، صرف حنفی مسلمان بھی سمجھتے ہیں۔ مجدد فاروقی کو اسلامی دنیا کے جس جس حصہ میں مجدد تسلیم کر لیا گیا ہے کیا ان کے متعلق یہ بات صرف حنفی مسلمانوں ہی تک اس لئے محدود ہے کہ نسبتاً اپنی حنفیت انہیں زیادہ اصرار تھا۔

پھر دنیا کا جو اختلاف پیدا ہونے کے ساتھ ہی اختلاف کے اس رنگ میں رنگین ہوا اتفاق و اتحاد کی ان صورتوں میں بدل جاتا ہو، مشاہدہ کرنے والوں نے مشاہدہ کیا، اگر اس کا اختلاف اور وہی اختلاف سمجھتے رہے جس نے قوموں کو بٹاٹا اور کاٹا ہے اور آج بھی خیالات کا اختلاف تو ہے جو زمین کے کرہ پر ادھم مچائے ہوئے ہے، انسانیت کے لئے لعنت بنا ہوا۔ ہمارے ان مذہبی اختلافات کے تل کو مرہ بیکہ رسولی اور خدا جلنے کیا کیا بنا کر دکھایا گیا۔ بسکر قوموں کے اباؤ اجداد نے مذہبی اختلافات میں اور ان کے پوتے پردتوں نے لائبریری اختلافات میں

سہ مطلب یہ ہے کہ کلیسائی عہد میں جو کچھ یورپ نے خون بہا یا سب مذہب کے نام سے بہا یہ مذہب کے خون سے تنگ کر چب مذہبیت میں پناہ لی گئی اور بت پرست یونانیوں رومانیوں کو بیٹھا بنا یا گیا، تو ان قوموں کے اوہام و وطنیت و قومیت کے زندہ ہوئے، اب عقائد خیالات کے اختلاف پر نہیں بلکہ اضطراری صفات مثلاً چہرہ و یا نسلوں کے خدات پر جنگ کی بنیاد رکھی گئی یا ان وہی اور فرضی حدود چین کے ذریعے خاک کے اس تودہ زمین کو ناموں سے موسوم کر دیا گیا ہے کسی نام یورپ اور کسی کا ریشہ رکھ دیا گیا اور جو صرف وہم تھا واقعہ سے اس کا کوئی تعلق اسی کو واقعہ سمجھا گیا، پھر ہر جو کچھ ہوا، تقریباً یہی حال زبانوں کے اختلاف کا بھی ہو کہ معانی سے الفاظ کا ظاہر ہے کہ کوئی اور قدرتی تعلق نہیں ہوتا بلکہ جس شے کی تعبیر کے لئے جس لفظ کو فرض کر لیا گیا وہی شے اب اس لفظ کا معنی بن گئی بولہوں کے بولنے والوں میں جب زبانوں کی اسی اختلاف پر لڑائی کی گئی تو کیا یہ بھی صرف ایک فرضی مسئلہ کے نہ ہوئی، لیکن یورپ اب تو ان حدود سے بھی بگڑے نکل گیا ہے، خیالات کا اختلاف جس پر رہا گیا تھا، اب اسی پر رہا

کچھ کیا کرتے رہے، کر رہے ہیں، اور خدا ہی جانتا ہے کہ کب تک کرتے رہیں گے۔ ان سب کو بھلا دیا گیا
 ناقابلِ برداشت بنا دیا گیا، اس اختلاف کو کہ مسلمانوں میں کسی کو زور سے آئین کہنے پر اصرار ہے اور کسی کو
 آہستہ کہنے پر اپنے محبوب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جس باطنی نسبت پر یہ اصرار رہی ہے اس سے
 قطع نظر بھی کر لیا جائے جب بھی میں پوچھتا ہوں، توہوں کی گرج اور بھوں کی راک کے درمیان زندگی
 گزارنے والوں نے کیا یہ انصاف کیا جب

غنیہ چٹھا تو کہا سر میں دھمک ہوتی ہے

کہنے والے نے سچ کہا تھا،

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

خیر میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسلام میں اختلاف جو کچھ بھی تھا صرف مذہب کے، سی حصہ سے اس کا
 تعلق تھا جس کا اختلاف مردہ نہیں، بلکہ گزر چکا کہ ایک حد تک مطلوب و مقصود تھا، اس عہد کے بعد
 یہ صحیح ہے کہ باہر سے درآمد کئے ہوئے جرائم نے کچھ دن کے لئے ان اختلافات کو ضرور پیدا کیا، جن کی لہریں
 غیر میتانی حصہ سے گزر گزر کر اسلام کے "میتانی" عناصر سے بھی ٹکرائیں جاتی تھیں، اور اس لئے چاہا جائے
 تو کہا جاسکتا ہے کہ فرقہ بندیوں والے اختلافات میں کچھ دن کے لئے اسلام ضد برآمد ہو گیا، لیکن اسی کے
 ساتھ جس طغیانی اور دندنہ کے ساتھ اختلافات کے ان قصوں کی داستان سرائی، پٹوں یا غیروں نے کی ہے
 یا کر رہے ہیں، جہاں تک میں خیال کرتا ہوں بچانے، شاید اس کے زیادہ تر موت کا تعلق بھی مناظرطوں ہی سے ہو
 بلاشبہ کتابوں میں خصوصاً "فرقہ" کے ذریعہ کو بیان کرنے والی کتابوں میں "ہفتاد و ملت" کی جو
 لمبی لمبی فہرستیں اسلامی فرقوں کی لوگ درج کرتے ہیں ان کے دیکھنے سے تو دماغ پوکھنا چاہیے، اور
 اسی پوکھلا ہٹ میں لوگ یہ سوچنا بھول جاتے ہیں کہ جن گونا گوں، پوئلکوں قرقبائے اسلام کا ان
 کتابوں میں تذکرہ کیا گیا ہے وہ دنیا کے کس خطہ میں کہیں آباد بھی ہیں یا نہیں،

کتابوں میں تذکرہ کیا گیا ہے وہ دنیا کے کس خطہ میں کہیں آباد بھی ہیں یا نہیں،
 بھلا آج دنیا میں چالیس سے لیکر ستر کروڑ تک کی تعداد ان انسانوں کی بتائی جاتی ہے
 یہ ستر کروڑ تو کس خطہ میں کہیں آباد بھی ہیں یا نہیں،

ہے۔ سب سے پہلے جس کا خدا ایک ہے نئی ایک ہے، کتاب ایک ہے، قبلہ ایک ہے، اور آپ غور نہیں کرتے ورنہ نظر آتا کہ فرقہ بندیوں کے لحاظ سے بھی ان کی اکثریت غالبہ شدیدہ صرف ایک ہی فرقہ کی شکل میں لی جاتی ہے، یعنی اسلام کے "بیانی" حصہ کے متعلق ان میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وہ نہ جھکا کہ فرقہ بندی کے لئے جس اختلاف کی ضرورت ہے وہ بیانات ہی کا اختلاف ہے، میری رائے سنت والجماعت سے کون نہیں جانتا کہ بیانات کی حد تک ان میں سب ایک ہی نظر متفق ہیں، اسی کی سبب وہ مالٹا خلیفہ و اصحابی سے کرتے ہیں یعنی متفقہ طور پر یہ فیصلہ اور یہ کہ سنیوں سے جو رہنما نقل ہو کر مسلمانوں تک پہنچا ہے اہل سنت اسی کو اپنا دین بنا رہے ہیں۔

۱۔ سنت کے بعد آج کے مسلمان کہہ جانے والی قوموں میں ایسے کتنے فرقے ہیں جن میں بیانات ہیں، سنت سے اختلاف ہو رہی جس کا زعم اصول اختلاف ہے، وہاں غور نہ کرنا چاہئے، لیکن دوسرے حصہ کے کتب کو گشتے گشتے میں ٹھوٹے، شہور زعم بتانے والے ایک نمبر کے سوا اس آئین کے نیچے اور اس آئین کے اوپر کم از کم اس زیادہ تک جس زیادہ تک مسلمان ملتے ہیں وہ جہد ہونے میں رہا ہے۔ یہ بد مذہبیت اور اس کے پائیدار ہے، کنہاں میں دکھائی نہیں دیتا کہ اس سے بتائے کہ وہ بھی کوئی ہے، میں نہیں جانتا کہ کوئی نہیں کے سوا اس کا مشہور ہوا ہوگا، بالکل۔ ایک یہ سمجھتا ہوں کہ انتہائی تلاش و جستج سے کام لیا جائے تو عرب کے بعض باطنی مذاہب مثلاً مسقط وغیرہ میں جیسا کہ سنتے ہیں، اس میں ہر ہر نفوس خارجیوں کے جی شامل کیے جاسکتے ہیں، لیکن یہاں سواں کروڑ ہا کروڑ کتب، نصف عرب سے بھی جس قوم کی مردم شمار ہے یہاں مسلمانوں کے ان جدیدہ صدی حیوانات کی صورت ہے جو حکومت کے اس جہد میں آزادی خیال کے نام پر، سب سے پہلے جو ہے وہ اس کے دین مختلف گوشوں سے اسلامی عقائد و اعمال کے متعلق نئی نئی راہوں و نظریات پیدا کر رہا ہے، یہاں جدیدہ مذہبیت نے اب تک مسلمانوں میں (بجز ایک خاص تفریق کے جس میں شیعہ فرقہ کے متفقہ عقائد و مذہبیت کے مشابہت کے ساتھ) کوئی شش کی جا نہیں ہے، اور کسی خیال نے کوئی ایسی نئے صورت نہیں اختیار کی ہے جس سے فرقہ بندی دیکھتی ہو۔

کی رپورٹ قریب ہے کہ آگے نکل جائے، بلکہ اعداد و شمار کے بعض ایچے باہرین سے تو سننے میں آتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد نصف ارب سے آگے بڑھ کر پون ارب کے قریب پہنچ چکی ہے، علاوہ اس کی اتنی بڑی آبادی کے مقابلہ میں یہ چند ہزار نفوس بھی کیا قابل شمار ہو سکتے ہیں۔

کیا تاثر ہے اس مقدار و ملت کے لطیفہ کا، جس سے ہندو کا لفظ ساقط ہو کر صرف "دو" (دو) اور شیعہ) تک محدود ہو کر چورہ جاتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ان دونوں میں بھی چند ایسے ذیلی فرقے کہیں کہیں جڑ پائے جاتے ہیں جن کے اختلاف کو بیانات کا اختلاف قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ میکڈانل نے بھی لکھا ہے کل کے کل وہ شیعوں ہی کے ذیلی فرقے ہیں مثلاً ابن کے زید۔ ہندو یا ہندوؤں کے سنیانہ اور دیہات کا خانیہ، باقی اہل سنت میں جو اختلافات ہیں اور ان اختلافات کی بنیاد پر بطور عام ہندو کے رنگ مختلف مسکن صورت منسوب ہیں۔

بتا چکا ہوں کہ علامہ سید یحییٰ ان کے اختلافات کی وہ نوعیت ہی نہیں بتا سکتے تھے جتنے اور ٹولیاں آ رہی ہیں حتیٰ کہ آپ یہ بھی سن چکے کہ ان کے اختلافات کو خدشات کہنا بھی صحیح نہیں ہے یہی واقعہ بھی ہے اہل سنت کے حوزہ ہوں یا غیر میں یہی وہ بات ہے کہ یہی سی پران کا عمل بھی ہے۔ اسی لئے باہم ایک مسدک کے لوگ دوسرے مسدک والوں سے کٹ کر رہی مباح کے عام معاشرتی ہی نہیں بلکہ پیری مریدی تک کے تعلقات قائم کرنے سے نہیں چھٹکتے شروع سے سنا کر اس وقت تک ان کا عام حال یہی رہا ہے کہیں کہیں شخصی طور پر گرتے، مگر فہرست زبان سے اور وہ بھی علمی مباحثوں یا مناظروں کے وقت کچھ بے احتیاجیاں عمل میں آتی ہیں تو اس کی ذمہ داری ان اختلافات پر عائد نہیں ہوتی، بلکہ اس قسم کی بے احتیاجیاں تو ان لوگوں کے اندر ہی پائی جاتی ہیں جن میں یہ اختلافات نہیں ہیں، علمی ترنگ اور مناظراتی جوش میں بھر کر کہ تنفیہاتوں کے

میں مجھے حوالہ یاد نہیں کہ کسی معتبر مجلہ میں جینیوا والی مرحوم ایک آف نیشنل رجسٹریشن کے شعبہ اعداد و شمار کی رپورٹ درج کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد ستر کروڑ کے قریب پہنچ چکی ہے اور بچوں میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ایسے صحرائی دور رس مسکن علاقوں (مثلاً صحرائیں وادی قبچاق ترکستان وغیرہ) میں پھیلی ہوئی ہے جن تک شمار کرنے والوں کی رسائی آسان نہیں ہے۔ ۱۲

اسی ہی جیسے ختمی عالم پرچہ میں نہیں کی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ زیادہ تر اس کا تعلق ان کے شخصی افتاء طبعی، فطری خصوصیات سے ہوتا ہے، ان کے ہر جتنے مباحثوں کی حدود سے نکل کر جھگڑوں کی شکل اگر اختیار کر لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مذہبی مباحثہ کرنے والے جھگڑتے ہیں، بلکہ جھگڑنے والے اتفاقاً جب مذہبی مباحثہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس وقت بھی ان کی طبیعت کا اقتضا ہے وہ فتنہ ہوتا ہے۔

لیکن سب سے، حیاتیاں بھی یہ زمین و فہم سے آگے بڑھ کر بھی تنوار کے ثبوتوں تک پہنچ گئی ہیں اسلام تیرہ سو سال کی اپنی ایک طویل تاریخ رکھتا ہے اور اس کی بادیوں کا دائرہ ایشیا افریقہ بلکہ یورپ کے بعض خطوں کو محیط ہے، کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ حنفیوں کی فوج شافعیوں کے مقابلے میں یا مالکیوں کا رسالہ حنبلیوں کے مقابلے میں اس لئے صفت آوارہ رہی کہیں، کسی زمانہ میں ہو تھا کہ ان میں ایک دوسرے سے مذہبی اختلاف تھا۔

رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں میں جو کچھ ہوا وہ تو خیر یک بڑی بات ہے، میں نہیں جانتا کہ اہل سنت کے ان مختلف اماموں کے متبعین میں کبھی کوئی معمولی جھڑپ بھی ہوئی ہے اور تیرہ سو سال کی اس طویل مدت میں ایک دو واقعے اگر کہیں شاذ و نادر پیش آئے بھی ہوں تو تحقیق سے معلوم ہے کہ جھڑپ کی بنیاد میں درحقیقت کوئی دوسری چیز پوشیدہ تھی، یعنی فائدہ، ناجائز فائدہ اٹھانے والوں نے اپنے ہم خیالوں کی سہمزدی حاصل کرنے کے لئے ممکن ہے کہ اس معصوم و حلال اختلاف سے غرض معصوم و حرام نفع کمایا ہو، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ "بینات" میں اختلاف رکھنے والے فرقوں میں بھی اس وقت جب دنیا میں کبھی کسی علاقہ میں وہ بیچارے پائے جاتے تھے، خوئی مقابلوں اور مجاہدوں کے واقعات بھی پیش ہی پیش آئے ہیں۔ صرف فرقہ باطنیہ جس کا حال اب تو جو کچھ بھی ہو لیکن جس زمانے میں وہ واقعی باطنیہ تھا، اور باطنیوں کے سے کام کرتا تھا، اس وقت ہر شخص جانتا ہے کہ ان صرف فیہر، اسلام تھا اور باطن ان کا وہی تھا جو ایک مدت تک اسلام اور مسلمانوں کے لئے عظیم خطرہ بنا رہا، اور جس کا حال یہ ہوا ہے اسلامی فرقوں میں شمار ہی کرنا خود بھی مغالطہ میں مبتلا ہونا ہے۔

دوسروں کو بھی غلطی میں پھنساتا ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی بیان کیا جاسکتا ہے اور جسے بلاشبہ
 حجتِ اصل ہے وہ سنیوں اور شیعوں کے اختلافات ہیں، لیکن ان اختلافات کا جو جان اب ہر
 حین اختلافات پر اس کی ابتدائی بنیاد قائم ہوئی، چونکہ دونوں میں بڑا عظیم فرق ہے اس لئے اس کا
 بیان کرنا کہ شیعوں اور سنیوں میں جو مقابلے ہوئے ان میں کن مقابلوں کی بنیاد صرف سیاسی اختلافات
 کم تھی اور کن مقابلوں میں واقعی مذہبی اختلافات موثر تھے یہ آسان کام نہیں ہے۔

تاہم اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ شیعیت پر اب سیاسی اختلافات جو وقتی تھے ان سے زیادہ
 ہی اختلافات ہی کا رنگ غالب ہے، اس رنگ کے غلبہ کے بعد ان میں اور سنیوں میں کوئی
 رابطہ مذہبی جنگ مذہبی اختلافات کی بنیاد پر ہوئی ہے؟ میں نہیں جانتا کہ اس کے ثابت کرنے
 کوئی کامیاب ہو سکتا ہے، کچھ بھی ہو وہ "ہفتاد و دو ملت" والی جنگ کا افسانہ آپ دیکھ رہے ہیں
 بجائے واقعہ کے کس حد تک افسانہ ہی افسانہ ہے، اسی کے ساتھ کاش اگر لوگ اس پر بھی غور کرتے
 ماب نہیں جس زمانہ میں بھی ہو اسی زمانہ میں جب کتابوں والے یہ اسلامی فرقے دنیا میں موجود تھے
 وقت بھی ان کے ماننے والوں کی تعداد کیا تھی؟ میں بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ ہمارے مصنفین
 زیادہ تر سلسلے میں یہ فرقوں کے نام بھی درج کر دیئے ہیں جن میں شریک ہونے
 میں بانی فرقہ اور اس کے بھائی بھتیجوں اعزہ واقربا کے سوا شاید ہی کوئی اور ہوتا ہو، حتیٰ کہ
 میں بعض تو ایسے ہیں کہ خود ان کے ایک شخصی وجود کے سوا اس فرقہ میں کسی دوسرے آدمی کو
 داخل ہونے کی نوبت نہ آئی، دراصل وہ شخصی خیالات تھے، چونکہ عموماً ان خیالات کے پیدا
 کرنے والے اربابِ تالیف و تصنیف سے تھے۔ اس لئے انھوں نے اپنے مسک کی تائید میں کتابیں
 مصنفین نے یہ تحقیق کئے بغیر کہ اس مصنف کے سوا دنیا میں اور بھی کوئی ان خیالات کا ماننے
 والا نہیں، فرقوں کی فہرست میں اس کے نام کا اضافہ کر دیا۔ انشا اللہ ان اسلامی فرقوں کے

اسلامی فرقوں کی اس کتابی فہرست سے شاید یہ فائدہ نکالیا جاسکتا ہے کہ وہ مشہور حدیث یعنی آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا میری امت تہۃ فرقوں میں تقسیم ہو کر رہے گی جس کی نہ صرف سند ہی (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)۔

متعلق کسی مستقل مقالہ میں ان لطیفوں کا اظہار کیا جائے گا یہی وجہ ہوئی ہے کہ ان عقائد و خیالات پر بھی ان کے پیدا کرنے والوں کی موت کے ساتھ عوام موت طاری ہوتی چلی گئی۔ عام مسلمانوں پر ان چونکہ کوئی اثر نہیں پڑا تھا اس لئے اپنے قدیم مسلک و انا علیہ و اصحابی پر وہ اسی طرح قائم رہے اب تک تو ہمیں جس طرح ان کی مذمت نسلیں طبقہ بعد طبقہ اسی پر قائم چلی آرہی تھیں اور جو بدعتیں تھیں ان کی سندہ نہیں بھی باآخر سمٹ سکا کہ مسلمانوں کی اکثریت میں جذب ہو گئیں۔

اس سلسلہ میں انتہا یہ ہے کہ فرقہ و معتزلہ جس کا شرعاً عام بدعتوں کو ہی پڑا تھا، لیکن اعیان دولت و حکومت کی بھی خاصی تعدد و مختلف زمانوں سے ان کے خیالات و عقائد سے متاثر ہوئے ہیں، مگر باوجود اس کے معتزلہ کی عمر کی مدت بھی باعتبار زور و شور کے دو سو سال سے زیادہ نہیں رہی ہے، حاش کہ یہی زارہ لگتے ہیں۔

وكان علماء الكلام بايبي محترنة معتزلة کے ہاتھ میں علم کلام کی باگ دوسو

سالتي سنہ دابین امانہ و ثلاث رہی یعنی پہلی صدی ہجری سے تیسری صدی

مانہ (مفتاح ۲۵ ص ۱۲) ہجری تک۔

اور یہ تو ان کا بتدریج یہ حال ہوا کہ جن کی کتابوں سے کتابخانوں کے کتابخانے بھرے ہوئے تھے، ان کی کتاب کا تو خیر کیا ذکر ہے کتاب کے کسی ورق کا من بھی اب مشکل ہے، جو کچھ ان کے عقائد و خیالات کا سر یہ یا یا جانتا ہے وہ بل سنت ہی کی کتابوں میں ہے نزدیک کرنے کے لئے جو کچھ

۱۔ محمد بن حنفیہ سے قبل تفسیر ہے، بلکہ میری سنت کے الفاظ کی تشریح میں بھی علماء کا اختلاف ہے بعض بگ میری امت سے نیچے نہ صرف مسلمانوں کو دہشت کہتے ہیں جنہی وہ لوگ جنہوں نے آنحضرتؐ کے دعویٰ نبوت کو پس کر یا سنا ہے، بلکہ صمدی نامی امت جہت ہے لیکن بعض ارباب تحقیق و متقی کے لفظ کوان قوموں پر بھی مشتمل سمجھتے ہیں جن کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہیں، صمدی جن کا نام امت دعوت ہے یعنی جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سزا دی تھوہ جنہوں نے آپ کی بات مانی ہو یا نہ مانی ہو، غرض ہر قسم کی نفرت و بددلی سے سزا دی گئی تھی، یہ چٹائی کی مٹھی ہے اور سب ان کی کا تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گا، تعجب نہیں، بہت سے مسلمان ہی یعنی امت اجابت ہی مراد ہو، تو پھر ان کتابی فرقوں سے اس قدر مٹ کی بھی ہو سکتی ہے، اس قدر امت کا بھی ایک فرقہ ہو سکتا ہے۔ ۱۲۔

انہوں نے نقل کر لیا تھا۔ یا اسی طرح کسی اور ضرورت سے کتابوں میں ان کا ذکر کیا گیا ہے، اے دے کر
اعتزالی عقائد کے سرائے لگانے کا عام ذریعہ یہی ہے (صرف علامہ زحشری کی تفسیر کثافت اس کلیہ
سے مستثنیٰ ہے یا زیادہ کچھ دکاؤست کا مایا جائے تو علم کلام کے سوا کسی دوسرے فن میں معتزلی علماء
کی ایک دو کتابیں اور بھی مل سکتی ہیں)۔

یہ تھی داستان ہمارے ان مذہبی اختلافات کی جو بیک بھروسہ پر چاہا جا رہا ہے کہ کلیسا اور کلیسا
کے اختلافات کے خول ریزہ جہاں سوز روح فرسا، تاریخ نے جن قہوں جو سطر کو چرپ کے عیسائیوں میں
پیدا کیا تھا، کسی نہ کسی طرح اسلام کی تاریخ میں بھی اسی قسم کے قہوں جو سطر کا کوئی گھاؤ مرقع تیار
کر لیا جائے۔ *وَأَنَّى لَهُمُ التَّكْوِينُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ*۔ خدا کا دین ظاہر پکار رہا ہے۔

بروایں دم پرست رخ دگر نہ کہ عنقارا بلند ست آشیانہ
جس نے اب تک اسلام کے بیانات کی حفاظت کر کے اختلافی مسائل کو مسلمانوں کے
حق میں مفیدی بنا دیا ہے، امیر ہے کہ تندرہ بھی وہ جس کو باقی رکھنے کا سامان کر رہی رہے گا۔
وندہ عی کل شی فتدبر اور اندر ہر چیز برفا در ہے۔

مسلمانوں کو سمجھنا پڑے کہ اسلام کے غیر بیانی حصہ میں ہر اس شخص کا حق پر ہونا ہے وقت
ازمہ کا شرعی مستحق ہو و مضمون صحت معلومہ کو پیش نظر رکھ کر غرض و نہ حکم کے استنباط کا
جس میں واقعی ملکہ و حقیقی سلیفہ ہو، ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق بعض شاہ فریقوں نے یہ بھی
مشہور کیا ہے کہ سب نہیں بلکہ ان میں کسی ایک کا حق پر ہونا، ائمہ رجبہ کا مذہب ہے لیکن صحیح یہی ہے
کہ ان بزرگوں کی طرف سے کانتاب و دعائی انتاب سے زیادہ کوئی رفعت نہیں رکھتے۔ حضرت
شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

والحق ان ما نسب الی کائنۃ
الاربعة مخرج من بعض
تصرحاتهم وليس نصاً
یعنی یہ ہے کہ ائمہ رجبہ کی طرف ترویج بات منسوب کی گئی ہے
(یعنی سب کا نہیں بلکہ کسی ایک کا حق پر ہونا) اس کی کوئی
نصر ان بزرگوں نے نہیں فرمائی ہے بلکہ جن باتوں کی انہوں نے

منہج

تصریح کی ہے ان سے دوسروں نے یہ نتیجہ خود نکال لیا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

وانه لا خلافت للامة في درمحل امتداد سدايس کے اندر اس مسئلہ میں کوئی اختلاف

تصويب المجتہدين في ما ہی نہیں یعنی نصا و اجاعا علی طے شدہ فیصلہ ہے کہ جن مسائل

خیر فیہ نصا و اجاعا علیہ میں مسلمانوں کو اختیار دیا گیا ہو ان میں تمام مجتہدین حق پر ہیں،

پھر شاہ صاحب نے ایک طویل گفتگو فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ غیر بینائی مسائل

میں تمام مجتہدین کا حق پر ہونا ایک اتفاقی مسئلہ ہے اور میں تفصیل سے اس پر گفتگو کر چکا ہوں اور

امام خاتم الفقہاء و احمدین حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عدت حدیث کے اسباق میں

اس کا اعلان فرماتے تھے ایک دفعہ نہیں بڑھ رہے تھے اس فقیر نے ان سے یہ عرض کی تو یہ فرمایا

کہ غیر منصوصہ مسائل میں سب حق پر ہیں میرا حال یہ ہے کہ اس کے مسائل میں بین کا نام میں

غیر بینائی مسائل رکھا ہے ان کے اختلافی پہلوؤں کے متعلق مجتہدین میں سے کسی ایک کا حق

ہونا ایک ایسی بات ہے جس کی کوئی معقول ہو، باغیر معقول توجیہ ہی سمجھ میں نہیں آتی بلکہ ان مسائل

کے اختلافات کی نوعیت وہی معلوم ہوتی ہے جو قرآنی الفاظ کے تلفظ اور قراءۃ کے اختلاف کی ہے

شاہ ولی اللہ نے بھی کائنات السبع ہے ان فقہی اختلافات کو مشبیہ دی ہے یعنی بالاتفاق سب

عن خصب مسلمان ہی مانتے چلے آئے ہیں کہ ان قراءتوں میں سے جس قراءۃ کے ساتھ بھی قرآن پڑھا جاتا ہے

سب صحیح اور درست ہے، گو باحدیث

انزل القرآن علی سبعة احرف قرآن سات (یعنی بیسٹ) حروف پر نازل ہوا ہے

کو مسلمانوں نے اپنے جملہ اے قطعی بنادیا ہے، حالانکہ ان قراءتوں میں سے ہر ہر قراءت کا انتساب

اسی طرح فن قراءت کے مختلف ائمہ کی طرف کیا جاتا ہے جیسے فقہ کے مختلف مکاتب خیال، اجتہاد

کے مختلف ائمہ کی طرف منسوب ہیں، قراءۃ میں بھی ہر ہر امام کی جماعت میں مختلف ذیلی ائمہ ہیں جیسے

سہ عقدا محدس ۱۵ سکہ، یض ۱۵ سکہ، صوح ۱۵ سکہ

فقہ میں ہیں، پس باوجود ان باتوں کے قرارۃ کے ان تمام اختلافی اشکال کو جن وجوہ سے حق سمجھا جاتا ہے، بجنسہ ہی بات اسلام کے غیر بینائی مسائل کے ان اختلافات کے متعلق بھی یقین کرنی چاہئے۔

ان سطروں کے اضافہ کی ضرورت آخر میں اس لئے ہوئی کہ جب سے حالات بدلے ہیں اور مسلمانوں کا عمومی مزاج اعتدال کے اس نقطہ ثقل سے منحرف ہو گیا ہے جسے اپنی جگہ سے اسلام کی سیاسی طاقت ہلے نہیں دیتی تھی، سیکن دباؤ مٹ گیا، اور ہر جانے والے نے اپنی راہ پر جانے کا نام چکے راہروی کے آزادی رکھ چھوڑا ہے، اس اتفاقی حادثہ کے جہاں میسوں تلخ نتائج ہیں، ان میں ایک نتیجہ وہ غلو بھی ہے جو بعضوں میں فتنہ کے جہادی مسائل کے متعلق پیدا ہو گیا ہے، بلکہ اس کے ساتھ غالباً اس پر زہیمہ بھی نامناسب نہ ہوگی کہ قرارۃ کے اختلافات ہوں یہ فقہان کے ایک حق و سوا ہونے میں جو حال ان کا ہے یقین کرتا ہوں کہ بجنسہ ہی کیفیت ان اختلافات کی بھی ہے جو باہم ن شکہ میں پائے جاتے ہیں جو "بینات" پر متفق ہونے کے بعد بعض جزئی مسائل کی تشریح میں نقاط نظر کا اختلاف رکھتے ہیں مثلاً اشعریہ اور ماتریدیہ کے اختلافات کا جو حال ہے، اور یہی قاعدہ ان اختلافات پر بھی منطبق ہے جو ہمارے ارباب قلوب و معرفت یعنی صوفیہ صافیہ میں قدرتی طور پر پیدا ہوئے ہیں۔ مولانا، سماعیل شہید اپنی کتاب عبقات میں لکھتے ہیں۔

تفرق اہل الحق کالتفرق بین
الائمة الاربعۃ و بین الاشرعۃ
والما تریدیۃ و بین الوجودیۃ
الورائۃ و الشہودیۃ الظلیۃ و بین
اہل الطرف و المحکمہ و کل
واحد منهم فی اکثر ائمتہ
علی طبعہ حتی ذکا و حجا

اہل حق کو مختلف ہونا جیسے ائمہ اربعہ کا
اختلاف یا اشعریہ و ماتریدیہ کا اختلاف: (ضو)
میں وجودیہ (دینی) اور شہودیہ ظہریہ کا اختلاف
یا مختلف سلسل و طرق میں جو اختلافات
پائے جاتے ہیں تو ان خدو ذات کے متعلق فیہ
یہی ہے کہ ہر ایک ان میں اکثر مسائل میں برحق
ہے و ہر ایک نے اپنے ایک رخ رکھی

هو مولیٰ ہا فاستبقوا جس کی طرف وہ توجہ کے ہوئے ہے ہیں (مسلمانانِ نیکوں)
 الخیرات۔ (ص ۱۳۴) میں باہم ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرو۔
 کی نیند پر فرستے ہیں۔

ومن اجمع واحد اجمع ہیں ان میں جس کسی کی کوئی پیروی کرے گا مقصود
 فاز بالمقصود۔ کو پالے گا۔

سچ پوچھتے تو مرنے والے وہی بات کہتی ہے جسے ہندو میں عمر بن عبدالعزیز خلیفہ رضی
 تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے نقل کر چکا ہوں۔

لو اختلفوا فاخذوا بحبل بقل جب مومن مختلف ہوئے تو ان میں سے کسی ایک کے
 احد اخذوا بحبل۔ قول کو جو احیہ کرے گی سنت کو پالے گا۔

ما حیا کہ تمیز صدیقہ مومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت فاطمہ بن محمد فرمایا کرتے تھے
 ای ذلک اخذت بہم ایک مومن کے مختلف قول میں سے جس میں کو بھی تم اختیار
 فی نفسک منہ شیء۔ کرو گے جو بے کھیر جی میں کوئی ٹھنک باقی نہ رہے۔

و جیسا کہ میں تفصیل عرض کر چکا ہوں کہ مسلمان اپنے دین کے ان تمام شعبوں میں سلفا عن خلا
 سی خیر پر قائم در کی پیر کی عمل و ایمان تھا۔ بلکہ حضرت سقہ صدیقہ کے متعلقہ المواقف
 میں سے شامی نے جو ایک خاص نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے مذہبی اختلافات
 متعلق ہیں سے بہت سی شرط فہمیوں کا از سر نو نامہ ہے۔ بات یہ ہے کہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے آ
 میں جو کچھ نسبت سے یہ خلاف کی اس امت کو ختم کر دوں۔

(باقی آئندہ)

علم نقل الکلمہ

Metathesis

از جناب میجر خواجہ عبدالرشید صاحب آئی۔ ایم۔ ایس

قدیم تہذیب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ متعدد نامور اصطلاحات مختلف زبانوں میں مختلف زبانوں کے اندر کچھ تھوڑے اختلاف کے بعد اختیار کر لئے جاتے ہیں، ان اصطلاحات کی ترکیب کے وقت ان کی شکل شبہت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اور بڑی خوش اسلوبی سے ان کو جذب کر لیا جاتا ہے، کنز الایہ ہو تا ہے کہ تھوڑے سے رد و بدل کے بعد وہ اصطلاحات دوسری زبان میں بدل کر نقل کر لئے جاتے ہیں، اور کبھی کافی سے زیادہ تبدیلی بھی واقع ہو جاتی ہے۔ نقل کی یہ صورت دو طرح کی ہوتی ہے۔

ایک یہ کہ جب ایک قوم تہذیب و تمدن کا پرچم بیکر بھرتی ہے تو وہ اپنے زبان کے علوم کو نہ صرف ترقی ہی دیتی ہے بلکہ گزشتہ عہد میں اپنی طرف سے اضافہ کر کے انھیں اپنے علوم میں شامل کر لیتی ہے، اسی سلسلہ میں جو مصوبات اس قوم کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں ان کے نام بہ خود تجویز کر کے انھیں اپنے ذخیرہ لغت میں جمع کر لیتی ہے، لیکن جب یہ تہذیب ختم ہو جاتی ہے تو اس کے جدا نیوالی تہذیب ان تمام علوم کو جذب کرنا شروع کر دیتی ہے، زبانہ قدیم سے یہی چاہا گیا ہے اور تاریخ اس کی شاہد ہے۔ پھر جو ہم عصر تہذیبیں ہوتی ہیں، وہ بھی ایک دوسرے کے علمی شاہکاروں سے مستفید ہوتی رہتی ہیں۔ اور اگر ان دونوں قوموں کی زبانیں مختلف ہوں تو ایک دوسرے

یہ اصطلاح میری اپنی بنائی ہوئی ہے۔ مجھے پتا نہیں (Metathesis) کے لئے مناسب اصطلاح تو میں نے (Transposition of words) کا ہی تر کیا۔

کی اصطلاحات جو مناسب حال ہیں، ان کو منتقل کر کے اخذ کر لیا جاتا ہے۔

جب عرب قوم عروج پتی تو انھوں نے تمام گزشتہ علوم کو جذب کر لیا تھا، اور ایک نئی ریسرچ کی روح پیدا کر دی تھی۔ ان سے پہلے مصری ایرانی، بابلی، کلدانی و آشوری تہذیبیں اپنے اپنے وقت میں کمال حاصل کر چکی تھیں، لیکن ان کا بھی یہی حال تھا کہ ایک قوم دوسری قوم سے علم حاصل کرتی اور اس کو ترقی دیتی تھی، ان تمام تہذیبوں کا باہم اثر و تاثر بہت نمایاں ہے، اور علمی لحاظ سے ان میں بہت کچھ یگانگت پائی جاتی ہے۔ یونانیوں سے عربوں نے بہت کچھ حاصل کیا۔ یہاں تک کہ ان کی بہت سی علمی اصطلاحات کا ترجمہ کر کے انھیں اپنے تراجم میں شامل کیا۔

عربوں کے بعد جب موجودہ یورپین تہذیب کا دور دورہ ہوا، تو انھوں نے عربوں ہی سے علم حاصل کیا۔ تمام علوم انھوں نے عربی زبان ہی سے سیکھے۔ چنانچہ عربی زبان کے پُر معنی الفاظ کا انھوں نے اپنی زبان میں ترجمہ کیا، اور بہت سی اصطلاحات کو منتقل کر کے اپنی زبان میں اختیار کر لیا۔ اس طرح فلسفہ لغات کی رو سے جو یہ عمل ہوئی تو یہ تراجم اصطلاحات پر منحصر تھی نہ کہ نقل الحروف پر، یہ بھی دراصل نقل کلمہ کی ایک قسم ہے، جس کے طور پر چند شارح لکھتے ہیں: اگر یہ صاحب ذوق کے لئے کافی ہوں تو انھیں اس موضوع پر کتاب کی طرف رجوع، چاہئے۔

عربی زبان میں صرف ہوش سے استعمال ہونے والی ہی لفظ ہسپانوی زبان میں فونڈا...
 ...da بن جاتا ہے۔ اب ذرا ملاحظہ فرمائیے۔ ان فونڈا لفظ میں کس قدر تطبیق ہے، اگرچہ دو مختلف زبانوں کے الفاظ ہیں۔ پھر تعریفہ کا لفظ ایسے جس کے معنی عربی زبان میں نوٹس کے ہیں، انگریزی زبان میں یہ لفظ *note* کی شکل اختیار کر گیا ہے، اس قسم کی اور بھی بہتری مثالیں دی جاسکتی ہیں مگر اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے حتماً یہ کہنا ہے۔

بعض زبانوں میں الفاظ کا تلفظ بھی بدل جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک زبان سے کوئی لفظ اخذ کیا جاتا ہے تو اس کی سوانح قائم رکھنے کے لئے دوسری زبان کے کسی مشابہ حرف کا تلفظ رسیاہی بنایا جاتا ہے جو اصل لفظ کے تلفظ کے لگ بھگ ہوتا ہے۔ مثلاً ہسپانوی زبان میں

مثلاً "ایکس" (x) کا تلفظ سترہویں صدی عیسوی تک حرف "ش" (SH) کی طرح تھا۔
 نقل کلمہ کی دوسری قسم میں الفاظ کے اندر حروف کی ترکیب بالکل بدل جاتی ہے، مگر اکثر
 تلف دہی رہتے ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ ایک زبان کا تلفظ جب دوسری زبان میں جاتا ہے
 ملن ہے کہ یہ دوسری زبان بولنے والی قوم اس کا تلفظ بہ آسانی اسی طرح نہ کر سکتی ہو، لہذا وہ اس کو اس طرح
 بدل کرتی ہے کہ اس کے حروف تو وہی رہتے ہیں مگر ان کی ترکیب یا پوزیشن بدل کر اس کے تلفظ میں
 تبدیلی پیدا کر دیتی ہے۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے کچھ حروف اڑا دیئے جاتے ہیں اور اس طرح
 بچنے کے لئے آسانی پیدا کر لی جاتی ہے۔

سچ کل ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی اقوام کا درود ہمارے ملک میں بوجہ جنگ ہو رہا ہے جن
 سے اکثریت انگریزی بولنے والوں کی ہے، ان میں سے بہت لوگوں کو ہمارے کچھ الفاظ پسند میں
 ہر اس لئے کہ ان میں وضاحت زیادہ ہے مثلاً "بند و بست" کا لفظ بہت استعمال ہوتا ہے اور
 میری کوئی امریکیائی یا انگریز ایسا ہے جس کو یہ لفظ پسند نہ ہو مگر وہ اس کو پورا استعمال نہیں کرتے فقط
 بند ہی کہہ لیتے ہیں اور اپنا مطلب پورا کر لیتے ہیں۔ جس طرح "بندو" *bandu* اور

اسی طرح "ٹیک" کا لفظ بھی کثرت سے استعمال ہوتا ہے، اور چونکہ اس کا تلفظ آسان
 ہے یہ اس کو "ٹیک" یعنی (TEEK) کہتے ہیں۔ یہ سارا سچ کل کا ذاتی مشاہدہ جو ہم اپنے
 ایک دوسری زبان میں منتقل ہونا دیکھ رہے ہیں گزشتہ جنگ عظیم کے جو بہت سے ردو کے الفاظ
 یورپی لغات میں شامل کر لئے گئے تھے، اس دفعہ بھی ایسا ہی ضرور ہے جن حروف میں الفاظ و حروف
 دیئے جاتے ہیں تو ان کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ یا تو جذبہ کرنیوالی زبان میں وہ حروف ہی
 استعمال ہوتے اور یا اس قوم کا تلفظ ہی اس قسم کا ہوتا ہے کہ وہ ان الفاظ کو نہیں کر سکتی۔ اور
 اس میں اپنی زبان کے مناسب حروف کا استعمال کرتی ہے۔

اس نقل میں ایک بات کو مد نظر رکھا جاتا ہے وہ یہ کہ جن علامتیں (syllables)

ہر زیادہ زور دیتا ہے ان کو تبدیل نہیں کیا جاتا، یعنی لفظ کا ڈھانچہ بعینہ وہی رہا جو اصلی زبان میں تھا۔ اب کچھ اس نقل کی تاریخ بھی بیان کر دینا ضروری ہے۔ تاکہ آئندہ مثالوں کے لئے ہر بات پیدا ہو جائے کسی ایک زبان کو لیتے، یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب ایک زبان بولنے والے مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر مختلف سمتوں میں بکھر جاتے ہیں تو کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان کے لب و لہجہ میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ جب کچھ در عرصہ گزرتا ہے تو یہ زبان بالکل ہی مختلف نظر آنے لگتی ہے۔ ماہرین فن ضرور اس حقیقت سے آگاہ ہوں گے کہ اختلاف محض زبان و مکان ہی کا پیدا کیا ہوا نہیں ہوتا بلکہ اس میں آب و ہوا اور زمین کا بھی دخل ہے۔ جس وقت ایک مقام سے ہجرت کی وجہ سے نقل و حرکت شروع ہوتی ہے تو نہ صرف زبان بلکہ تہذیب و تمدن، رسوم و رواج اور نشست و برخاست ہر ایک چیز میں ایک حیرت انگیز تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ یہ تبدیلی ہمینوں یا برسوں کا معاملہ نہیں۔ اس کو صدیاں لگ جاتی ہیں۔ لیکن ان تمام اختلافات کے باوجود اس قوم کے بنیادی اصول میں خلیفتہ کوئی نشاندہ واقع نہیں ہوتا۔

اصل قوم کی روایت دی رہتی ہیں اگرچہ کتب نام بدل جاتے ہیں، البتہ اتنا ضرور ہوتا ہے کہ ایک اور نسل کے مطابق واقعات کی اہمیت یا شخصیتوں کے خواص بدل جاتے ہیں یا ان کی صفات میں ترمیم ہو جاتی ہے۔ نام و حالات بدل رہتے ہیں فقط ہتھ بدل جاتے ہیں۔ پھر یہ وقت بھی پیش آتی ہے کہ اگر ایک قوم کا رسم الخط دوسری قوم کے رسم الخط سے بالکل ہی مختلف ہوتا ہے اور اس میں نئے حروف ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کی ترکیبیں تو پھر ایسی تشریحوں کا حاصل یعنی (Decipherment) مل ہو جاتا ہے۔ خط لکھی کے جس قدر کہنے *Cuneiform Writing* بھی سن کر حیرت ہے میں یہ سوچتے ہیں، ان تمام میں ہمیں ایک چیز بہت نمایاں نظر پڑتی ہے اور وہ یہ کہ ایک بادشاہ کا نام مختلف مقاموں سے حاصل شدہ کتبوں میں مختلف ہے اور اہل ان میں اختلاف ہیں۔ اور یہ بت کہ جس زبان سے یہ نام حاصل کیا جاتا ہے تو اس کو خط لکھی میں نقل کرتے وقت حروف میں مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو جاتا ہے پھر جب ہم اس کو حل کرتے ہیں

یعنی اس کو (Decipher) کرتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس قسم کا بادشاہ جس کی پخصلتیں تھیں اور جس نے یہ کام کئے تھے، ایک اور قوم میں بھی ہو چکا تھا، حالانکہ بادشاہ ایک ہی ہوتا ہے جو مختلف مقاموں پر حکمران ہوتا ہے۔ تمام روایات اور قصے مل جلتے ہیں۔

لیکن ماہرین فن نے بعض اوقات ان واقعات و روایات کا باہم تعلق ثابت کرتے کرتے بہت پیچیدگیاں حائل کر دی ہیں۔ حالانکہ اگر حل کرتے وقت یہ چیز معلوم ہو جائے تو اس کو وہیں درست کر دینا چاہئے، نہ کہ بعد میں بال کی کھال نکالی جائے۔ اس چیز کا ہم کو ایک نقصان یہ ہوا ہے کہ موجودہ زمانے کی جو تحقیق قدیم تاریخ کے متعلق ہے ہمارے سامنے موجود ہے اس میں مختلف جگہوں سے برآمد شدہ بادشاہوں کی فہرستیں بہت حد تک ایک ہیں مگر حقیقی مطابقت کا ثابت کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ہمارے پاس اس چیز کا ثبوت موجود ہے کہ ایک راجہ دشر تھ عراق کے شمال میں حکمران تھا مگر اس کے رٹے رام چند کے نام میں اس قدر نقل و حرکت ہو چکی ہے کہ وہ کسی طرح بھی رام چند کا والد ثابت نہیں ہو سکتا۔ اکشواکوج (Akshwaku) بن نسل کا سب سے پہلا بادشاہ تھا اور جس کا نام مہا بھارت اور پتا میں بھی ملتا ہے اس کا نام ہمیں اکثر کتبوں میں ملا ہے نہ صرف یہ بلکہ ساگون اعظم یا ساگر (Sargon the Great or Sagar) کے متعلق ہمارے پاس متعدد اسناد موجود ہیں کہ یہ دونوں عراق کی سرزمین پر حکمران تھے۔ خبر وہ تو تاریخی پہلو ہے ہمیں غرض صرف ان کے ناموں سے ہے۔ ذیل میں بھی ہم ذکر کریں گے کہ ساگون اعظم کے نام میں کس کس قسم کا اختلاف پیدا ہوا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ہم اس کا ذکر کریں۔ ہمیں حضرت غون کے متعلق کچھ لکھنا ہے۔

لفظ غون سے	اس لفظ کے متعلق حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں اور مولانا
متعلق تحقیق	حفظ الرحمن نے قصص قرآن میں نہایت بڑی بحث کی ہے۔ ہم تبیہ کے طور پر

مولانا حفظ الرحمن ہی کا بیان لیتے ہیں جو کہ زیادہ تر ترجمان القرآن ہی کی تفصیل پر مبنی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

مصر کے مذہبی تخیل کی بنا پر اس کا لقب فارع (فرعون) تھا۔ اس لئے کہ مصری دیوتاؤں میں سب سے بڑا اور مقدس دیوتا امن رع (سورج دیوتا) تھا۔ اور بادشاہ وقت اس کا اوتار اور فارع کہلاتا تھا۔ یہی فارع عبرانی میں فارعن اور عربی میں فرعون کہلایا۔

مطور یا اسے ہمیں کچھ اطلاع لفظ فرعون سے متعلق ملی، مگر اتنا تو کافی نہیں ہے۔ درغور کرنے سے قدیم تاریخ کے مذہب ایک شخصیت جس کا ابھی اوپر ذکر کیا ہے، موسوم بہ سائیم منی ہے۔ جو اپنے وقت میں دنیا کے ایک بہت بڑے تھے پر حکمران تھا۔ اور اسرائیل و یثرب صاحب فرماتے ہیں کہ وہ مصر پر بھی حکمران تھا اور وادی سندھ میں بھی اسی کی راجدھانی تھی۔ اس ایک لڑکا جس کا نام مینز (Menes) تھا۔ سندھ کا گورنر مقرر تھا۔ اس نے بغاوت کر دی اور کچھ فیکر مصر بھاگ گیا۔ اس پر قبضہ ہوا اور اپنے آپ کو اس نے پارو (Pharaoh) کہلانا شروع کیا۔ اس کی کچھ مہر جو مصر سے برآمد ہوئی ہیں ان پر اس نے اپنے آپ کو پارو یا فرعون لکھا ہے۔ زمانہ تقریباً ۳۰۰۰ قبل مسیح ہے۔ چونکہ ہمیں اس وقت الفاظ و اصطلاحات کی ساخت و ترکیب سے تعلق ہے۔ ہم اس تاریخی شخص کو تفصیل سے بیان نہیں کرتے۔ یہ سندھ میں اور بھی متعدد کتابوں میں ملتی ہے۔

ب، ذر غور فرمائیے کہ یہ ممکن نہیں کہ عربی و عبرانی زبانوں کے رسم الخط میں حرف ہ (ح) نہ ہونے کی وجہ سے اس کو 'ف' کے ساتھ بدل دیا گیا ہو جس طرح 'پ' کو 'ف' کی بجائے 'پ' ہی حرف یہی قرن قیاس ہے کہ یہ لفظ کسی وقت میں پارو ہی ہو اور عربوں نے اس سے 'ف' لگا کر اس کو فارو یا فارع یا فرعون بنا دیا ہو۔ مسٹر جاسٹس لکھتے ہیں کہ Phra۔

The Makers of Civilization in Race of History by A. Waddell M.D.; C.B. C.I.E. London 1929.
A Brief History of Eastern Asia London 1900

سیامی (Siamese) زبان میں ایک لفظ ہے جو دراصل خدا کے معنی دیتا ہے، مگر بعد میں اس سے ملو بادشاہ ہونے لگا تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ قرآسی فرعون کی ایک ابتدائی شکل ہے۔ اس لفظ کے ارتقاء کے سلسلے کی کڑی ایک اور بھی باقی ہے اور وہ لفظ پربھو (Pra-Bhu) ہے۔ یہ سنسکرت کا لفظ ہے، اس کے معنی بادشاہ یا حاکم کے ہوتے ہیں یعنی Lord of The Land۔ ہماری تحقیق یہ بتاتی ہے کہ یہ لفظ بھی سمیری سے اخذ کیا گیا تھا۔ اور اس کا اصل بر (Bar) اور برو (Bamu) ہے جس کے معنی بھی بادشاہ اور حکمران کے ہیں۔ اس سمیری لفظ کو جب آریہ ہندوستان میں آئے تو برہمنوں نے منتقل کیا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب سارگون اعظم یعنی ساگر مصر پر قابض ہو چکا تھا اور اس کو اس طرح منتقل کرنے سے مقصد ہی یہ تھا کہ وہ اب مصر کی سرزمین پر حکمران ہو کر فرعون یعنی Pharaoh کہلایا۔ چنانچہ Baru کا Paru بن گیا اور اسی سے Fara اور پھر Faraon فرعون بن گیا! دانشرا علم بالاصواب

یہ اشارات جوابی کئے گئے ہیں ان کو مکمل کرنے سے پیشتر میں ایک بات واضح کرنا چاہتا ہوں جو اس وقت میرے ذہن میں بیگنی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دنیا میں متعدد نسلیں موجود ہیں اور ان کی متعدد ہی زبانیں ہیں۔ انسانیت کا آغاز ایک ہی آدم علیہ السلام سے ہوا۔ لہذا سب کی زبان شروع شروع میں ایک ہی تھی، یہ جو نظریے میس مور وغیرہ نے Max Muller نے بتائے ہیں سامی اور غیر سامی اقوام کے متعلق تو یہ محض عارضی ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ سامیوں کا باوا آدم ہی اور تھا اور غیر سامیوں کا اور! لیکن جب آہستہ آہستہ آبادی میں انصاف ہوا تو وہ گرد و نواح میں پھیل گئی انسانیت کا اولین فرد خواہ آپ سائنس کی رو سے دیکھیں یا مذہب کی رو سے ایک ہی تھا، اور یہ ایک ہی مقام پر تھا، اور اسی ایک مقام سے انسانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے سیلاب مختلف اطراف میں امنڈ پڑے۔ زمانے کے حوادث اور موسموں کا تغیر و تبدل، ان گرد ہوں کو جگہ جگہ لئے پھرا اور ہر موافق مقام میں یہ صدیوں تک جائز رہے۔ تاوقتیکہ موسموں کی بنا موافقت نے ان کو کسی بہتر جگہ کی تلاش میں سرگرداں کر دیا ہو۔ اور چونکہ کرہ ارضی کا موسم تبدیل ہوتا رہتا ہے اور کسی

برہن یکا ہے، یہ گروہ دن اول خانہ بدوشوں کی طرح مارا مارا پھرتا رہا۔ اور پھر جب ان کا ذہنی ارتقا اس قدر بلند ہو گیا کہ یہ ایک تمدن کی بنیاد رکھ سکتے۔ حکومتیں قائم کر سکتے اور بہت سی ترنی بھی کر سکتے۔ مگر ایک وقت پھر تاجب ان میں دوبارہ حرکت پیدا ہو جاتی، تو یا تو یہ تلاش معاش کی وجہ سے ہوتا۔ یا یہ اس قدر افتداری میں پڑ جاتے کہ دوسرے ملکوں پر حملہ کر دیتے تاکہ اپنی راجدھانی کو بچا سکیں۔ ان ملکوں پر حملے کرتے وہ انہی کے ملک ہوتے تھے۔ جہاں ان کے بھائی وغیرہ رہا کرتے تھے۔

اس کے بعد یہ سلسلہ دورانی تو اچھا بدی رہا، اور یہاں قوام بار بار اپنے اہلی مرکز طرف رجوع کرتی ہیں۔ اب یہ کہنا کہ ایک خاص قوم دنیا کے کسی خاص حصہ سے وابستہ ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ مثلاً مستشرقین ہمیشہ یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ آریں اقوام وسط ایشیا سے آئیں۔ مگر کنگز و عورتیں اس کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ وہ قطب شمالی سے آئیں، ہمارے نزدیک یہ بھی غلط ہے۔ بلکہ ان کا اصل مقام وہی مرکز ہے جہاں انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ خواہ وہ مقام کہیں بھی ہو۔ اگر یہ قوام آریں وسط ایشیا یا قطب شمالی سے آئیں تو یہ کچھ عامہ مشتبہ وہاں نہ تھیں۔ بلکہ اپنے اہلی مرکز سے حرکت کر کے وسط ایشیا میں پہنچی تھیں یا مشرق وسطیٰ میں۔ سنہ سے پیشتر وسط ایشیا سے قطب شمالی کی طرف جا چکی ہیں جہاں سے دوبارہ لوٹ کر حضرت آدم علیہ السلام کا اہلی مقام میں کرنے کے لئے قرآن کریم کی یہ آیت بس کرتی ہے۔

تہ نظروں سے بہتر انظر، قوم ہی ہے۔ انہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورہ آل عمران میں اِنَّ اَدْلٰی مَبِیَّتٍ وَّحَدِیْرًا لِّمَنْ لَّدُنْیَ سَبْکَۃٌ مُّبَارَکًا وَّهْدٰی لِلْعٰلَمِیْنَ۔ اسی آیت سے صاف ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی سب سے پہلی بنیاد جو رکھی گئی تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کی ہاتھوں میں رکھی گئی۔ اور یہ جگہ کہ متی جو کہی ہو اس کے بعد تباہ ہو گیا تھا۔ مگر پھر ایک بار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تباہ ہوا۔ اور اس کی تعمیر انیسویں بنیادوں پر ہوئی جن کے آثار قائم تھے۔ ایک جگہ

ہاتھ نہ لگتا، اس کی مکرر ایک طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جہاں ہر طرف سے تمام لوگ بدلتے

دنیائی حاصل کر سکیں۔

ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد بھی اسی کے گرد و نواح میں ادا ہوئی پہلی پہلی
سویہاں ہی سے دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیل گئی۔ تاریخ کا ایک بہت بڑا زمانہ ہماری نظروں سے
محوشیدہ ہے، اور اگر کبھی کبھہ نظر بھی پڑتا ہے تو اس کے بعد ہزار ہا سال تک ہماری نظروں سے سب کچھ
وجھل ہو جاتا ہے۔

قدیم تاریخ کے ماہرین جدید تحقیق کو مد نظر رکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کہ
وہ جبہ و فرات کی تہذیبیں تھیں، وہ دنیا کی تاریخ میں نہ صرف تہذیبیں تھیں، چنانچہ حال ہی میں
بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ مصر و چین کی جو تہذیبیں تھیں، وہ جبہ و فرات کی تہذیبوں سے
بہت جلدکی ہیں۔

لانکہ جو ثبوت اب تک فراہم ہو چکے ہیں وہ صرف ان بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ جو تہذیبیں
اس وقت تک معلوم ہو چکی ہیں، ان میں سب سے قدیم باقی ماندہ تہذیبیں تھیں، مگر ان اقوام
کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے جن کے حالات، بھی ظاہری نہیں ہوئے۔ درجن کا زمانہ بھی تک ٹھیک
معلوم نہیں ہے۔ بالخصوص یہ کہنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ تہذیبیں تھیں مختلف و متنوع
میں نظر آتی ہیں ان سب کا سلسلہ ایک ہی تہذیب اور تمدن سے شروع ہوا۔ اور جہاں جہاں یہ گروہ
رہتے چلے گئے وہاں ان کے آثار اب سے شروع ہو گئے ہیں۔ اصل حقیقت کے لئے ابھی
بیرہ اسٹون کی منتظر ہے نگاہ ۳

ممکن ہے میں غلطی پر ہوں۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آریز، اقوام و
سرت کی وادی سے وسط ایشیا کی طرف بڑھیں اور جبہ و فرات کی تہذیب کو سب سے پہلے
لے گئیں اور جب انھوں نے وہاں قیام کیا تو اس تہذیب میں اور بہت سا اضافہ کیا۔ کئی صدیوں کے
بعد میں پھر دوبارہ ایران میں لوٹے نظر آتے ہیں، ان کے مختلف گروہ جن کا نقشہ مندرجہ ذیل ہے
ایران میں آتے آتے مختلف ناموں سے موسوم ہو گئے جو بعد میں درج کرتے ہیں چنانچہ جبہ و فرات

کی تہذیب کو اب آریں تہذیب کہا جائے گا۔ یہ کہاں تک درست ہے مستقبل کا مورخ اس کی تصدیق کریگا

آریں اقوام کا نقشہ

سنہ قبل مسیح سے مختلف گروہ قطب شمالی سے ایران آتے شروع ہوئے اور

سنہ ق م تک یہ آتے گئے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

عِلامی	کاسی	سیری	بابل کی طرف ہجرت	میتانی	حیتی
ELAMITES	KASSITES	SUMERIANS		MITANIS	HITTITES
ان کی سلطنت ہندوستان میں	ہندوستان کے	سارگون اعظم کے عہد میں	اداء لوگ	(اچیا کوچک)	(اناٹولیا سے)
بابل میں سنہ ق م کے	ہندوستان کے	ہندوستان کے	MEDES		
ق م کے قریب	غلبہ اخل ہوئے	اس کے بڑے MENES	ہندوستان کو		ہندوستان کو
ختم ہو گئی۔	اور کھڑی کھڑی	نے مصر پر قبضہ کر کے اپنا نام	سنہ ق م		سنہ ق م
		پاروہ فرعون رکھا۔			

اسی طرح جب یہ اقوام اپنے مرکز سے شمال کی طرف بڑھیں تو کچھ کچھ گروہ جنوب کی طرف بھی

چلے رہے۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد ترجمان القرآن میں سورہ طہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”شیرانہ فی کے اقدام انشعاب کا ایک مرکزی سرچشمہ جزیرہ نمائے عرب بھی رہ چکا ہے

یہاں کے صحراؤں میں یکے بعد دیگرے نسل ان فی کا مواصلت رہا اور نصیر اہل اہل کر

وہ دور یک پھیلنے لگے۔ شام، عراق، آرمین، اور خلیج فارس کی ساحلی آبادیاں

عرب سی سری نسل کا انشعاب تھیں۔ درمیان کا تمدن سی۔ بی نسل کا تمدن تھا۔

مولانا نے نہایت مختصر و درجہ پیمائشی انداز میں وہی چیز پیش کر دی ہے جس کی تفصیل کی طرف

نہ ابھی آ رہا تھا۔ جو اقوام شمال کی طرف بڑھیں اور سی راہ سے واپس لوٹیں ان کا نام تشرقیوں نے

آریں اقوام رکھ دیا، اور جو جنوب کی طرف پھیل گئیں ان کو مائی، اقوام کہا گیا اگرچہ اس تقسیم کے

دری بھی لازم ہیں تاہم یہی سب سے ضروری ہیں۔ شمال کی طرف جانے والے گروہ تو ہم کہہ چکے ہیں کہ قطب شمالی تک پہنچنے اور تبت سے ہوتے ہوئے چین اور جاپان چھ گئے ایک طرف قفقاز اور ترکستان سے ہونے ہوئے روس اور یورپ بھی پہنچے۔ اب جو اقوام جنوب کی طرف بڑھیں وہ زیادہ تر سمندر کے راستوں یا ساحلوں کے ساتھ ساتھ دوسرے ملکوں تک پہنچیں۔ ہندوستان وارد ہوئی تو وہاں سے براہ اور سام اور دیگر جزائر میں گئیں۔ جزائر سے، مشرق بھی جا پہنچیں۔ افریقہ اور امریکہ بھی ان کا گذر ہوا۔ پھر جو قومیں اسی طرح دور دراز ملکوں میں جا بسیں وہ تو واپس نہ وٹیں۔ ایک تو سفر کی تکالیف پر پھر فاصلہ سفر اور اٹھوں نے ہی بٹہ سمجھا کہ

”حضرت مرغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے“

مگر یہ زیادہ ترقی نہ کر سکے کیونکہ اصل مرکز سے دور نکل چکے تھے۔ اور نہ ہی ان کا تصادم ترقی یافتہ گروہوں کے ساتھ ہوا۔ نہ پتہ یہ تھیں اور نہ جہاں گروہوں کے آثار میں جواب دہیں۔ مگر یہ میں متور کی شکل میں مل رہے ہیں یہ ن کے بعد ت خائے ہیں۔ مگر چونکہ گروہ باقیوں سے بالکل کٹ چکے تھے اس لئے بالکل وحشی کے وحشی ہی رہے اور انھوں نے کوئی ترقی نہ کی تو ترقی نہ تھے انھوں نے کوسمٹوں کی بنیادیں رکھیں۔ بعض گروہوں کی عادات کے مطابق ایجادات کرتا پڑیں تاکہ زندگی بسر کرنے میں سہولت پیدا ہو جائے، اسی طرح انھوں نے سائنس کی بنیاد رکھی اور بہت سے گروہ ایسے بھی تھے جو موسموں کی آمد و رفت کے ریزر معدوم بھی ہو گئے۔ ان کے ڈھانچے ... (Fossils) ہم کو آج کل مل رہے ہیں۔

موجودہ *Mohingodaro* (مہنڈو) اور *Haryana* (ہریانہ) کی تہذیبوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ آریں تہذیبیں تھیں بلکہ جو قومیں کہ آریں کی مدت پہلے ہندوستان میں پہنچ چکی تھیں یہ ان کی تہذیب کے سہارے تھے۔ چنانچہ وہ اقوام *Dravidians* (ڈراویڈیوں) کے نام سے مشہور ہیں۔ اور یہ وہی اقوام ہیں جو اول ہندوستان میں آئیں۔

غرضیکہ جہاں جہاں یہ گروہ گئے یہ وہاں کچھ عرصہ کے لئے آباد ہوتے چلے گئے اور ساتھ ساتھ

ایک عارضی تہذیب قائم کرتے چلے گئے۔ ان کے روال بطور دوسری قوموں سے بھی رہے اور راہ و رسم بھی جاری رہی۔ چنانچہ یہ بات کہ وادی سندھ کے قدیم لوگ بابل کے لوگوں سے راہ و رسم رکھتے تھے کتبات سے ثابت ہو چکی ہے۔

آرین اقوام کی آمد اور دوسرے گروہوں کا مدونہ جزاں اس بات کا مسلم ثبوت ہے کہ تمام اقوام مختلف وقتوں میں اپنے اہل مقام سے ہجرت کرتی ہوئی آئی تھیں اور ان کا تصادم وقتاً فوقتاً دوسری اقوام سے ہوتا رہتا تھا۔ جس سے ایک نئی تہذیب پیدا ہو جاتی۔ ایک نئی زبان بن جاتی اور مذہب میں ایک نیا رنگ آ جاتا۔ جو الفاظ فوراً ہی ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہوتے تھے وہ عموماً صفات اور اسماء پر مشتمل ہوتے تھے ان میں حروف اور ضماں بہت کم ہوتے تھے یہ ان الفاظ کا ذکر ہے جو فوری تصادم کا نتیجہ ہوتے۔ ورنہ جو تبدیلی الفاظ میں دقت پیدا کرتا تھا اس کا معاملہ بالکل برعکس رہتا۔ مذاہب کی اصل بنیاد میں قائم رہیں اور ہر زمانے میں کچھ اشخاص ایسے ضرور ہوتے تھے جو حقیقت سے آشنا ہوتے تھے۔ ہمیں قدیم تاریخ کی جدید تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی روایات مختلف اقوام کی تاریخ میں مشترک ہیں، نہ صرف یہ بلکہ متعدد دیوتاؤں کے نام بھی ایک ہی ہیں۔

تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ قارئین کرام کے سامنے اس وقت آرین اور میتانی (Mitanni) دیوتاؤں کے نام پیش کئے جاتے ہیں اور بہت سی روایات ہیں جن میں نہ صرف ناموں ہی کی یگانگت پائی جاتی ہے بلکہ قصوں کے موضوع بھی یکساں ہی نظر آتے ہیں اور مشرق قدیم مذہبی عقائد بھی مشترک ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بابلیوں اور آشوریوں نے اپنا مذہب آرین سے لیا۔ مذہب و راسل ایک ہی تھا ورنہ وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو نبوت سے سرفراز کر کے ان کو مختلف ممالک میں بھیجتا اور وہ ان کو ان کی بھولی موٹی تعلیم یاد دلا دیتے۔ چونکہ اس اصل تعلیم کا بنی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی تھا اس لئے ان مذہب میں ایک قسم کی یگانگت پائی جاتی

لنا جو ہمیں گزرنے کے بعد محض ہو جاتی اور بارگرا نبیاء کی ضرورت محسوس ہوتی۔ دراصل اکثر اس
 کیفیت کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ زمانے کے حوادث اور زبان کا اختلاف اس میں خلل انداز ہوتا اور کچھ
 ترقی منظر انسانی ذہن میں اس قدر پیچیدگیاں پیدا کر دیتے کہ جو تھوڑا بہت مذہبی تخیل کا احساس ہو جاتا
 تھا اس کا استدلال ایسے حالات کے اندر بذریعہ استخراج محض اساطیر کی شکل بن کر رہ جاتا۔
 مقابلی لحاظ سے ان کی تحلیل اغراض پر مبنی ہوتی اور جب وقتی ضروریات الوہیت کا مقصد پورا
 ہوتا تو اقوام ان کا تتبع کرنے پر مجبور ہو جاتی۔ اور نہ صرف یہ بلکہ اپنی ترقی کے لئے اصل مذہب
 سے اس کی تطبیق بھی کر لیتی۔ چنانچہ قدیم و جدید تثلیث بھی اصل مذہب کی تحلیل ہی ہے !۔
 حول کی کیفیت انسانی ذہن پر اس قدر جلد اثر کرتی ہے کہ اس میں نہ صرف مذہبی تحریف و انتشا
 ت پیدا ہوتا ہے بلکہ اس میں طرح طرح کی رسومات اور بدعات بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ دنیا کے
 مختلف حصوں میں مختلف قدرتی مناظر اس قدر پراثر ہوتے ہیں کہ انسانی ذہن ان کو قبول کرنے
 میں بہت عجلت سے کام لیتا ہے مگر جوں جوں عقل کا ارتقاء تکمیل تک پہنچتا ہے۔ وحی بھی ترقی
 پاتی جاتی ہے۔ اور وحی سے درپے مختلف ممالک میں جہاں کہیں بھی اولاد آدم ہوئی، ان کو
 متنبہ کرنے کے لئے نازل ہوتی رہتی اصل تعلیم ایک تھی لیکن زبان میں اختلاف ہو جانے کی وجہ
 سے وحی کی زبان بھی بدل جاتی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

یہ سلسلہ مدتوں تک جاری رہا۔ دنیا کا کوئی گوشہ نہ تھا جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف
 سے پیغامبر نہ بھیجے ہوں۔ قدیم مذہبی کتب اور قرآن کریم بھی اسی کے شاہد ہیں۔ اور جب
 خدا فرما ہر ایک قوم کو تعلیم دے دی گئی تو پھر اس وقت ایک ایسے رسول کی ضرورت تھی جو تمام
 دنیا کے لئے ایک بین الاقوامی قانون لیکر آئے اور اسی منصب اعلیٰ پر خداوند کریم نے رسول اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم کو مقرر کیا۔ اس شریعت کا پہلا مقصد یہی تھا کہ دنیا کے سامنے یہ چیز پیش کرے کہ اللہ تعالیٰ
 نے دنیا کے ہر گوشہ میں اپنا پیغام بھیجا جو لوگوں کو متنبہ کرتا رہا۔ مگر اب ایک ایسے نظام کی ضرورت تھی جو
 قوم کے لئے ایک بین الاقوامی پروگرام پیش کرے۔ اور ان کو ان کی بھولی ہوئی تعلیم از سر یاد دلائے۔

چنانچہ قرآن کریم نے نازل ہوتے ہی یہ اعلان کیا۔ اور پہلا موقع تھا کہ تم قدیم مذاہب نے اپنی مقدس کتابوں کی چھان بین شروع کر دی۔ اور اصل حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے۔ یہ قرآن کریم ہی کا معجزہ ہے کہ اس وقت، تم مذاہب اپنی اپنی تعلیم کو درست کرنے میں لگے ہو۔ میں بت پرستی فقط محدودے بند میں رہ گئی ہے۔ محمود غزنوی یحییٰ پورے کو خواہ مخواہ کو بجاتا تھا۔ اب وہی کوسنے والے۔ ذرا احتیاط کیجئے کیا فرماتے ہیں۔

مراد خدا کرشن کا ارشاد ہے۔

”وہ نئی قدر میں پائے مستقل امداد ہماری زندگیوں کی سب سے زیادہ گہری

ضرورت ہے۔ لوگوں میں ایک نیا دہی مذہب پیدا کر سکتا ہے جو فرد میں تبدیلی پیدا کرے دنیا ایک اصول پرست ہو، جو انسان کی روح میں تاریک نقش کی جگہ اعلیٰ روشنی پیدا کرنا ہو۔“

انہوں نے کہتی کہ اگر ہم یہ نہیں نوعم دہی نفیوں میں ضرور کرتے ہیں۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ ہے۔

ہاں تو گزشتہ سطور میں ہم نے لفظ *Sargon* کا ذکر کیا تھا۔ اب ہم ایک اور مثال دیتے ہیں جس میں لفظ کی ظاہری شکل ہر جاتی ہے مگر روف تقریباً وہی رہتی ہے۔

Sargon the Great سارگون اعظم جس کا ذکر کچھ دیر ہوئی اور کیا ہے۔ اس کا نام مختلف شکلیں اختیار کر گیا ہے۔ یہ کشواکو *Kishwaku* کی جو سب سے پہلا آہن بدست ہوتا تھا۔ اس کے ترکوں میں سے تھا۔ اس کے نام کی ہم کچھ تفصیل ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

Eastern Religion and Western Thought London 1937.

مختلف تہذیبوں کے کہنوں پر اس کا نام سے طرح طرح ہے

خاندان کیش Kish	آرق خاندان Erek	ممیری خط منی	آرین ہارتا ہونگی ہندوستانی فہرست	کیش Kish
Shakini =	gunni	Urudugina	Shakuni =	Shakini
sagara =	ganni	= Sar-gin		Sia-gin
Pracin-wat		Sharp-		Shagur
= Bardwaja		Ganni		
		Barduibuz		

مندر جبہ بال پٹ کو سنے رکھے اور زین کی عبارت پر یک لمحہ کے لئے غور فرمائیے :-

یڈل (L. A. Waddell) صاحب فرماتے ہیں :-

The equation of the Sumerian Bargin
Baragin and Barduibuz with the
Indian Pracin-wat and Bardwaja
are noteworthy

یہ جو نام بارگین (Bargin) و پر بیان ہے دراصل خط منی کے کہنوں میں سی
دشہ کا نام اردو گین (Urudugina) ہے گپ ہے موصوف مصنف فرماتے ہیں :-

"The Second syllable of that name reads
Du as well as ha and Du seems to be
the correct form in view of one of the
Indus Versions giving his name as
B'Ardon-ja"

چنانچہ ویڈل صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سارگون غنم کا اصل نام سارگون نہ تھا بلکہ

"Gur or gani, Guni or Shar or Shar-guni"

اور جو قبرست ہمیں ہندوستان سے ملی ہے اس میں سارگون کا نام کوئی یا گنی (Kumini) یا شرگنی (SharKumini) آیا ہے جس کے ساتھ ساگارا کا لقب چپاں ہے، وراسی ساگارا سے سارگون پیدا ہو گیا ہے۔

اب ایک اور مختصر سی مثال لیجئے۔ اہل یہودی زبان میں اللہ تعالیٰ کے لئے Eloha کہ غلط ہے۔ مگر جس بستی کی اہل یہود عبادت کرتے ہیں اس کا نام تورات میں Jehovah ہے۔ یورپین علم رنے یہ پتہ ثابت کر دی ہے کہ لفظ Jehovah دراصل یہودی لفظ ہی نہیں ہے بلکہ کلدانی لفظ ہے جو yavhe پکارا جاتا ہے۔ چیرانی کی بات ہے کہ یہی لفظ سنسکرت میں yavha کی شکل میں ملتا ہے اور ان تمام کے معنی بھی وہی ہیں جو اللہ کے ہیں۔ اس لفظ میں بھی جو اصل بنی دے لفظ کی وہ تمام ساختوں میں قائم نظر آتی ہے صرف حروف کی پوزیشن بعض جگہ بری لگتی ہے۔ یہ محض وزن یا تفعظ میں فرق آگیا ہے۔ مگر اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ لفظ ایک ہی ہے، اور اس کا مفہوم بھی ایک ہی! تو پھر جب قرآن کریم کی اس تحقیق نے قدیم مذہب کو اپنے تئیں نظر ثانی کرنے پر مجبور کیا تو سب نے دبے لفظوں میں اس حقیقت کا اعتراف کیا زبان کا مسئلہ ایک نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے، جس کو ابھی تک وضاحت سے بیان نہیں کیا جاسکا۔ جب ہم بحیثیت مجموعی قدیم تاریخ اور تمدن پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں ایک نہایت نہایت صاف نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ قدیم اور جدید عربی تمام قدیم اور جدید زبانوں میں جذب ہو چکی ہے۔ چنانچہ مستشرقین کے بیانیوں سے پتہ چلتا ہے کہ جس قدر بھی قدیم کتب برآمد ہوئے ہیں ان میں زیادہ تر بلاوٹ عربی الفاظ کی ہے۔ ہاشک کہ حمورابی (ایک سمیری بادشاہ تھا جو کہ بانی سلطنت کے پہلے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا سن ۳۱۰۰ ق م سے) کی مشہور شہینت بھی عربی زبان میں تھی۔ اگرچہ رسم الخط سنخ تھا۔ اسی طرح بہت سے خط منخی کے کتب برآمد ہوئے ہیں جن کو ترجمہ۔ بدجب پڑھا جاتا ہے تو بہت سے عربی الفاظ ملتے ہیں۔ اس تحقیق کے معلق

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد ترجمان القرآن کی جلد دوم میں صفحہ ۲۸۷ پر لکھتے ہیں: یہ زبان جس پر زندگی و خلود کی آخری مہر قرآن نے لگائی۔ دراصل مدنی نشوونما کے اتنے مرحلوں سے گزر چکی تھی کہ دنیا کی کوئی زبان بھی اس وصف میں اس کی شریک نہیں۔ سمیری اور اکادی اقوام کا تمدن، مینوا اور بابل کی عظمیٰ کامرانیاں، قدیم مصری لغات کا عمرانی سرمایہ، آرامی زبان کا عروج و احاطہ، کلدانی اور سریانی کا ادبی تمول، دراصل ایک ہی زبان کی لغوی تشکیل و تکمیل کے مختلف مرحلے تھے اور اسی نے آگے بڑھ کر چوتھی صدی قبل مسیح کی عربی کا بھیس اختیار کیا۔

ماہرین علم الآثار قدیمہ زمینوں کے پیٹ چاک کر دیئے تاکہ اس تحقیق کی سندیں حاصل کر سکیں۔ ہم نے بھی کچھ کھیل اس قسم کے دجلہ و فرات کی وادی میں ہوتے دیکھے مگر نتیجہ یہ نکلا کہ طرح طرح کے کہتے تھے لگتے رہے، بعض تو صل ہو گئے اور بعض انسانی عقل و فہم کو دنگ کر گئے۔ اتنا ضرور ہوا کہ طرح طرح کے نام اور اصطلاحات حل ہوئے جن سے کچھ کھوج ضرور چلا۔ مگر ماہرین فن بجائے اس تطبیق کو آراء ثابت کرنے کے انھوں نے مختلف مذاہب پر حملے شروع کر دیئے۔ چنانچہ بتایا گیا کہ یہودیوں کا سبب کلدانیوں سے لیا گیا ہے اور بعض یورپین علماء نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ گیت کی تعلیم انجیل ہی کی تعلیم ہے۔ لہذا ان کو یہ اس وقت معلوم نہ تھا کہ گیت کا زمانہ انجیل سے بہت پہلے کا زمانہ ہے۔ اس بیان مفصل کے لئے دیکھئے ہاں گنگا دھرم گیت کی گیت راسا جلد دوم باب گیتا اور عیسائیت اور پھر یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم انجیل اور تورات سے لی ہوئی ہے۔ میں تفاوت رہ از کجاست تا بجا

سے پیشتر کہ یہ مضمون ختم کیا جائے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا خذ الرحمن کی تحریف لطیف سے کچھ اس پر جائے اور کچھ انبیاء کے نام میں جو نقل و نقل ہوئی ہے اس کو بھی قلمبند کر دیا جائے۔ مورخ فرستے بہ نظر تحقیق یہ معلوم ہونا ہے کہ وہ حقیقی اختلاف نہیں ہے بلکہ ناموں کے معلق سی قسم کا خذف ہے جو عمر و مختلف

میں منتقل ہونے کی وجہ سے کتابت کی تحریف تبدیل کی شکل میں پیش آتا رہا ہے حتیٰ تورت کا عوض در عرب کا موص اور اسی طرح تورات کا زارح اور موصین کا زراح دونوں یک ہی ہیں۔ یہ اقباس ہم نے حضرت یہ لسلام کے بیان سے لیا ہے جہاں مولانا یویاب اور یوب کے ناموں میں یگانگت ثابت کرتے ہیں

نوٹ کرنے کے قابل بات یہ ہے کہ زہد ایک با فوق الغیر ہستی کا تصور رکھتا ہے جس کو
شر کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ سے کوئی بات مخفی نہیں وہ انسانوں کے اعمال
کا خبر رکھتا ہے اور یوم الحساب میں ان کا بدلہ دے گا۔ وہ کہتا ہے:-

فَلَا تَكْمُنُ اللَّهُ فَا فِي نَفْسِكَ لِيَخْفَىٰ وَهُمَا يَكْتُمُ اللَّهُ يَعْلَمُ

میں سے دلوں میں جو کچھ ہوئے اللہ سے مخفی نہ رہیں گے۔ وہ چھپا رکھا اللہ جو کچھ چھپا رہا ہے۔ اور جو چھپا رہا ہے

يُؤْخِرُ فَيُوضِعُ فِي كِتَابٍ فَيُدْخِرُ لِيَوْمٍ يُحْصَىٰ أَوَّلُهَا وَيُنْقِطُ

انوس کے۔ جس میں تاخیر ہوئی ہے وہ ایک کتاب میں درج کر کے یوم الحساب کے وقت رکھ دیتا ہے۔ اور اگر جلدی کی گئی تو رکھ دیتا ہے۔
ایک اور جگہ کہتا ہے:-

تَزُودُ لِي يَوْمَ امْتِحَانٍ فَا نَدَّ وَوَكَّرَ هَتَّ النَّفْسُ خَرْمَوْعِدْ

موت کے دن کے نزدیک زور دے رہا ہے کہ وہ دن خود نفس میں سوکت ہی ہو گئے آخری وعدہ کا دن ہے۔

وہ ہر فعل انسانی کی خدائی قدر و قیمت پہنچاتا ہے:-

وَالَا تَدْرِي مَا يَصْدُرُ بِهِ وَابْرَكَ الْبَيْتُ بِنْتِ اَرْضِ

گناہ بدترین چیز ہے کہ جس کے ذریعہ غلبہ حاصل کیا جاتا ہے۔ دیکھی ایک بیکے مانند جس کی قدرت سرسبز ہوئی ہے

مستشرقین عثمانی اس قسم کے خدات کو عیب یست کا مہربان بتاتے ہیں اور جہاں اس

میں کلام کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ سلام سے پہلے ان کے ایک عامل عیسائی اور ہونو

یہی تھے جن کی چھوٹی چھوٹی آبادی عرصہ دراز سے عرب میں قائم تھیں۔ بول میں جو بڑا رشتہ

در صدقت پسند ہوتے تھے وہ ان عقائد کی طرف فصرۃ ہائل ہوتے تھے۔

زمیر فطرتا اس قدر انصاف پسند واقع ہوتا کہ اس نے بنی عقل سے رفع خصوصیت کا

یہ اصول وضع کیا جس کی بابت کراہتا ہے کہ وہ ہر کم دکاست حضرت عمرؓ کی من مشہور بدیہوں میں سے

معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے اپنے قاضی بزموسی شادی کو دی تھیں۔ زمین پر اس صورت کو اس خوبصورتی

سے ان دو شعروں میں ادا کیا ہے:-

وان الحق مقطع ثلاث بمین او نفاس او جلاء

حق کو فیصل کرنے کی یقیناتین ہی صورتیں ہیں، ایک قسم دوسرے کسی کو غم بتانا اور یا پھر یہ کہ معاملہ کی حقیقت واضح ہو
(تنی کہ جھگڑے کا اسکان ہی نہ رہے)

فذلکم مقاطع کل حق ثلاث کلہن لکم شفاء

حق کو فیصل کرنے کی ہی صورتیں ہیں اور ان تینوں میں تمہارے گواہین اور سکون کا زمانہ ہی
رہے زہیر کے اس قسم کے اقوال کہ ومن لا یظلم الناس یظلمہ اور ومن لا یمد
بالظلم یظلمہ (جو خود ظلم نہ کرے اس پر ظلم کیا جاتا ہے) تو ان سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ وہ
ظلم و غارت گری اور لوٹ مار کی تلقین کرتا ہے۔ نہیں بلکہ زہیر سوائسٹی میں نظام اور امن کا سب سے
بڑا حامی ہے۔ ان اقوال میں دراصل خود اعتمادی کی تعلیم ہے جو اس دور کے حالات کی آئینہ دار ہے اس
دور میں جبکہ کوئی قانون اور کوئی حکومت قانون کی پابندی کرنے والی نہ تھی اپنے تحفظ اور جائز
حقوق کی حفاظت کا دار و مدار ہمیشہ اپنی ذاتی قوت و شوکت پر تھا۔ اگر انسان دوسروں کے مقابلہ میں
زبردست نہ ہوتا تو وہ بہت جلد کسی ظلم کے ظلم کا شکار ہو جاتا اس لئے زہیر اپنے دور کے
حالات میں عزت کی زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتاتا ہے اور وہ یہی ہے کہ اس کو اتنی طاقت ہو کہ
ظلم ہو مظلوم نہ ہو۔ زہیر کے دیگر اشعار اور اس کے عام رجحانات اس کی حق پرستی و انصاف پسندی
کی دلیل ہیں۔

حیوانات اور صید و شکار | شعرا عرب کے یہاں اکثر تشبیب کے ذیل میں حیوانات اور صید و شکار کی
کی تصویریں | تصویریں ملتی ہیں۔ زہیر کا کلام بھی ان سے عاری نہیں۔ اس میدان میں
زہیر اگرچہ بید و غیہ کے پایہ کو نہیں پہنچتا تاہم متوسط درجہ ضرور رکھتا ہے۔ ایک جگہ اپنی اونٹنی کو وحشی
گدھے (عین) سے تشبیہ دیتا ہے۔

أدلت أم شتیم الوجه جأث علیہ من عقیقتہ عفاء

اس کے مابعد تیرہ اشعار میں عید کی زندگی کے مختلف حالات اور تفصیلات کا بیان ہے جو

بہت اعلیٰ درجہ کا نہ ہی لیکن اچھا خاصہ ہے۔ ایک جگہ قضا کی تصویر کھینچا ہے۔

کاتھا من قضا الأجاب حلاً لها وردوا فرد عنها اختها الشراكہ شعر
یہ تصویر ندرت رکھتی ہے۔ ایک جگہ شکار کا بھی ذکر کرتا ہے۔

اذا ما غدا ونا بنتغی الصيد مرة متى نره فانا لا نخا تله
جنگ و غارت کی تصویر بہت زیادہ موثر اور حقیقت سے قریب ہے۔

کانوا فریدین بصغون انزجاج علی تعس لکوا هل فی الکنا فها شمم
ان میں دو قسم کے افراد تھے کچھ تو شیروں کو ایسے جانوروں پر اٹھائے ہوئے تھے جن کے کا نہم باہر بکھے ہوئے تھے اور جنگ باز و اونچو
واخرین تری الما ذی عدا تهم من نسج داودا و ما اورشت ارم
انچھ اور لوگ تھے جو زہرہ بن کرتیاری کئے ہوئے تھے۔ ایسی زہرہ جو حضرت داؤد کی بی بی ہوئی، یا ارم سے ورشہ میں آئی ہوئی تھی۔

هم یضربون حبیبك البیض ذکھوا لا ینکصون اذا ما استلھمو وجموا
جب ان کی ٹڈ بھڑ ہوتی ہے تو وہ تلوار کے دستوں پر چوٹ مارتے ہیں اور جب وہ درانی میں گنم گنم ہو جائیں ان کو جوش آجائے تو وہ
ینظر فرسانھم امر الرئیس وقد شد السروج علی شباھما الحزم
ان کے شہسوار اپنے رئیس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں۔ اس حال میں کہ گھوڑوں کی بیٹھ پر زین کے بند کئے ہوئے ہوتے ہیں۔

یمرونھا ساعة قریبا بأ سوقھم حتی اذا ما بد اللعارة النعم
وہ شہسوار اپنی بیٹھوں کے اشارے سے تھوڑی دیر ان گھوڑوں کو دوڑاتے ہیں یہ شک کہ جب لوٹ مار کیلئے مویشی سلنے آتے ہیں۔
شدوا جمیعاً وکانت کلھا کھزاً تحشک دتراتها الارسان والجذم
تو وہ سب ایک دم جھپٹ پڑتے ہیں مویشی باسانی حملہ کا نشانہ ہوتے ہیں اور کوڑے ان گھوڑوں کی دوڑ کو مسلسل
اور تیزی کے ساتھ جاری رکھتے ہیں۔

تشبیہات | زہیر تشبیہات کا باو شاہ ہے۔ اس کی تشبیہات بعض تو بہت ساری بسیط اور معنی خیز
ہوتی ہیں جیسے: "فہن وادی الہس کالید للنعم"

(وہ شاہدان ہو درج نشین وادی رس کی طرف ایسی بڑھ رہی تھیں جیسے ہاتھ منہ کی طرف) اور

شواخیولہم فی کل معرکۃ کما تقاذف ضرب القین بالشیر

خون نے ہر معرکہ میں اپنے گھوڑے دوڑائے اور زاب معلوم ہونے لگا جسے وہاں کے ہتھوڑا مارنے سے شرارے اڑنے لگے ہیں۔

ہودج سواروں کو جو وٹنیوں پر رگستان طے کر رہے ہیں کشتی سے تشبیہ دیتا ہے۔ یہ تشبیہ دیگر ان خصوصیت کے پرل بھی پڑتی ہے۔ زہیر کہتا ہے۔

یقطعن امیان جوار لفلانۃ کما یعتی النواقی غمار الجبال بالسفن

وہ رزمیہ وسط رگستان کے سیور کو جس طرح طے کرتی ہیں جیسے موجوں کے چوڑے کشتی اڑتے ہیں۔ یغشی البحر ذبہم وعت الکثیر کما یغشی سفائن موج بحیرۃ العرک

صدی خوں کو ٹیلے کی زمریت پر جس طرح جاتے ہیں جیسے موج کشتیوں کو سمندر کی موجوں پر گزارتے ہیں۔ اپنی شبہاں آنکھوں کو زین سے بھرے ہوئے ڈول درڑی سے پھٹے ہوئے موتیوں کی تشبیہ دیتا ہے۔ عرب علی بکرۃ اولوہ قسوق فی السلاک خان بدربانہ المنظم

ابو یوسف ذہبی ہر گھوڑا ڈول بتا دھرتے ہوئے موتیوں کی لڑی ہے جس کے تار کے ہلکے سارے بوندنی کی ہو یعنی ٹوٹ گیا ہو

کبھی کبھی زہیر کی تشبیہات سب اور بہت طویل ہوتی ہیں۔ ان میں اس کی قوت تخیل خوب ہم کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس کی تخیل کا مواد صرف محسوسات ہوتے ہیں۔ زہیر کی یہ تشبیہیں بہت مشہور ہیں۔ جنگ کے ہولناک نتائج کو بیان کرتا ہے۔

فمہر ککمرکۃ سرحتی منہا وتلفح کف فافتحمل فستیم

جنگ تم کو ایک تپتی آگ کی طرح میں رکھ دے گی۔ وہ بہت سے درپہ بن فصل کا وہ ہوگی اور جڑواں بچے پیدا کرے گی۔ فستیم جو لکھ غدن ستہر کہ ہم کا ہمر عادتہم ترضع ففطم

وہ بے ستارے جو سب سب جو مدد کی طرح منخوس ہوں گے۔ پھر وہ ان بچوں کو دودھ پلائے گی اور پالے گی۔ یہاں تک کہ دودھ جھیرانے کے قابل ہوں۔

فتخلل لکم ما لا تغل لا ہلہا قری بانعراق من نفیز ودرہم

مبارے لٹو جنگ کی پیداوار کہیں زیادہ ہوگی غلہ اور مال کی اس پیداوار کے جو عراق و لوں کو اپنی زمینوں سے حاصل ہوتی ہے۔
زمہر کی تشبیہات کا بہترین نمونہ ملہ خط ہو۔ اپنے مخاطب سے کہنا چاہتا ہے کہ تو نے
ماں چھین لیا لیکن نہ تو اسے اپنے کام میں لا سکتا ہے نہ واپس کرتا ہے تیرے لئے ایک مرض بن کر
رہ گیا ہے۔ اس مفہوم کو یوں ادا کرتا ہے۔

نالجذہم مصنوعة فیہا انیض اصت غمی تحت الکتیہ داء

تو ایک کچا تیرہ رنگہا نہ کہ بوجھ منہ سے عرب ہنسے پس یہ تیرے پسینوں میں ایک مرض بن کر رہتا گا۔

خصصت بیہا فبشمع عیہ و عند ذلک اردت لہا دواء

اوپر یہ سخت گوشت تیرے حلق میں پھنسا پھر اس نے بد معنی پیدا کی، اگر تو چاہے تو تیرے پاس اس کی دوا موجود ہے۔
عشق بازی ترک کر دینے کو کہتا ہے۔ "وعری انراں لصبا در واحدہ"

زوجہ کے تھم گھوڑوں اور سواروں پر عریں نہ لگ گئی؟

ایک بہت ہی لطیف تشبیہ زمہر کی مشہور ہے جس میں اس نے محبوبہ کو ایک شعر میں

تین چیزوں سے تشبیہ دی ہے۔

تذاعہا منہا شہا ودرہا سحر و تکت فیہا الظباء

ہرن، جنگلی گائے اور گلے کے موتی سب اس محبوبہ کی مشابہت میں مشترک ہیں۔

فاما ما فوق انعقد منہا فمن ارماء مرتعہا غدا۔

کلمہ بند ہے اوپر کا حصہ جسم تو اس سفید ہرن کی جیسا ہے جو میدان میں چرتا ہو، رہنمائی سے ٹوٹ کر باہر نکل کر رہتا ہو،

واما المقلتان فمن مہدۃ ولذکر مراحۃ و بصفاء

دونوں آنکھیں جنگلی گائے جیسی ہیں۔ اور راحت اور صفائی موتی کی ہے

دیوبند میں علم کی پہلی درس گاہ

عہدِ عالمگیری کے دور پر وانی

جناب سید محبوب حسن صاحب رضوی دیوبندی

گیارہویں صدی ہجری کے ادائل سے دیوبند میں سادات کا ایک خاندان آباد ہے اس خاندان کے مورث اعلیٰ کا نام ہے سید محمد براہیم (قدس اللہ سرہ) دیوبند اور اس کے اطراف و جوانب میں دعوت و تبلیغ کا سب سے پہلا کام اسی بزرگ ہستی کی ذات سے انجام پذیر ہوا۔ در متعدد قومیں ان کے ہاتھ پر شرف، سلام سے بہرہ اندوز ہوئیں۔

دعوت و تبلیغ کے علاوہ تعلیم و تدریس در تہ کیر و زکیہ کا سلسلہ بھی خاصے لچھے پہانہ پر جاری تھا۔ دین کی ان خدمات سے جو محض حسبہ اللہ انجام دی جاری تھیں۔ دہلی کی حکومت بھی بے خبر نہ تھی۔ چنانچہ اس نے متعدد مرتبہ مختلف اوقات میں سید صاحب کے اخلاف کو وظائف، درجاگیریں عنایت کیں۔ عطایا کا سلسلہ جہانگیر سے شروع ہو کر محمد شاہ اور نواب نجیب الدولہ پر ختم ہوتا ہے۔

سید صاحب کے خاندان میں مور زمانہ سے اس وقت کے فراہم اور کاغذات کتب و مکتوبات جمع ہو گئے ہیں۔ کچھ البتہ باقی ہیں۔ ان ہی میں عہدِ عالمگیری کے دور پر وانی میں جن کے ذریعہ سے دیوبند کی تعلیمی تاریخ میں ایک جدید باب کا انکشاف ہوا ہے۔

مخیاں۔ سہ کہ دیوبند میں علم دین کا چرچا دار العلوم کے قیام ۱۲۸۳ھ سے وابستہ ہے جس عہدِ عالمگیر میں ان بہو نوں سے جو ذیل میں درج ہیں پتہ چلتا ہے کہ یہاں اس زمانہ کی

عام روش کے مطابق خانقاہ میں تزکیہ و تذکیر کے ساتھ ساتھ تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا پروانہ میں مرقوم ہے کہ :-

”دریں ولا شیخ وجہ الدین کہ بصلاح و تقویٰ آراستہ لیاقت تمام دارد، بچائے
پدر خود در خانقاہ بتدریس و تذکیر جماعت طالب علمان و فقرا و صوفیان
مشغول است“

دیوبند میں علم کی غالباً یہ اولین شمع تھی جس کو گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں
حضرت امجد سید محمد ابراہیم قدس اللہ سرہ کے مبارک ہاتھوں نے روشن کیا تھا۔ مشہور
روایت ہے کہ حضرت سید احمد شہید قدس اللہ سرہ ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے تو فرمایا کہ
”یہاں سے علم کی بو آتی ہے“ سید شہیدؒ کے اس مقولہ کو دارالعلوم کی نسبت بطور مکاشفہ
پیش گوئی کے سمجھا جاتا ہے۔ لیکن راقم السطور کا خیال ہے کہ جس بو کو سید شہیدؒ نے محسوس فرمایا تھا
وہ اسی گلدستہ علم کی بو تھی جو سید شہیدؒ کے قریبی زمانہ تک موجود تھا۔

عہد عالمگیری کے	عہد عالمگیری کے جن دوروں کا ذکر آیا ہے وہ سید وجہ الدین
بروانے	اور سید محمد صابرین سید محمد عارف رحمہ اللہ علیہم سے متعلق ہیں ان کی

نقل ذیل میں درج ہے :-

”متصدیان مہابت حال و استقبال پرگنہ دیوبند پرانند کہ چوں موازی دو صد و
ہفتاد و یک بگیہ نہ بسود زین گزائی بنجلہ۔ نصیبیہ موجب اسناد کا م و
بوجیب پروانہ بھرائی جانب باسم غفران بنہ معارف آگاہ سید محمد عارف
ولد مغفرت پناہ بندگی حضرت سید محمد حسین از قدیم اہل مہجرت شرح خانقاہ
از پرگنہ مذکور مقرر است۔ معارف آگاہ سید محمد عارف مرقوم و در بیت حیات
سپرد دیہی ولا شیخ وجہ الدین پسران غفران پناہ کہ بصلاح و تقویٰ آراستہ
لیاقت تمام دارد بچائے پدر خود در خانقاہ بتدریس و تذکیر جماعت طالب علمان

موازی مسطور بدستور سابق از محل قدیم با ہم پسران فقہران پناہ مذکور مطابقت
 خمس شرط قبض و تصرف انہما مقرر و مسلم داشتہ شد کہ حاصلات آنرا فصل
 بفصل و سال بسال صرف معیشت طالب علمان و فقرار و صوفیان و خود ہا
 نمودہ بدعا رگوئے دوام دولت ابراہیم شغال می نمودہ باشد۔ بتاریخ یازدہم
 شعبان المعظم سنہ ۱۰۳۰ جلوس والا۔

پروانوں کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ عطائے موقوفات کا مقصد صرف
 حضرات کو وسائل معاش سے مطمئن کرنا نہ تھا بلکہ اس کا اصل مصرف طلبائے علوم دینیہ
 و طالبانِ طریقت کے طعام و قیام کے مصارف تھے۔ اس زمانہ کا یہ قاعدہ تھا کہ جو لوگ
 مولیٰ علی اللہ علم اور دین کی خدمات محض لوجہ اللہ انجام دیتے تھے حکومت وقت و ظالمت
 و موقوفات کے ذریعہ ان کو مالی امداد بہم پہنچاتی تھی۔

اس کا افسوس ہے کہ ہمارے پاس آج کوئی ایسا ذریعہ موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکتا
 خانقاہ میں طلباء اور صوفیاء کی کس قدر تعداد مقیم رہتی تھی۔ اور کتنے لوگوں نے اس سے ظاہری
 و باطنی استفادہ حاصل کیا۔ البتہ ایک تحریر سے اس قدر متراغ ضرورت ہے کہ خانقاہ
 کے متعلق ایک کتب خانہ بھی تھا جس میں کتابوں کا بہترین ذخیرہ موجود تھا۔ خانقاہ کی
 شہرزدگی میں یہ ذخیرہ بھی برباد ہو گیا۔

عموم کی آتش زدگی ابارہویں صدی ہجری کے اواخر میں خانقاہ اور اس کا تمام نظام درہم برہم
 خانقاہ کی تباہی ہو گیا۔ کیونکر ہوا؟ یہ داستان ایک نہایت دل خراش اور ہولناک حادثہ
 منسلک ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سنہ ۱۸۹۰ء (بعد شاہ عالم) میں سکھوں نے قزاقانہ طور پر دیوبند
 تاخت و تاراج کیا۔ لوٹ مار کے دوران میں جن لوگوں نے کچھ بھی مزاحمت کی۔ سکھوں نے
 وہاں پر ان کے مکانات کو لوٹ کر آگ لگا دی، اور دیوبند کے متعدد محلوں کو جہد کر خاکستر کر دیا۔
 خانقاہ نشینوں کے ساتھ جو موبائل پیش آیا۔ اس کی کیفیت ایک درخواست سے معلوم ہوتی ہے

جوزعائے خانقاہ کی جانب سے منصوبہ آراخی کی واگزاری کے سلسلہ میں ۱۸۳۹ء میں جبکہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ سہارنپور کی عدالت کلکٹری میں پیش کی گئی تھی۔ اس واقعہ کو پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چونکہ مروریہ یام کے سبب سے یہ واقعہ خود دیوبند کی تاریخ میں بھی عام طور پر بھلایا جا چکا ہے، بتائیں اس موقع پر درخواست کی نقل پیش کرنا مناسب نہ ہوگا۔ درخواست میں مرقوم ہے:-

”سوال می کنند و شہادت حق می خواہند اضعاف العباد مسمیہ حافض مقبول عالم
و جان عالم و علی بخش و کریم الدین و بدر الدین و غلام حسن و ملا الہی بخش و
سراج الدین و نجابت علی ساکنون قصبہ دیوبند از سادات عظام و مشائخ کرام و
قانون گوینان راسخ الکلام و زمینداران و غیرہ سائر مکنتہ جمہور انام پر گنہ مرقوم
براین معنی کہ احوال و حدثات تاخست و تاراج و غارت گری و سوختگی قصبہ مسکن
ماسایلون از زیادتی تعدی زمرہ سکھان بر مان از شواہد قمت مسکن
ماسایلون کرۃ بعد اولی و مرۃ بعد آخری بر جمیع صفار و کبار این دیار ہویدا و آشکارا
خصوصاً این دفعہ آخری کہ بتاریخ نیم شہر ربیع الاول ۱۱۸۹ھ کھٹیک سنگہ و
دھوسنگہ و جیت سنگہ و تاراسنگہ و صاحب سنگہ کھٹا و غیرہ جمعیت یک لکھ
سوار و پیادہ ز مقام قصبہ اندری کہ تخمیناً مفاصلہ چل کرۃ خوابد بود شہاب باخته
میں صرہ مسکن ماسایلون شدہ بغارت و سوختگی انام و مسکن ماسایلون

سلہ اندری کہ محل وقوع ماورائے جمن پنجاب کے ضلع کرنال میں ہے اب اس کی حیثیت محض گاؤں کی ہے۔
سلہ کرۃ (۳۰ دویش) قاصد میں اختلاف ہے بعض اس کی مسافت چار ہزار گز بتلاتے ہیں اور بعض بقدر
ایک میل (۴۰ گز) چنانچہ نفیس لغات اوصال دین بگرامی میں لفظ ”کوس“ کے تحت میں ہے۔
یعنی ثلث فرسخ یعنی یک فرسنگ بھرے ”ز“ میل ”بکسر“ گویند ”امیال“ بالفتح و
”مہول“ بالضم جمع ”فاری“ کرۃ ”گویند“ نیز سنگے را گویند کہ برائے علامت
تمام شدن کرۃ بر سر را بیا نصب کنند“ ”س“ ”م“

پیرا ختم ہونے کے بعد ان کے اہل و عیال کو اغدو زیور و ظروف وغیرہ بخانہ بیچکے اور پاشندگان
 قصبہ ماسکیلون گئے۔ ان کے ساتھ تاجپورہ یوم قیام و زیدہ بخاطر جمع تمام از نقود
 عرض اثاث البیوت خانہ روپی کردہ کوچیدہ و فکدہ بردن رخت او بار آں
 متاہیرانہ کار بشیر سوختہ خود با داخل شد بعد ان فراغ تجہیز و تکفین مقتولان
 و نقصانے مکانات آتش زدہ بتوقع یافتگی کو اغدو وغیرہ استاذ عزیز تر از مہر
 اثاث البیوت ہر چیز تجسس و تفتیش نمودیم اصلاً از ان اثرے و نشانے
 نیافتہ محروم و مضطرب ماندند

... ہر کس بر صحت این حال و صدق این مقال آگہی و اطلاع داشتہ

باشد حسبہ للندہ ہر گواہی خود با بر این وثیقہ ثبت نمائندہ

لوٹ مار اور آتش زدگی ہی سکھوں کے وحشیانہ مظالم کی آخری حد نہ تھی۔ سکھوں کے
 سرگروہ گرو گوبند سنگھ کے متعلق معاصر مورخ غلام حسین طیا طیلانی کا بیان ہے کہ:-
 ”برہمات و آبادی اہل اسلام ہر جا دست اوی رسید، خنہ از سکنہ آنجا ہر کراہی یافتہ

ابتقانہ می کرد ہر چند خنقال صغیر السن باشندہ

بچہ آگے چل کر کہتے ہیں:-

”حتی کہ زن ہائے حلالہ شکم دریدہ و جنین را بیرون کشیدہ می کشند“ (سیر متاخرین ص ۴۰۲)
 وحشت و بربریت کی کتنی رزد خیز اور ہولناک داستان ہے! کون کہہ سکتا ہے کہ
 دیوتہ میں یہ واقعات پیش نہ آئے ہوں گے۔ خیال ہوتا ہے کہ تحریر درخواست کے وقت حیار
 او عزت و ناموس کے خیال سے نہ ہر سکوت لگادی ہوگی اور بادل تاخوستہ صرف بیان کردہ واقعات
 ہی پر اکتفا کر لیا گیا! دیوتہ کی تاریخ کا یہ وہ قیامت خیز سانحہ ہے جس نے ڈیڑھ سو سال کی شمع علم
 کو ایسا بجھایا کہ آج اس کے آثار و نقوش بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتے!

ادبیت

سازِ بخودی

از جناب سیفی ندی صاحب

اُسے تلاش میں اس کی تویہ ہوا معلوم
 تجھلا رہا ہوں جنوں میں اُسے جو تھا معلوم
 اب انقلاب بہار اس کو کیا چھپائے گا
 کہاں سے لاؤں غمِ انتفاری کی طاقت
 قریب میں رہے دانائیوں کے ہم اب تک
 جب اپنے ہوش پہ چھائی ہوئی ہوستی عشق
 کہاں میں! اور کہاں رازِ عشق و ستوری؟
 نہ پوچھو گردِ دُشِ ایام سے مری پرواز
 ابھی سے میں سستمِ آفرینیاں دل کی
 مرے سول کی پیچیدگی، معاذ اللہ
 نیاز اصل میں یہ ہے کہ پھر نیا زرنہ ہو
 نگاہِ عشق کی کوتاہیاں خدا رکھے
 کہ ذرہ ذرہ مہستی کو تھا پتا معلوم
 کہ ہر ستم ترا ہونے لگے نیا معلوم
 ہر ایک پھول کو جو راز ہو چکا معلوم
 حسابِ فکر کروں بھی تو انتہا معلوم
 ہوا بھی علم تو کیا جانے کیا ہوا معلوم
 پھر ایسے حال میں تکمیلِ انتہا معلوم
 یہ سب خلوصِ وفا ہے جو کچھ ہوا معلوم
 میں کس مقام پہ ہوں یہ کسی کو کیا معلوم؟
 یہ ابتدا ہے تو آشوبِ انتہا معلوم
 ہر ایک ذرہ یہ کہتا ہے مجھ کو کیا معلوم؟
 جو بندہ ہو وہی ہونے لگے خدا معلوم
 فروغِ حسن کا ہر راز ہو گیا معلوم

جہانِ دلِ عجب آشوبگاہ ہے سیفی
 یہاں سزا کی خبر ہے نہ کچھ خطا معلوم

تبصرہ

(A study in Iqbal's philosophy.)

از جناب بشیر احمد صاحب درایم۔ اسے ضخامت ۲۲۲ صفحات، ثانیہ جلی اور روشن قیمت مذکور نہیں۔
شائع کردہ شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور۔

کوئی مہینہ ایسا ہوتا ہوگا جب اقبال پر کوئی نئی کتاب خود یا اس کا اشتہار نظر سے نہ گذرتا ہو۔
لیکن اس کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ اقبال کے فکر کے مختلف گوشوں پر جس ہمہ گیری اور وسعت نظر کے
ساتھ لکھا چاہئے اور جس طرح لکھنا چاہئے اب تک نہیں لکھا گیا۔ فنونِ طیفہ کے متعلق اقبال کا نظریہ
اقبال کا فلسفہ خودی وغیرہ یہ عام پیش یافتہ تہیں ہیں جن پر ہر ایک مصنف طبع آزمائی کرتا ہے۔
ہمارے نزدیک اقبال کے سامی فکر کا صحیح آئینہ ان کے وہ چھ انگریزی نکتہ ہیں جس میں انھوں نے
ذہنی۔ الہام۔ مذہبی وجدان۔ مقامِ نبوت۔ تجدیدِ احکامِ اسلام۔ اجتہاد۔ اور ختمِ نبوت وغیرہ کی
نسبت اپنے خیالات آزادی اور صفائی سے بیان کئے ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ اقبال پر
محیثیت مفکرِ اسلام بحث کرتے ہوئے ان لکچروں کا جائزہ لیا جائے اور ان کی روشنی میں بتایا جائے
کہ اسرارِ خودی اور رموزِ بخودی کے مصنف کا مقامِ فکر کیا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب بھی اس عام روش سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ لائقِ مصنف نے شروع میں
اپنی عقیدت کا اظہار ان لفظوں میں کر دیا ہے کہ ہندوستان میں حضرت مجددِ اعظم ثانیؒ اور حضرت
مہولی انبیکؒ کے بعد صرف ایک ڈاکٹر اقبال ہی جمہور نے صحیح اسلام کو پیش کیا اور لوگوں کو اسی کے
پچ میں اپنی زندگیاں ڈھال لینے کی دعوت دی۔ اس سلسلہ میں مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ اقبال پر
عتراض بالکل غلط ہے کہ ان کا نظامِ فکر برگان اور نیٹس سے مستعار ہوا ہے۔ بلکہ اس کا
چشمہ دراصل قرآن و حدیث۔ مولانا رومی اور دوسرے صوفیائے اسلام کی کتابیں ہیں۔ ہمارے

نزدیک ہی باب (Predecessors) اگرچہ قراءت تقریباً سے بھی خالی نہیں
اس کتاب کا اصل حاصل ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ابواب بھی اقبالیات کے طالب علم
رائق مطالعہ اور دلچسپ ہیں۔

محمد علی حزیں (انگریزی) ضخامت ۲۲ صفحات تقطیع متوسطہ، ٹائپ چلی اور ریش کاغذ
قیمت آٹھ روپیہ، شائع کردہ شیخ محمد اشرف صاحب کشمیری بازار لاہور۔

فیضی حزیں جو عام طور پر علی حزیں کے نام سے معروف ہیں، مختلف علوم و فنون
فصل اور فارسی کے مشہور شاعر ہیں۔ عمر کے تقریباً ۲۳ سال ہجرت میں بسر کرنے کے بعد
آئے اور ۲۴ سال تک یہاں کی آب و ہوا میں زندگی کا سانس لینے کے بعد تبارک میں
کیا اور وہیں (سنہ ۱۳۰۰) دفن ہوئے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ تمام تذکروں میں ان کے
مفصل نہیں ملتے اور پھر جو پیش طالعہ ہر قسم کی کہانیاں ان سے منسوب ہیں۔ انھوں
اصل واقعات راہِ زیادہ بہم و اشتباہ کا پردہ ڈال دیا ہے۔ اس بنا پر صرف رخصت صاحب
ایم۔ اے۔ ال۔ اے۔ (علیگ) کی یہ کوشش بہر حقیقت رائق تحقیق و تفریق ہے کہ آپ نے بڑے
اور تحقیق و تدقیق سے شیخ حزیں سے متعلق تمام ممکن الحصول مواد کو گنگوہال ڈال دیا اور اس کی
ایک ایسی کتاب مرتب کر دی جو فارسی شعروادب کے طلباء کے لئے بڑے کام کی نیرستہ بڑے
کی بات یہ ہے کہ رائق مرتب نے صرف خارجی مواد کتاب پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ محض
رائے کو ثابت کرنے کے لئے خود کلام حزیں سے اندرونی شہادتیں بھی بہم پہنچائی ہیں۔
کہ باب ذوق اس کی قدر کر کے مصنف کی خدمت و کاوش کی داد دیں گے۔

مطبوعات ندوة المصنفین دہلی

ذیل میں ندوة المصنفین کی کتابوں کے نام مع مختصر تعارف کے درج کئے جاتے ہیں تفصیل کے دفتر سے فہرست کتب طلب فرمائیے اس سے آپ کو ادارے کی ممبری کے قوانین اور اس کے لئے محسنین و معاونین اور اجار کی تفصیل بھی معلوم ہوگی۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت مسئلہ غلامی پر پہلی کتاب جدید پبلیکیشن چین میں ضروری پابندی کے تحت ہے۔ قیمت ۲۰ محفلہ للمعبر

غلامان اسلام۔ پچھترے زیادہ غلامان اسلام کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی بیان قیمت ۲۰ محفلہ

اخلاق و فلسفہ اخلاق۔ غنم الاخلاق پر ایک مہبوط محققانہ کتاب۔ جس میں اصول اخلاق اور انواع اخلاق اور فلسفہ اخلاق پر مکمل بحث کی گئی ہے قیمت ۲۰ محفلہ

مستند تفصیل قرآن حصہ اول جدید پبلیکیشن ندوة المصنفین کی مایہ ناز و مقبول ترین کتاب زیر طبع۔ قیمت ۲۰ محفلہ

وحی الہی۔ مسئلہ وحی پر پہلی محققانہ کتاب۔ قیمت ۲۰ محفلہ

۱۲۲۔ قصص القرآن حصہ دوم قیمت ۱۰/- مجلد ۳۲
اسلام کا اقتصادی نظام۔ وقت کی اہم ترین
کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا
مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ تمییز ایڈیشن زیر طبع
قیمت ۱۰/- مجلد ۳۲

۱۲۳۔ خلافت راشدہ: تاریخ ملت کا دوسرا حصہ۔
جس میں عہد خلفائے راشدین کے تمام قابل ذکر
واقعات صحت و جامعیت کے ساتھ بیان کئے
گئے ہیں۔ قیمت ۱۰/- مجلد ۳۳

مسلمانوں کا: ج ۱ اور زوال۔ جدید ایڈیشن۔
زیر طبع۔ قیمت ۱۰/- مجلد ۳۴

۱۲۴۔ مکمل قرآن مجید۔ ۱۰ ج۔ قیمت ۱۰/- مجلد ۳۵

۱۲۵۔ مکمل کتاب فقہ حنفی۔ ۱۰ ج۔ قیمت ۱۰/- مجلد ۳۶

۱۲۶۔ کارل مارکس کی کتاب کپٹل کا مختصر مشہور
ورفتہ ترجمہ۔ قیمت ۱۰/- مجلد ۳۷

۱۲۷۔ اسلام کا نظام حکومت: صدیوں کے قانونی
کا تاریخی جواب۔ اسلام کے ضابطہ حکومت کے
تمام شعبوں پر تفصیلات وار مکمل بحث۔ قیمت
۱۰/- مجلد ۳۸

۱۲۸۔ خلافت بنی امیہ: تاریخ ملت تیسرا حصہ خلفائے
بنی امیہ کے مستند حالات و واقعات سے مجلد ۳۹
۱۲۹۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت
جلد اول: اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب۔ انداز
بیان و لکھ قیمت ۱۰/- مجلد ۴۰

۱۳۰۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت
جلد ثانی۔ قیمت ۱۰/- مجلد ۴۱

۱۳۱۔ قصص القرآن حصہ سوم: کتاب کے اس حصہ
میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے علاوہ باقی
قصص قمری اور تاریخی واقعات کی مکمل تشریح
تفصیل کی گئی ہے۔ قیمت ۱۰/- مجلد ۴۲

۱۳۲۔ مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد ثانی
قیمت ۱۰/- مجلد ۴۳

۱۳۳۔ کتابوں میں قرآن اور تصوف مولفہ
ڈاکٹر میروں الدین صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی
طبع ہو چکی ہے۔ عنقریب حضرات محبین و معاونین
کی خدمت میں روانہ کی جائیگی۔

۱۳۴۔ قصص القرآن جلد چہارم پریس کو جاری ہے
باقی جلدوں کا طبع جلد سے ہو گا۔

منہج ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت

نقص القرآن حصہ دوم قیمت للعلم مجلد ۱۰
 ام کا اقتصادی تقدم۔ وقت کی اہم ترین کتاب
 اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ
 دیا گیا ہے قیمت ۸۰ مجلد للعلم

تاریخ ملت کا دوسرا حصہ جس میں
 بلقائے راشدین کے تمام قابل ذکر واقعات
 و جاہلیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں
 ۱۰۰ مجلد ۱۰۰

عروج و زوال۔ ۱۰۰
 کتب لغات القرآن جلد اول۔ سخت قرین
 کتاب ہے مجلد للعلم
 کارل مارکس کی کتاب پینٹل کا ملخص ششہ
 ترجمہ قیمت ۱۰

حکومت کی صورت۔ صدیوں کے قانونی مطالبہ
 کی بابت۔ اسلام کے ضد بد حکومت کے
 میں پر نفحات و ارمکمل بحث۔ قیمت
 ۱۰۰ مجلد سات روپے۔

تاریخ ملت کا تیسرا حصہ خفائے
 ۱۰۰ مجلد ۱۰۰

۱۰۰۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت
 جلد اول۔ اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب، انداز
 بیان و لکھ قیمت للعلم مجلد ۱۰
 ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد ثانی

قیمت للعلم مجلد ۱۰
 قصص قرآن حصہ سوم۔ نبی حبیبہ السلام کے واقعات
 کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت للعلم مجلد ۱۰
 مکمل لغات قرآن مع فہرست الفاظ جلد ثانی۔

قیمت ۱۰۰ مجلد للعلم
 ۱۰۰۔ قرآن و تصوف۔ اس کتاب میں قرآن و سنت
 کی روشنی میں غلطی اسامی تصوف کو در نشین
 اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ مقام حب بیت مع ۱۰۰
 مذہب کا تازک۔ ورتبہ بہ سند ہے اس کو اور

اس طرح کے دیگر رسائل کو بڑی خوبی سے وضع
 کیا گیا ہے قیمت ۱۰۰ مجلد ۱۰
 قصص قرآن جلد چہم۔ حضرت عیسیٰ اور خاتم نبی
 کے حوالہ سے بیان قیمت ۱۰۰ مجلد ۱۰
 عذاب روس۔ عذاب روس پر قابل مطالعہ کتاب
 صفحات ۱۰۰۔ قیمت ۱۰۰

میجر ندوۃ المصنفین دہلی قریول باغ

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص :- جو مخصوص حضرت کلمی کم پاجبور اپنے یکشت مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین
دائرہ محسن خاص کو اپنی تمویلات سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز صاحب کی خدمت میں ادارے اور مکتبہ برہان کی
مصوغات نمونہ جاتی ہیں و درکار کتاب داران کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوئے رہیں گے۔

۲۔ محسنین :- جو حضرت پیر روپے سال مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسن
شمار ہوں گے ان کی جانب سے یہ خدمت معوضہ کے نقطہ نظر کا نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خالص ہوگا ادارہ کی
خدمت کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد اوسطاً چار ہوگی۔ نیز مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات
دور رسہ کا رسلہ برہان کسی معوضہ کے بغیر پیش کیا جائے گا۔

۳۔ معینین :- جو حضرت پیر روپے سال پیشی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین
کے عقد معینین میں ہوگا۔ ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات دارہ دور رسہ برہان رحل کا رس
یا کچھ روپے سے بر قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احباب :- جو روپے سال نہ ادا کرنے والے صاحب ندوۃ المصنفین کے جناب میں داخل ہوں ان حضرات
رسالہ قیمت دیا جائے گا ورنہ طلب پراس سال کی تمام مطبوعات رسالہ نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

قواعد

۱۔ برہان ہنگریزی مہینہ کی تاریخ کو ضرورتاً منع ہوگا۔
۲۔ مذہبی علمی تحقیقی خدائی مضامین بہت طویل و دراز کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے
۳۔ وجود ہندو مت کے بہت سے رسالے ڈاکھیوں میں مندرج ہو جاتے ہیں جس صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچ
وہ زیادہ سے زیادہ تاریخ تک دفعہ کو اطلاع دیں ان کی خدمت میں رسالہ دوبارہ بلا قیمت بھیج دیا جائے
اس کے بعد شکایت ذہنی اعتبار نہیں سمجھی جائے گی۔

۴۔ جواب طلب مور کے لئے "کامٹیا جوبانی" کا پتہ بھیج ضروری ہے۔
۵۔ قیمت رسالہ پانچ روپے سترہ سو ہی دور رسہ بارہ آنے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۸
۶۔ مئی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

لمصنفین دینی کا علمی و دینی کامہنا
مدوۃ الایمان دینی کا علمی و دینی کامہنا

برکات

مرتب
سعد احمد کسرا بادی

برہان

شماره (۳)

جلد نچہدہم

رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۵ء

تہ سنہ منہ من

۱۳۰	ستین الرحمن عثمانی	۱- نظرات
۱۳۳	مورثہ سید شاہ حسرت صاحب گیلانی	۲- مدون فقہ
۵۱	ڈاکٹر میروں دین صاحب ایم اے بی ایچ ڈی	۳- توحید و ہمت
۶۷	جناب سید خواجہ محمد رشید صاحب کفریہ ایس	۴- تاریخ سورت غازیہ مختلف ترین قوس
		۵- ادبیات :-
۱۸۴	جناب روشن صدیقی	عید جاوداں
۸۶	م - ج	۶- تہذیب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَظَرَات

تقریباً چھ سال کی عام ہلاکت انگیزی اور تباہی و بربادی کے بعد دنیا کی سب سے بڑی جنگ آخر کا ختم ہو چکی گئی۔ اس کا آغاز جرمنی میں پوینڈ کی سرحد سے ہوا اور اس کی رسم اختتام کی آخری تکمیل مشرق اسی میں جاپان کے دارالسلطنت توکیو میں ہوئی۔ اس طویل مدت جنگ میں کتنے فرزندِ آدم کی نعشیں خاک و خون میں تڑپیں۔ کتنی آبادیاں دیرانے و رکتی شاندار عمارتیں کھنڈر بن کر گئیں۔ خدائی سرزمین کو انسانی خون سے لالہ زار بنانے کی ساز و آفرین میں خود زمین کی پیدا کی ہوئی دولت و ثروت کے کتنے بڑے بڑے بن و بارود کی نذر ہو گئے۔ کتنی عورتیں بیوہ۔ اور کتنے بچے اور بچوں تبہم و ریت ہو گئے۔ ان سب کا گرج ب لگایا جائے تو بے شبہ یہ تمام جانی اور مالی نقصانات ان نقصانات سے کہیں زیادہ ہیں جو عہدِ گزشتہ کی کسی بڑی سے بڑی مذہبی لڑائی میں ہوئے ہوں گے۔ لیکن اس کے باوجود آج کل کے ترقی پسند ادیبوں کے نزدیک سب ہی دنیا کا وہ سب سے بڑا مل ہے جس کے باعث ایک قوم دوسری قوم سے نفرت کرتی و لڑتی ہے اور ایک انسان دوسرے انسان کا گلا کاٹتا ہے۔

موجودہ تہذیب کا خمیر حن عنصر سے تیار ہوا ہے ان کی فطرت ہی جذباتِ نفرت و عداوت کو ہوا دینے والی ہے جس تہذیب کی بنیاد مادیت پر قائم ہو، اس میں یہ ظاہر ہے کہ روحانیت، خدا پرستی، اور اعلیٰ انسانی اخلاق کی گنجائش کہاں تک ہو سکتی ہے، مذہب ایک انسان کو دوسرے انسان سے محبت کرنے کا سبق دیتا ہے۔ بہرہ رومی بنی نوع کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے خود غرضی اور نفس پرستی سے دور رکھتا ہے۔ لیکن ایک مادی تہذیب کا اثر یہ ہے کہ نسلی اور وطنی حقوق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اقتصادی غارتگری کی ہیمنہ خواہش مشتعل ہو کر دیوانہ بنا دیتی ہے

اور بقول اقبال مرحوم کے "انسان خدا کی بستی کو درکان سمجھنے لگتا ہے۔ اب اس کی سائنس اس کے ہاتھ میں ایٹم بم ایسی قیامت انگیز چیز دیتی ہے اور وہ اس کی مدد سے اپنے جذبہ انتقام کو تسکین دینے کی کوشش کرتا ہے۔ منکرین مذہب بتائیں کہ کیا اس قسم کی ہلاکت انگیزیاں پہلے کبھی مذہب کے نام پر بھی روارکھی گئی ہیں؟

سرکاری طور پر جنگ کے خاتمہ اور امن کی بجائے اعدان ہو چکا ہے۔ لیکن جب تک ان اسباب جنگ کا خاتمہ نہیں کیا جائے گا اور انسانی تہذیب و تمدن کی بنیاد پوائے مادیت کے روحانیت پر نہیں رکھی جائیگی۔ دنیا میں کوئی پائیدار و مستقل امن قائم نہیں ہو سکتا۔

جاپان کی بیکانہ شکست کے اعدان نے بہت سے باخبر لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ ان کے پاس اب بھی فوجیں کافی تعداد میں محفوظ تھیں۔ سامان جنگ کی بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ پھر جغرافیائی اعتبار سے مقبوضات جاپان کو ایک ایسی پوزیشن حاصل تھی کہ خاص جاپان میں فوجیں اتارنا اتحادیوں کے لئے بیکار مشکل تھا۔ اور ان سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ جاپانی اب بھی تازہ دم تھے۔ مذہبی جوش اور ولولہ کی وجہ سے یہ لوگ موت کو موت نہیں بلکہ زندگی سمجھتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے جتنی بے جگری سے یہ رڑتے ہیں شاید کوئی دوسری قوم اس حیثیت میں ان کی حریف نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود جاپان نے اپنی شکست خود تسلیم کر لی اور اس سلسلہ میں شہنشاہ نے جواہل جاپان کے ناقابل زوال عقیدہ میں ان کا خدا اور معبود تھا وہ سب کچھ کیا جو ایک مفتوح و محکوم کو فاتح کے حکم کی تعمیل میں کرنا پڑتا ہے۔

میرا اس معبود مرحوم نے جاپان کے سفر سے واپس آنے کے بعد کہا تھا کہ ایک مرتبہ وہ جاپان کے وزیر اعظم سے گفتگو کر رہے تھے۔ اسی اشار میں خدا کا ذکر آیا تو جاپانی وزیر اعظم نے

نہایت مغرورانہ انداز میں کہا کہ کیسا خدا؟ ہم کبھی اس خدا کو اپنے ملک میں نہ آنے دیں گے۔ لیکن آج یہ کیا ہے کہ خود خدا نہیں۔ اس کے حق ترین بندے جا پانی خداوند کی شہنشاہی پر قبضہ کئے بیٹھے ہیں اور یہ معبود یا طفل اور اس کے تمام بچہ رسی بالکل دم بخود ہیں۔ ہاں تک کہ آزدی سے سانس بھی نہیں لے سکتے۔

۳ ہانہوں کو اس جنگ میں جس عظیم الشان خسارہ سے دوچار ہونا پڑا ہے اس میں بے شبہ بہت سے لوگوں کو اُن کے ساتھ بھردی ہوگی لیکن ان لوگوں نے ان تمام نعمتوں کے بعد اگر صرف ایک چیز کا یقین حاصل کر لیا تو ہزارے نزدیک انہوں نے سب کچھ کوٹنے پر بھی بہت کچھ پایا ہے۔ درود یقین اس بات کا ہے کہ خدا بھی کوئی انسان نہیں ہو سکتا۔ خدا اگر کسی ذات کو کہا جاسکتا ہے تو بے شبہ وہ وہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔ جس کی حکومت کو کبھی زوال نہیں آسکتا۔ جو کبھی کسی کے ساتھ مغلوب اور محکوم نہیں ہو سکتا۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی اس کے ارد گرد روک لینے والا نہیں۔ ہم سب کو اسی ایک اُن دیکھے اور اُن پر جیسے خدا کی بندگی کرنی چاہئے اور بس! اس کے علاوہ انسان انسان سب برابر ہیں۔ کوئی انسان کسی انسان کا معبود یا خدا نہیں ہو سکتا۔

اب کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ برہان پھر پہلے کی طرح انہی صفات اور عمدہ سفید کاغذ پر مع نامیٹس ریح کے نائے ہو سکے۔ لیکن ابھی ایسا کرتے ہیں قانونی دشواری ہر ہم ساعی ہیں کہ کسی حرج اس دشواری پر صد قابو پاسکیں اور پہاڑ کو پھر اسی برائی وضع میں دیکھ سکیں۔

کتنا واجب ہے، اس صدقہ کے کون کون لوگ مستحق ہیں، کی مشروعات میں ان امور کی تفصیل کی گئی ہے بلکہ ان کے الفاظ ہیں۔

كان اكثر ذلك موكولا الى نظر المكلفين. یہ بات ان لوگوں کی نظر و فکر کے سپرد تھی جن پر قانون فی تلك العادات بمصر و فاما الى اجتماع زكاة عائد کیا گیا تھا، اور ان کے اجتہاد کے ساتھ لیاخذ كل ما لا يتق به وقد ر عليهن. بات و وابستہ تھی یعنی ان کی نیکیوں اور اخلاقی تلك المعاسن الكليات استطاع خبریوں میں سے جس حد تک جو جہاں تک تعمیل من تلك المكافم۔ (۵ ص ۸۱) کر سکتے تھے تعمیل کو بے مطالبہ کی شکل اس وقت ہی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ صحابہ میں من بزرگوں کو سابقین اولین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ چونکہ قرآن ان اطلاقی مطالبات سے ان ہی کو سابقہ پڑا، اس لئے

فكان المسلمون في تلك الاجيال. اسی لئے مسلمان اس زمانہ میں کوشش کی انتہائی اخذین باقصیٰ موجودہم وعاملین شکل کو اختیار کرتے تھے اور جو کچھ بھی ان کے پاس تھا علی مقتضاها بغایۃ موجودہم۔ اس کو ادا کر کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

اور یہ ہے ان کے نزدیک وہ خصوصی امتیاز جو عموماً مشروعاتِ مکیہ میں نمایاں ہے۔ اس کے مقابلہ میں مشروعاتِ مدنیہ کا حال ان سے مختلف ہے، مطلب یہ ہے کہ یوں تو اجمالاً اطلاق کا رنگ قرآن کے ہر مطالبہ پر غالب ہے خواہ مکہ میں اس کا نزول ہوا ہو یا مدینہ میں، لیکن اسی کے ساتھ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مدنی مشروعات میں باوجود کلیاتی شکل رکھنے کے حلال کی وہ کیفیت باقی نہیں رہی ہے جو ان کی مشروعات کی خصوصیت ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ مدینہ میں قرآن کا جو حصہ نازل ہوا، اس میں بھی اور السنۃ کے ذریعہ سے پیغمبر نے قرآنی مطالبات کی جو تشریحات تشکیل کی دونوں میں بقول ان کے۔

نفصلت تلك المجالات المکیہ کی مشروعات کے اجمال کی تفصیل کی گئی اور جن امور کا مطالبہ وقیدت تلك المطلقات مکہ میں اطلاقی رنگ میں کیا گیا تھا، ان میں قیود کا اضافہ ہوا۔

خیر ہاں تک تو ایک ایسی بات ہے جس میں ظاہر ہے چنداں کوئی ندرت نہیں، عموماً
 نہیں تھوڑا بہت بھی اسلامی علوم سے لگاؤ ہے وہ ان سے ناواقف نہیں ہیں، پیش کرنے کی جو
 ت ہے وہ اس کے بعد کا وہ نتیجہ ہے جس سے میرے خیال میں ایک بڑے اخلاقی مغالطہ کا جیسا کہ
 نے عرض کیا ازالہ ہوتا ہے۔

الشاہی نے اس کے بعد اس پر تنبیہ کی ہے کہ "مدنی مشروعات" میں قیود کے جو اضافے
 تے اور "مدنی مشروعات" کے اطلاق کی جو حد بندیاں مدنی مشروعات میں کی گئیں، خواہ تقييد و
 یر کا یہ کہ ہم قرآن ہی کے ذریعہ انجام دیا گیا ہو یا سنت کی راہ سے یہ بات زیر عمل آتی ہو، کچھ
 ہوا ہو، لیکن کسی حال میں اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ مدنی مشروعات کے بعد ان پر بالکل
 نسخہ پھیر دیا گیا، دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ ان کو غیر قانونی قرار دے کر شریعت اسلامی
 کے حدود ہی سے انہیں کلیتہً خارج کر دیا گیا۔

علامہ شاطبیؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ خیال قطعاً غلط اور خلاف واقعہ ہے، بلکہ ان کے
 ایک نو مدنی مشروعات میں "مدنی مشروعات" کے کلیات کی تحدید و تقييد ضرور کی گئی، مگر
 مع بقاء کلیات باقی صورت کی مشروعات کے کلیات کو بھی اپنے
 علی حالہا۔ حال پر بقی رکھا گیا۔

اب اسی نتیجہ سے وہ اس پر تنبیہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں جس طبقہ کو "الصوفیہ" کے نام سے
 موسوم کیا جاتا ہے، ان کی دینی زندگی بعض لوگوں کو عام مسلمانوں کی دینی زندگی سے کچھ الگ الگ
 نظر آتی ہے اور یہی انتہا زبان بزرگوں کے لئے بعض حدتوں میں نا انصافیوں کی وجہ بنا ہوا ہے
 شاطبی کہتے ہیں کہ ان کی نا انصافیاں درحقیقت نا انصافیاں ہی ہیں، شریعت کے ایک خاص نقطہ نظر
 سے غفلت کا نتیجہ ہے ان کا۔ سب یہ ہے کہ صوفیہ کی شرعی زندگی کو مدنی مشروعات کے روشنی میں نہیں
 دیکھنا چاہتے، تو "مدنی مشروعات" کو سامنے رکھ کر ان کو دیکھو، اسی مقصد کی طرف اشارہ کرتے
 وہ لکھتے ہیں۔

دعویٰ الاول جری الصوفیہ ہے طریقہ کار یعنی کی مشروعات کے مقتضی پر تو صوفیہ کا
 دعویٰ الثانی جری مرے عمل و آداب و رسوم سے (یعنی مدنی مشروعات) کو نذر
 حد اہم ممن اہم پلتزم نے اختیار کی جنہوں نے اپنے لئے ان امور کی پابندی
 ضروری نہیں ٹھہرائی جن کے صوفیہ پابند ہیں۔

اسی دعویٰ کو اور واضح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں

ومن ههنا يفهم شأن المتطعين الى الله فيهم
 امتا زواي من نجاتهم المعروفة فان الذي يظهربا دي
 الراي منهم انهم انتموا امورا لا توجد عند العامة
 ولا هي مما يلزمهم شرعا فيظن الظان انهم
 شدوا على انفسهم و تكلفوا ما لم يكلفوا
 ودخلوا على غير مدخل اهل الشريعة
 وراعي ہوں لوگوں کا حال سمجھ جا سکتا ہے جو ہر چیز
 سے منقطع ہو کر حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہیں۔ یعنی
 اپنے خاص مشہور مسلک کی بنیاد پر ان کو جو عام مسلمانوں
 کے درمیان امتیاز حاصل ہے بقا ہر یہ فی ان گزرتا ہ
 کہ ان بزرگوں نے ایسی باتوں کا اپنے آپ کو پابند
 بنالیا ہے جو عام مسلمانوں میں نہیں پائی جاتیں اور
 نہ شریعت نے مسلمانوں پر ان کو واجب کیا ہے اس
 حال کو دیکھ کر گمراہ کرنے والوں کو گمان ہوتا ہے کہ
 ان بزرگوں نے اپنے ساتھ تشدد سے کام لیا ہے و
 ایسے امور کے خواہ مخواہ پابند بن گئے ہیں جن کی پابندی
 کا ان سے شرعا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے اسی وجہ سے سمجھا
 جاتا ہے کہ ارباب شریعت کی ہمراہی میں وہ پرفہ نہیں ہیں۔

یہی بدگمانی کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حاش لله ما كانوا يفعلوا ذلك خدا کی پناہ وہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جو ایسی باتوں کا
 وفد بنوا فخلتہم على اتباع السنة ارباب کریں انہوں نے اپنے مسلک کی بنیاد سنت کی
 وہم بانفاق اهل سنة صفوة پیروی پر رکھی ہے ان کا نہ کسی تہذیب و برگزیدہ طبقہ

اللہ من الخلیفۃ (ج ۲ ص ۳۹) میں ہے اسی پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔

اور اپنا آخری فیصلہ ان الفاظ میں درج کرتے ہیں۔

وکن اذا فہست حال المسلمین مگر تم جب آغاز اسلام کے اس زمانہ پر غور کرو گے جو
فی التکلیف اول الاسلام اسلامی قوانین کے عائد کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ اختیار
ونصوص التنزیل الملکی کیا گیا تھا اور مکی تنزیل کے ان نصوص تصریحات کو سوچو گے
الذی لم یمنح وتنزل جو نسخہ نہیں ہوئے ہیں اور ان بزرگوں کے اعمال کو
اعمالہم علیہ بین لك ان ہی نصوص پر پیش کر کے جانچو گے تو تم پر یہ بات واضح
ان تلك الطرق مسلك ہو جائے گی کہ درحقیقت ان حضرات کا مسلک وہی
ہو لاء و یا تبعاء عنوا مکی تنزیل دئے نصوص کے مطابق ہے اور ان نصوص
علی وجہ لا یضاد المدنی کی پابندی ان بزرگوں نے اس طور پر کی ہے جو مدینہ
المفسر کے مفصل مشروعات کی مخالف نہیں ہے۔

پھر ان لوگوں کے مسلک کو یک مثال سے سمجھاتے ہیں یعنی ان کی زندگی جو دراصل مکی مشروعات کی
ایک تعمیلی شکل ہو مدنی مشروعات سے کیوں متصادم نہیں ہوتی اسی کو وہ اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

اذا سمعت مثلاً ان بعضهم تم مثلاً جب سنتے ہو کہ ان بزرگوں میں بعضوں سے
سئل عما یجب من الزکوۃ پوچھا گیا کہ دو سو درم پر کتنی زکوۃ واجب ہوتی ہے
فی ما سئیتہ درہم فقال تو جواب میں انھوں نے فرمایا ہمارے ملک کے روئے
اما علی مذہبنا فالکل لله واما پوچھتے ہو تو سب کچھ اللہ کے وہ میں خیرات کر دینا چاہئے
علی من ہیکم فخمسة دراهم باقی ہمارے ملک پر سو دو سو درم میں پانچ درم زکوۃ
ما شہد ذلك علمت ان ادا کرنی چاہئے، یہ اور اسی قسم کے مثل پر جب غور کرو گے
هذا یستمد مما تقدم فان التنزیل تو معلوم ہو گا کہ اس میں اسی بات سے فائدہ اٹھایا
الملکی امر فیہ مطلق اتفاق کیا ہے جو گزشتہ جلد کی معنی مکی آیتوں میں تو مطلق ال کے

لذل فی طاعة الله ولم یبین خرج کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن کتنا دینا واجب ہے
الواجب من غیرہ بل وکل اس کو نہیں بیان کیا گیا بلکہ خرچ کرنے والے کے اجتہاد
الی اجتہاد المنفق۔ کے سپرد اس بات کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

پھر اسی کی کچھ اور تشریح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

ومثله لا یقال فی ملتزمہ نہ ہر بے کس قسم کی بات یعنی سب کچھ اللہ کے لئے قرآن
انہ خارج عن الطریقہ (یعنی) جو اس کا پابند ہو اس کے متعلق یہ کہنا درست
ولا متکلف فی التعبد۔ نہ ہوگا کہ وہ اس کا حکم کے طریقہ سے بہرہ ہو گیا یا دین داری
میں اس نے حد سے تجاوز کیا ہے۔

بہر حال ان کے نزدیک صوفیا کا طرز عمل اور طریق زندگی عام مسلمانوں کی دینی زندگی
سے اگر کچھ مختلف ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کی زندگی شریعت سے بھی مختلف ہے بلکہ
انہوں نے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔

لما کان هذا میزانا لا یسر حریفہ یہ میدان یعنی اطلاق رنگ کے مطالبات کی پورڈ تکمیل
کل الناس قید التنازل مدنی یہ نہ تھا جس میں ہر شخص چرکت تھا اس لئے مدنی
حین فرضت الزکوۃ فصارت آیتوں میں مفروضہ زکوۃ کو مقید کر کے بیان کر دیا گیا اور اسی
هو الواجبة انحصاراً مقدرة لا کو قطعی شکل میں مسلمانوں پر واجب کر دیا گیا اس طور پر کہ
یتعدی الی ما دونها وبقی ما اس سے کم کی گنجائش نہیں (لیکن زینہ) سو اپنے اپنے
سواھا علی حکم الخیرۃ فاتسع اختیار کے حوالہ سے پس عمل کرنے والوں کے لئے جواز کا
علی لمکلف مجال البقاء جوازاً میدان اب بھی کھلا رہا، پھر ان میں کچھ ایسے ہیں جنہوں نے
والانفاق ندۃ فمن مقل ومن کی کی راہ اختیار کی اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے زینہ کی
مکثر والجمیع محمودون لا نغم لا راہ اختیار کی اور سب کے سب قابل تعریف متقی طرح
یتعدون حد وداشہ (ص ۲۴) و تائش ہیں، لیونکہ اللہ کے مقررہ حد و دس کوئی متجاوز نہیں ہے۔

بحث کو ختم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وہکذا یجب ان ینظر فی کل
یوم فی تمامہ کی مقابلات کو سوتا پوچھتا ہے تاکہ جو قدم
خصلۃ من الخصال المکیۃ ہے وہ لوگوں کو معنوم ہو جائے یعنی وہی بات
حتی یعلم ان الامر کذا کس جس کا ذکر کیا ہے

لیکن افسوس ہے کہ یہی نظر ہے جس سے بعض مہر وچ ہوئے اور اسلام کے اس طبقہ پر
کے بانی کھلیں جنہوں نے رخصتوں کو چھوڑ کر عزیمت پر۔ رادنی پر کفایت نہ کر کے اعلیٰ درجہ
ل کیا اور سچ پوچھ تو انہوں نے اپنی راہ وہ بنائی تھی جس پر صحابہ کے سابقین اولین چلے گئے بلکہ
نبی کی اس تنبیہ پر لوگ غور کرتے تو شاید ن پر بھی وہی بات کھلتی جو خدا نے اپنے اس بندے پر
لی وہ لکھتے ہیں۔

انما نظرت انی اوصاف رسول اللہ ﷺ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر تم غور
صلی اللہ علیہ وسلم وافعالہ تبین کرتے اور آپ کے اعمال و فعل کو سوچتے تو مہر کو
لذ الفرق ما بین الصغیرین و کے دونوں گروہ یعنی عوام اور صوفیائیں جو فرق ہے
بین بین المنزلتین (ص ۲۳۸) دیکھ پڑھ ہر موجد و دوزن میں جو فرق ہر دیکھ جائے

شبہ نہیں کہ وہ درکائنات علی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جس قسم کی زندگی گزاری جس مکان میں
اسوتی سانس پوری کی جو کچھ کھاتے تھے جو کچھ پیتے تھے ان کے نمونوں کا مسلمانوں کے
بقعہ میں اگر تلاش کیا جاسکتا ہے تو شاید صوفیائی کے س گروہ میں وہ مل سکتا ہے جنہیں جانے
نے محض ان کے فقر و فاقہ صبر و شکر قناعت و توکل کی زندگی کو دیکھ کر ان کو محض اعتراض
الگر کچھ بھی ہو مسلمانوں کے فہم عمومی کو اس باب میں بھلا اللہ کبھی مغلطہ نہیں لگا۔ اور جیسا کہ
نے لکھا ہے۔

وہذا عول من شہر من اہل صوفی میں جن بزرگوں نے شہرت حاصل کی ان کو جو
التصوف و بذلک سادو امین یہ دت و امتیاز ان لوگوں کے مقابلہ میں حاصل ہے

لم يبلغ مبالغهم في الاتصاف
جہاں کے درجے تک نہیں پہنچے ہیں مگر وہی بات ہے کہ
یاوصاف الرسول واصحابہ۔ رسول اللہ اور آپ کے اصحاب کے اوصاف کی حضرات تصف

بہر حال واقعہ یہی ہے کہ مدنی شروعات میں قیود و حدود کا اضافہ کر کے شرعی مطالبہ
کے اطلاق کو کم کر کے عام مسلمانوں کے لئے بہت کچھ آسانیاں پیدا کر دی گئی تھیں لیکن اس کے
تونس تھے کہ کی شروعات منسوخ ہو کر اسلامی قانون کے حدود سے باہر ہو گئے تھے، ہو سکتا ہے
بعضوں نے اس پر نسخ کے لفظ کا اطلاق کیا ہو، اور قدما میں اس لفظ کے بولنے کا ایک عام رو
تھا، حتیٰ کہ اسی رواج کی بنیاد پر بعضوں نے تونسغ و منسوخ آیتوں کی جو فہرست بنائی شاید یہ بنا لفظ
کہ قرآن کے نصف حصہ کو انھوں نے منسوخ ٹھہرا دیا۔

لیکن متقدمین جس معنی میں اس لفظ کو استعمال کرتے تھے اس میں اور نسخ کی اصطلاح
متاخرین جو کچھ مراد لیتے ہیں، دونوں میں فرق عظیم تھا۔ اب تو کسی حکم کے منسوخ ہونے کا یہ مطلب لیا جا
کہ وہ شرعی قانون ہی باقی نہ رہا۔ حالانکہ متقدمین کی مراد اس سے جو کچھ ہوتی تھی، حافظ ابن قیم اس
متعلق لکھتے ہیں۔

رفع دلالة العام والمطلق
کسی عام یا مطلق، اور ظاہر لفظ کی دلالت و اثر کو کسی
والظاہر وغیرہ اما
بخصوص او تفیید او حمل
خصوصیت کے اضافے، یا قید کے بڑھانے سے یا
مطلق علی مقید و تفسیرہ
کو قید پر محمول کرنے سے یا اس کی تفسیر دشمن سے جو
و تثنیہ حتی انهم یسمون
اخذ یا جاتا تھا اس پر بھی نسخ کے لفظ کا اطلاق ہوا تھا
الاستثناء والشروط والصفة
حتی کہ (اگلوں) میں تو بوجہ استثناء اور شروط اور صفت
سینما التضمن ذلك رفع دلالة
کے ضد بھی نسخ ہی کہہ دیتے تھے کیونکہ ہر کلام
الظاہر و بیان المراد۔
جس بات پر دلالت کرتا تھا وہ بات اس کا اضافہ کے
بعد باقی نہیں رہتی تھی۔

خیال تو کیجئے کہ نسخ کے اس قدیم معنی اور جدید اصطلاح میں کوئی نسبت بھی ہے؟ پس،
 دہلی مشروعات کی طرف نسخ کے لفظ کا انتساب اگر کسی نے کبھی کیا ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے اشارہ
 اسی معنی کی طرف ہو سکتا ہے جو پہلوں کی اصطلاح تھی، ورنہ نسخ کا مطلب جو کچھ اب سمجھا جاتا ہے
 کم از کم قرآنی آیات کی حد تک شکل ہی سے کسی آیت کو سہ بنیاد پر فسوخ قرار دیا جاسکتا ہے، خیر یہ
 ایک الگ بحث ہے۔ لیکن اس اصطلاحی مخالفت کے زمرے سے اسلام کے ایک بڑے مذہبی اختلاف
 کے چہرے سے جو کہ غبار صاف ہوتا تھا، اس لئے نمٹا اس کا بھی تذکرہ کر دیا گیا۔

۱۰ البینات کے سوا شریعت کے غیر بیناتی اجزاء کے اختلاف کے متعلق ہر گروں کے جس نقطہ نظر
 کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا، یعنی تقریباً سب ہی حق و صواب ہے، ان مختلف پہلوؤں میں سے جسے
 جس پر عمل کی توفیق میسر آجائے وہی اس کے لئے کافی ہے دوسروں کو نہ اس پر اعتراض کرنے کا حق ہو
 اور نہ غلط ٹھہرانے کا، یہی صحابہ کا طرز عمل تھا کہ ان مسائل میں باوجود اختلاف رکھنے کے آج تک
 کسی سے یہ مروی نہیں ہے کہ انہوں نے کسی دوسرے صحابی کے پیچھے نماز پڑھنے سے مثلاً اس لئے انکار
 کیا ہو کہ فلاں مسئلہ میں وہ ان سے مختلف خیال اور عمل رکھتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے عہد کے جس
 واقعہ کا ذکر کر چکا ہوں وہی اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ
 میں ایک موقع پر لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔

قد كانت الصحابة وانت بعة صحابة وبعين اور جو روگ ان کے بعد تھے

ومن بعدهم منهم من يقرع ان میں کچھ حضرات ہم انہوں سے پڑھتے اور

البسمة ومنهم من لا يقرع بعض نہیں پڑھتے۔

وكان منهم من يقنت في الفجر بعض روگ نماز پڑھتے تھے اور بعض

منهم من لا يقنت ومنهم من يؤمنہ نہ پڑھتے تھے بعض روگ بچنے لگانے کے بعد وضو

بالمحجمة والرعاف والقي ومنهم کرتے یا کسی پھوٹنے سے ہونے سے بھی منکرت

اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے سب جہاد کر حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب فہم فی امور تفسیر کا مطالعہ کیا جائے۔

من لا يتوضأ من ذلك منهم من اور بعض نہیں کرتے بعض عضو مستور کے چھونے سے
 يتوضأ من من الذکر ومن النساء وضو کرتے بعض نہ کرتے یا عورت کو نفسانی میلان
 بالشرهۃ منهم من لا يتوضأ سے چھونے سے وضو کرتے بعض نہ کرتے اسی طرح
 بالتحققۃ فی الصلاة ومنهم من لا نماز میں قہقہہ کے ساتھ ہنسنے کی وجہ سے وضو
 يتوضأ من ذلك مع هذا فكان کرتے بعض نہ کرتے مگر باوجود ان تمام باتوں کے
 بعضهم یصلی خلف بعض ۛ بعض بعض کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔
 بلکہ شیخ الاسلام نے اسی موقع پر اس کی بھی تصریح کی ہے۔

كان ابو حنیفہ واصحابہ والشافعی ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب امام شافعی وغیرہم
 وغیرہم یصلون خلف ثلث المدة حضرات مدینہ کے مالکی، اماموں کے پیچھے نمازیں
 من مالکیۃ وان لا یقرون بالبسملة پڑھا کرتے تھے حالانکہ مالکی نہ آہستہ سر بسم اللہ
 لا سرا ولا جہرا۔ ۛ پڑھتے تھے نہ زور سے۔

آخر میں لکھتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں۔
 ما زال المسلمون علی عہد النبی صلی اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور آپ کے
 علیہ وسلم وعہد خلفائہ یصلی خلفاء کے زمانے سے مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہی عمل
 بعضهم خلف بعض۔ در آمد رہا ہے یعنی بعض بعض کے پیچھے نماز پڑھتے ہو
 چند سطر پہلے اپنی خاص زبان میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے۔

من انکر ذلك فهو مبتدع۔ جو اس کا انکار کرتا ہو وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔

لیکن اس کا کیا یہ مطلب ہے کہ ہر مسلمان ان مسائل کے متعلق جو چاہے کرے اور جس وقت
 اس کے جی میں جس طریقہ عمل کے اختیار کرنے کو جی چاہے اس پر عمل پیرا ہو، جس کا نال شاید ہی
 ہو سکتا ہے کہ ایک مسجد میں بیسیوں طرح کی نماز پڑھنے والے، وضو کرنے والے پیدا ہو جائیں اور

ایک نماز و صلوٰۃ کے مسائل کیا اس سلسلہ میں انسانی زندگی کا کونسا شعبہ ہے جس میں کچھ نہ کچھ اختلاف نہیں پایا جاتا۔ پھر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کیا ہوگی، ایسے غیر متناسب متخالف عناصر کا مجموعہ ہوگی، جن میں کوئی ربط کوئی انضباط نہیں اور اجتماعی کیا انفرادی زندگی میں جب یہ شکل پیدا ہو کہ ایک شخص آج کچھ کر رہا ہے۔ کل کچھ آج کچھ بول رہا ہے، کل کچھ سنا رہا ہے، اور یہ سارے حرکات و سکنات کے تحت انجام دے رہا ہو، خود ہی سوچتا چاہے کہ ایسی صورت میں دین میں اور بچوں کے دلوں میں کیا فرق رہے گا۔ شاطبی نے لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے، اس طرز عمل پر جو خرابیاں مرتب ہوں گی، ان میں ایک یہ بھی ہے۔

کالا متھانتہ بالدين اذ دين کی یہ بات ہانت و تحقیر نہ جائیگی کیونکہ اگر یہ صورت
بصیرہ هذا الاعتبار سیالہ حال ہوگی تو دین ایک ایسی سیالہ جیڑ قرار پائیگی
لا ینضبط لہ جس کا کوئی شور ٹھکانہ نہیں ہے۔

اگر اسلام کے پیش نظر ہی بے ضابطگیاں تھیں تو پھر تانوں میں، موزوں میں، حج میں، بلکہ اگر کیا جائے تو اپنے ہر ہر شعبہ ہر شاخ میں اس کو نظم و ضبط و صحت و کیانیت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ رگ سوچتے نہیں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث یعنی صفوں کو درست نہ کا حکم دیتے ہوئے جو آپ فرمایا کرتے تھے۔

استروا ولا تغفروا فتختلف برابر پڑا کھڑے ہو جاؤ (اختلاف نہ کرو یعنی آگے پیچھے
قلوبکم لہ نہ ہو جاؤ) ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔

اگر صرف اسی پر غور کر لیتے تو دلوں میں جو شبہ ہوا ہے اس کا خود بخود اظہار ہو جاتا تھا اگر لوگوں کا برابر رکھنا نماز کا کوئی ایسا جز تو نہیں ہے جس کے بغیر نماز باطل یا فاسد ہو جاتی ہو لیکن یہ بات نے فرمایا کہ صفوں کے ظاہری اختلاف کا اثر تمہارے باطن پر پڑے گا، کیوں پڑے گا؟ ہے کہ اس کا بالآخر صحت بھی یہ اثر ہو جس پر نبوت کی نظر پہنچی ہو، لیکن اسی کے ساتھ اتنی بات تو

شاید یوں بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ ظاہر کی یکسانیت کا اثر باطن پر اس لئے بھی پڑتا ہے کہ آدمی جب دوسرے کو بھی اسی کام میں پاتا ہے جس میں وہ خود مشغول ہے تو نفسیاتی طور پر دونوں کے قلوب بھی باہم یگانگت محسوس کرتے ہیں اور جب ظاہر کے اتحاد کا اثر باطن کے اتحاد پر نفسیاتی طور پر پڑتا ہے تو اختلاف کا اثر بھی اسی قانون کا پابند کیوں نہ ہوگا۔ صفوف کی ظاہری ناہمواری کو مٹانے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا اصرار تھا۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ آپ نمازیوں کے مونڈھوں کو جا کر چھوتے اور جو باہر نکلا نظر آتا اسے برابر کرنے کا حکم دیتے صحابہ کا بیان ہے کہ

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مونڈھوں

بمسح منا كبتنا في الصلوة کو چھوتے (یعنی برابر ہے یا نہیں اس کا پتہ چلانے)

اور اسی کے بعد آپ استودوا (برابر ہو جاؤ) کا حکم دیتے۔ اور جب ایک معمولی صفوف کے اختلاف سے پیغمبر کو نظر آیا کہ دلوں میں اختلاف پڑ جائے گا، پھر خود ہی غور کرنا چاہئے کہ بلا وجہ اگر مسلمانانِ تدبیر زندگی کے عام شعبوں میں گونا گونی پیدا کریں گے۔ تو اس کا اثر اس کے نفیات پر کیا پڑے گا؟ خصوصاً عوام کا جو حال اس باب میں ہوتا ہے اس کے دور رس نتائج کا تو اس وقت صحیح اندازہ بھی مشکل ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ سب کا حق پر ہونا، یہی اس بات کو شرط عقلاً و مصلحتاً ضروری بنا دیتا ہے کہ بلا وجہ ایک امام کو چھوڑ کر دوسرے کی پیروی نہ کی جائے۔ آخر سب کے صواب و حق پر ہونے کا نتیجہ یہی تو ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جائزہ بھی جائز، پھر دو جائزوں میں سے ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو جو آپ اختیار کرتے ہیں تو یقیناً ایک ایسا کام آپ کر رہے ہیں جس کی ترجیح کی کوئی وجہ نہیں۔

لیکن بجائے اس کے آپ ایک ہی پہلو کو اگر اختیار کئے رہیں خصوصاً جس کے پابند اس ملک کے عام لوگ ہوں تو یہ فعل آپ کا بلا وجہ نہ ہوگا۔ بلکہ اس اختلاف سے مسلمانوں کے اجتماع کو آپ بچا رہے ہیں جس سے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہمارے اور آپ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا، بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ عوام سے اختلاف خواہ کسی معمولی ہی بات میں کیوں نہ ہو باعثِ فساد ہوا ہے۔

مسلمین جسے قرآن نے حرام کیا ہے کسی جائز فعل کے لئے اس کا ارتکاب آخر کیسے جائز ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ طیبہ تو یہ ہے کہ جائز ہی نہیں بلکہ جائز سے بھی جو چیز اہمیت رکھتی تھی آپ نے اس کو اس لئے ترک فرما دیا کہ جس خطرہ کا اندیشہ اس سے تھا وہ بہت رکھتا تھا، بنا برکعبہ کے متعلق آپ کا فرمانا

لَا أَحَدُ ثَانِ قَوْمِكَ (اگر تمہاری قوم (مے عائشہ) کو کو حل ہی میں چھوئے نہ ہوتی تو میں

بِالْكَفْرِ لَفَعَلْتُ (مصلح) ایسا کرتا یعنی ابراہیم علیہ السلام کی نیو پر سے تعمیر کرا دیتا۔

واقفین کے قتل کے مشورہ پر آپ کا فرمانا کہ

لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ اَنْ مُحَمَّدًا (لوگ اس کا پرچہ نہ کہنے لگیں کہ محمد اپنے صحابوں

يَقْتُلُ اصْحَابَهُ (مسلم) کو قتل کرتے ہیں۔

یہ کو بھی بہت سی جائز باتوں کے متعلق حکم دینا کہ عوام کے سامنے ان کا اظہار نہ کیا کرے، فرماتا کہ

اتريدون ان يكذب الله (کیا عوام کے سامنے ان باتوں کا ذکر کر کے چاہتے ہو کہ

در مصلوہ (بخاری) اللہ اور رسول کو جھٹلایا جائے۔

میں بیسیوں باتیں ہیں جن سے مصلح عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے شریعت کا حکم ہے کہ اگر کوئی جائز بھی ہو تو اس کو ترک کر دیا جائے چہ جائیکہ فساد بین مسلمین جسے قرآن نے حرام کیا ہے اس کے پھیلنے کا اندیشہ پیدا ہوتا ہو۔

شہادت ہے بخاری وغیرہ سب کتابوں میں ہے کہ خان کعبہ کو جاہلیت کے زمانہ میں قریش نے حلال ہیوں کی وجہ سے ان حدود جن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی یہ سمجھ کر حضرت کو شکر سے روک دیا تھی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد چاہتے تو ایسا ہی حدود پر پھر کعبہ کو بنوا دیتے، لیکن حضرت نے پیش نظر کہ قریش کا اسلام ابھی نیا اسلام ہے جس حال پر کعبہ بنا ہوا تھا چھوڑ دیا گیا۔ وہ ہے اسلام کے چار ارکان میں سے دو مستقل ارکان نماز و حج کا براہ راست کعبہ سے تعلق ہے، لیکن باوجود اس طاعت کی رعایت فرمائی گئی۔ ۱۲۔

ان کی نگاہوں میں کبھی اس لئے سبک نہیں ہوئے کہ کوئی مسلمان کسی طرح نماز پڑھتا ہے کوئی گویا عبادت تک میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، دوسری قوموں کے لئے مسلمانوں کی ہم آہنگی ہمیشہ محل حیرت و استعجاب رہی، کیونکہ ایک ملک بلکہ ایک صوبہ بلکہ شاید کسی ایک بھی اسلام کے سوا کسی دین کے ماننے والوں میں کوئی ایسا طبقہ مشکل ہی سے پایا جاتا ہے۔ جبر فروعی ہی نہیں بلکہ اصولی اختلافات نہ ہوں خصوصاً یہود و نصاریٰ جس کی طرف قرآنی آیات حدیثوں میں بھی اشارے کئے گئے ہیں کہ ستر ستر بہتر بہتر فرقوں میں یہ منقسم ہیں اور بعض مذہب کے پیروں کا حال تو یہ ہے کہ معبود تک پران کا اتفاق نہیں ہے یعنی کوئی کسی دیتا کا بھاری اور کوئی کسی دیوی کا۔

بہر حال ہر ملک کے مسلمانوں کی یہ عملی وحدت، ایک رنگی کی نعمت بڑی نعمت تھی، اور کہہ سکتے ہیں کہ ابھی تک یہ رنگ زیادہ خراب نہیں ہوا ہے، لیکن جولا پروائیاں چند سطحی تاثرات کے زیر اس کے متعلق برتنی جا رہی ہیں، کون جانتا ہے کہ ان کے نتائج آگے کیا ہوں گے۔ امام السید امام اوزاعی سے منقول ہے۔

من اخذ بنوادر العلماء
فقد خرج من الاسلام
علما کے نادر اور شذات احوال کو جو اختیار کرتا ہے وہ
گویا (اسلام) سے خارج ہو گیا۔

میں تو اس کا یہی مطلب سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی جماعت سے ایسا آدمی نکل جاتا اور اپنی جماعت سے نکلنے کے بعد اگر اپنے دین سے بھی نکل جائے تو کیا تعجب ہے، ان لوگوں کے جو اسی قسم کی انوکھی انوکھی نادر و شاذ باتوں کو تلاش کر کر کے اجاڑ سنت وغیرہ ناموں سے مسلمان میں پیش کر کے اختلاف کی آگ بھڑکا رہے ہیں، امام اوزاعی کا یہ قول ان سے فکر و نظر کا مطالبہ کرتا ہے ان کا ان فی القلب ایمان و اسلام۔

پس صحیح طریقہ عمل یہی ہے کہ علم و اعتقاد کی حد تک تو غیر بیناتی اختلافات کے متعلق یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ان کے ماننے والوں اور ان پر عمل کرنے والوں میں کوئی غلطی یہ نہیں ہے۔

لیکن علماء مسلمانوں کو چاہئے کہ جس مسلک کا اس ملک میں رواج ہو، جن لوگوں کی ان مسائل کے متعلق اکثریت ہو اسی کی اتباع کریں تاکہ حدیث اپنے پیغمبر کے فرمان۔

اتبعوا السواد الاعظم
بڑی اکثریت کی پیروی کرو جس نے عام مسلمانوں
من شذوذ فی النار۔ سے الگ ہو کر راہ بنائی وہ جہنم میں گرا۔

کی تعمیل سے بھی سرفراز ہوں اور جس 'شذوذ' کی اس میں دھکی دی گئی ہے اس سے بھی مامون ہو جائیں
لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے، جیسا کہ بعضوں کے اصرار سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت بھی آدمی
اپنے ملک کے عام مسلک سے کسی وقت کسی زمانہ میں تجاوز نہیں کر سکتا، کم از کم اخافت کا مسلک تو
کتابوں میں جو نقل کیا جاتا ہے سچ ہے۔

لوانتی بقول مالک فی موضع الضرورة
اگر ضرورت کے وقت امام مالک کے قول کے
مینبغی ان لا بأس بہ
مطابق (کوئی خفی عالم) فتویٰ دے تو اس
فتح المعین شامی وغیرہ) کتاب المنقود
میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ مالک کے لفظ کا یہاں بطور مثال کے ذکر کیا گیا ہے ورنہ مقصد وہی ہے کہ جن چار مجتہدوں
کی فقہ دنیا میں باقی رہ گئی ہے، یعنی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس کی صفت یہ بیان کی ہے۔

ان یکون اقوالہم التي یعتہم
یعنی ان کے جن اقوال پر اعتماد کیا جاتا ہے
علیہا مرویۃ بأسناد الصحیح
وہ صحیح سندوں سے مروی ہوں اور عام شہور متداول
وعدونہ فی کتب مشہورۃ وان
کتابوں میں ان کے یہ اقوال مدن ہوں نیز ان کی
یکون محذوم متباین بین الراجم
خدمت بھی کی گئی ہو یعنی مختلف پہلوؤں میں جو
من محتملاتھا وتخصص عمومھا
سبج ترین پہلو ہو اس کو ترجیح دی گئی ہو، نیز بعض
فی بعض المراضع وبقید
مقدمات میں عام الفاظ کے ساتھ جہاں ضرورت ہو
مطلقھا فی بعض المراضع
خصوصیت کا اضافہ کیا گیا ہو، اور بعض کو مقید کیا

۱۷ یعنی مسلمانوں کی عام جماعت کے دائرے سے نکلنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ یا آدمی جہنم میں جا پڑے گا

قول ہے کہ قرآن کریم میں جس جگہ بھی عبارت کا ذکر آیا ہے اس کے معنی توحید کے ہیں۔ گویا محاورہ قرآن میں عبارت ہر جگہ توحید کے معنی میں آئی ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے معنی ہوں گے نُوحِدُكَ وَنَطِيْعُكَ اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا مفہوم ہوگا کہ میری ہی توحید تمہارے سینوں میں بس جائے۔ عبارت کی تعبیر توحید کے لفظ سے کرتے ہیں خوبی یہ ہے کہ اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ عبارت صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے جو واحد لا شریک ہے۔ اس سے شرک کی قطعی نفی ہو جاتی ہے جس کو کسی دوسری جگہ کھول کر اس طرح بیان کیا گیا ہے وَاَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا (پس ہمیں اپنی عبادت و معرفت کے لئے پیدا کیا ہے، ہماری زندگی کا مقصد ہی عبادت و بندگی ہے، یہی عرفان ہی توحید ہے، تمام انبیاء نے اسی توحید الوہیت کو پیش کیا۔ یہی ان کی بعثت و دعوت کا اصل مقصد تھا۔

خواہم کہ ہمیشہ درہوائے توحید خا کے شوم و وزیر پاسے توحید (قائم)
مقصود من خستہ ز کوفین تویی ایہر تو میرم دہرا سے توحید
تمام پیغمبروں کے پیغام کا یہی نچوڑ تھا کہ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ یعنی اے قوم تم انہی کی عبادت کرو کہ اس کا سوائے تمہارا کوئی معبود و رب نہیں! يَا اَنْتُمْ لَا تُعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو! حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا: اِنَّ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاطِيعُوْنَ اور یہ عبارت اسی توحید و تقویٰ و اطاعت پر مشتمل ہے! حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ اور حضرت شعیبؑ نے بھی انہی الفاظ سے کہ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ سے اپنی قوم کو توحید کی طرف بلایا! حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو یوں مخاطب کیا اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ذلکم خیر لکم ان کستم تعلمون اور مشرکین سے اپنی برارت اس طرح ظاہر فرمادی: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ يَزُوْنُ مَا تَعْبُدُوْنَ اَلَا الَّذِيْ فُطِرَ فِیْ فَائِذٍ سَیِّئٌ مِّنْ رَبِّکُمْ (پس ۱۲) انھوں نے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہ وصیت فرمادی تھی کہ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْنُ اِلَّا وَآنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (پس ۱۲)

۱۔ بخاری حدیث وفد عبد العتیس ۲۔ تم انہی کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو۔
۳۔ میں ان چیزوں سے بڑا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو مگر میں نے تم کو یہاں پہنچا دیا ہے کہ تم کو رہنا ہی کرنا ہے۔
۴۔ اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے۔ تم مجھے اس دین کے اور کسی حالت پر جان مت دینا!

حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو اور حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اہل فرعون کو یہی بات پہنچائی تھی کہ
 فریسے اللہ ہی کو پوجو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اسی تعلیم، اسی دعوتِ توحید کے ساتھ ہمارے نبی
 الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور حق تعالیٰ نے آپؐ کی نزات پر اس دعوت کی توحید کو ختم
 فرمایا آپ کو ارشاد ہوا۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا هُوَ بِمُحْيِي وَمُمِيتٌ ذُكِّرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ رُكِّنَ ۙ (۱۴)

غرض توحیدِ الوہیت پر سارے انبیاء و مرسلین کا جماع ہے جو میری رسول آیا وہ توحید
 دعوت نیکر آیا۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا
 فَاعْبُدُونِ (۲)

اسی لئے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهُ اللہ اسلام کا دعویٰ علمہ۔ جس میں توحیدِ الوہیت
 و مالت محمدیؐ کو پیش کیا جا رہا ہے جن کا بیان کرنا ایمان کے لئے ضروری ہے فرض اور ہے
 و اسم صحت ہے اور باجماع ہل علم اس کے نبی معبود کے ہیں اور اس پر یہاں تقرر دیل ہیں
 میں سے بعض پر غور کرو۔

(۱) وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهُ وَفِي
 الْأَرْضِ إِلَهُ مَعْبُودٌ -

(۲) اَمْ لَهَا آلُ غَيْرِ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ
 عَمَّا يُشْرِكُونَ -

(۳) وَجَاءَ ذُرِّيَّتِي بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْأَنْعَرِ
 فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَبْعَثُونَ رُسُلًا

سب کہہ چکے کہ اسے اور میں تم سب کی طرف سے اللہ کا جیسا کہ ہوں میں کی بدشاہی ہے تمام ساتوں اور زمین میں
 میں کے سوا رعب و خوف کے لائق نہیں کہیں نہ کی وجہ سے ہوا ہے، سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر
 اللہ کے رسول آپ سے پہلے کوئی ایسا نہیں آیا، بھیجی جس کے پاس پہنچے یہ وحی نہیں بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں
 میں نے سب کو بتا دیا کرو۔

اَصْنَعِ لَهُمْ ذُلًّا يَمُوتُوا حَيًّا جَعَلَ
 کہنے لگے اے مومن ہمارے لئے یہی ایک معبود ایسا ہی
 مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں، آپ نے فرمایا
 قَوْمٌ يَجْعَلُونَ (در پیر ۶) کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی حالت ہے :

(۲) وَانْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ
 اور تو اپنے معبود کو دیکھ جس پر تو جا بوا بیٹھا تھا۔
 عَبِيدَكَ إِفَّا وَتَحِيَّاتُهُ ثُمَّ تَنِيْمَةٌ
 ہم اس کو جہادیں گے پھر اس کو دریا میں بکھریں گے
 فِي الْيَمِّ سَفًّا، إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ
 بس تمہارا معبود تو صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی
 الَّذِي يُدْعَى بِالْإِلَهِاتِ هُوَ وَسِعَ
 عبادت کے قابل نہیں، وہ علم سے تمام چیزوں کو
 كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ

افانہ کئے ہوئے ہے۔

(۵) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے کہا تھا کہ اگر تم ایک کلمہ کا اقرار کر لو تو تمام عمر
 تمہارا مطیع ہو جائے اور تمام عجم تمہاری خدمت گزاری کرنے لگے۔ ابو جہل نے خوش ہو کر کہا کہ بتلاؤ
 وہ کلمہ کیا ہے، ہم ایسے دس کلمے ماننے کے لئے تیار ہیں۔ فرمایا دس نہیں بس ایک ہی کلمہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 اللہ۔ یہ سننے ہی ان سب کو طیش آیا کہنے لگے : أَجْعَلُ الْإِلَٰهَةَ الْهَادِجَاتِ إِنْ هَذَا إِلَّا
 عَجْبٌ رَبِّیْ، یعنی اس سے تو اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا۔ واقعی یہ بہت ہی عجیب
 بات ہے۔

ان تمام آیات سے صاف ظاہر ہے کہ "اللہ" سے مراد معبود ہے اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سے ان
 وحید اور بہت کو پیش کیا جا رہا ہے جس کو ہمارے انبیاء نے پیش کیا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی
 عبادت ہے اسی کی عبادت کی جانی چاہیے۔ اسی سے تفرقات کی نسبت جوڑنی چاہئے، افراد عبادت
 بن تمام پیغمبروں کے پیام کا حاصل ہے یعنی صرف اللہ ہی اللہ رہے۔ غیۃ المبینات اللہ قلب سے فنا ہو جائے

دل عاشق روئے تست با عہدِ درست
 جاں طالب وصلِ تست از روزِ نخست
 آنکس کہ نہ جُست وصلِ تہیجِ نیافت
 و آنکس کہ ترا یافت دگر بیجِ بخت

(شیخ عطار)

توحید فی العبادت کی ضد شریک فی العبادت: موقداً شری کو الہ ماننا ہے یعنی اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے اور مشرک غیر اللہ کو بھی الہ ماننا ہے اور اس کی بھی عبادت کرتا ہے۔ سورہ انعام میں اٹھارہ نام لیکر یعنی ابراہیم، اسحق، یعقوب، یوسف، داؤد، سیدان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، یسوع، یونس علیہم السلام کا ذکر کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ نفوس قدسیہ دنیوی کی عبادت میں کسی کو شریک کرتے تو ان کی ساری طاعتیں باطل ہو جاتی ہیں کیونکہ شرک کے عملی عمل مقبول نہیں۔ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (پہلے)

تصریحات بالا سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس عالم میں انسان کی تخلیق عبادت کے لئے ہوئی ہے، اسی لئے تمام انبیاء و رسل توحید ہی کی دعوت کے لئے مبعوث ہوئے، انہوں نے بنی نوع انسان کو توحید فی العبادت کی طرف بلایا، شرک سے ڈرایا، ہر ایک نے ہدایت فرمایا۔ اِلَّا اللّٰهُ۔

نقطہ اودارِ عالم لا الہ! انتہائے کارِ عالم لا الہ!

اور جب مقصودِ زندگی توحید فی العبادت ہے تو ہمیں عبادت کے مفہوم پر اچھی طرح غور کرنا چاہیے۔ کی مابیت کو بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہئے تاکہ جس مقصد کے لئے ہم پیدا ہوئے ہیں اس کے لئے ہم کامیاب ہوں ورنہ کامیاب علم صبح کے ممکن نہیں! یاد رکھو کہ یہ دورِ زہ پر فریبِ زندگی مختلف ادوارِ طفلی و جوانی و پیری کی مخصوص نعمتوں اور بلاؤں سے گزر کر بہت جلد ختم ہو جاتی ہے خیرِ بعد میں پہنچ کر ہم بیدل کے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں۔

طفلی کہ زمانِ بازی می آراست	و من نشاند
انگاہ جوانی کہ داغش بیدارست	محل کرد زماند
کنون پیری نفس شماری دارد	بیدل چه علاج
زین نسخه ہم آخردرق چند بجاست	باید گرداند

لیکن درق الٹنے کے بعد قصہ ختم نہیں ہو جاتا۔ اب دنیوی زندگی کے عمل کی جزا و سزا کا دور

شروع ہوتا ہے اور یہ ابدی ہے اس کی انتہا نہیں یہاں یا تو سکھ ہی سکھ ہے یا پھر دکھ ہی دکھ۔ نوہ
خاتمہ ہوا تو سوائے سکھ کے کچھ نہیں۔ دراصل شرک پر دم توڑا تو سوائے دکھ کے کچھ نہیں۔ اسی لئے حضرت ابراہیم
اور حضرت داؤدؑ نے انہی دو لفظوں کو یہ نصیحت فرمائی کہ **فَلَا تَمُوتُوا لَكُمْ دِينُكُمْ** اور **فَلَا تَمُوتُوا لَكُمْ دِينُكُمْ**
اب ذرا عبادت کے تفصیلات پر تفصیل سے غور کرو۔

لغت میں عبادت نام ہے غایت تذلّل کا یعنی نہایت درجہ کی خاکساری و نیازمندی کا اور
میں عبادت مراد پرندوں کے ان فعال و اقوال و احوال سے جس کا تعلق خاص طور پر حق تعالیٰ کی عظمت
جلالت کے ساتھ ہوتا ہے۔ عبادت، سم جس سے اس کی بہت ساری انواع ہیں۔

(۱) عبادت اعتقادی: یہ اہل ہے سب انواع کی اس کا دوسرا نام "توحید" ہے۔
جیسا کہ اوپر بتلایا گیا۔ مجاہد قرآن میں عبادت کے معنی اسی توحید کے ہیں۔ یہ اس ام کا اعتقاد ہے کہ
اللہ ہی الہ یعنی معبودِ رب واحد ہے، وہی خالق ہے، اسی کی سب خیر ہے، وہی کاہن، وہی
وہی حاکم اسی کے ہاتھ میں نفع و ضرر ہے، وہی مولیٰ ہے، اسی طرح اہل بیت کے دوسرے لوازم کا، عباد
ہذا، عبادنا، استغاثہ، استعانت، اتقا، بجا، خوف سب سے اللہ ہی کے لئے ہوں، غیر اللہ
کے لئے نہیں ہوں۔

سہ ان اربین قوا ربنا اللہ ثم استقاموا اتزل علیہم امثالہم لا تخافوا ولا تحزنوا و
ایسر وایسجہ۔ ان ستم توعدون محن اولیاءکم فی الحیوة الدنیا و فی الآخرہ و لکم
فہما ما تشتمی انفسکم وہ کہ فیہم من اتدعون۔ مولانا غفور الرحیم (پ ۲۲ ص ۸۶) جن لوگوں
نے قرآن لیا کہ ہمارا رب سہ سے سہستیم رب، ان لوگوں نے سہ سے سہ نہایت کر دیا اور سہ سے سہ
پر خوش رہو جس کام کا تم سہ سے سہستیم رب، ہم تم سے سہ سے سہستیم رب اور عینی
میں بھی رہیں گے اور تمہارے سہ سے سہستیم رب میں جہیز کو سہ سے سہستیم رب اور تمہارے لئے میں
جو مانگوں وہ موجود ہے۔

سہ انہ من یشرك باللہ فقد جحد باللہ علیہ البجۃ و ما و نہ النار (پ ۳۲ ص ۸۶) جو شخص اللہ تعالیٰ
کے ساتھ شریک قرار دے گا وہ اللہ سے جہاد کرے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

(۲) عبادت عقلی: کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا زبان سے اقرار جس نے دل سے اس کا خفا رکھا لیکن زبان سے اقرار نہ کیا تو اس کا خون وبال محفوظ ہوگا اور جس نے زبان سے کہا مگر دل سے معتقد نہ ہوا تو اس کا خون وبال تو نہ لگے گا لیکن یہ منافق ہے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔

(۳) عبادت بدن: جیسے قیام و رکوع و سجود نماز میں۔

(۴) عبادت صوم و افعال حج و عمرہ جیسے طواف، درج، نحر، حلق و غہ۔

(۵) عبادت مالی: حق تعالیٰ کے تئیں مال میں اتنا حق مثلاً زکوٰۃ، صدقہ۔

اسی طرح باجبات و منہیات کی فعال و اقوال و افعال میں وہ انواع ہیں جو عبادت میں داخل ہیں ان کا نہ یہاں نہ وہاں نہیں صرف انہیات عبادت کی یہاں تصریح کر دی گئی۔ خوب سمجھو کہ شرک، قبیح ہوتا ہے عبادت کے نہ ہی فعال اور غائب میں بنی نوع انسان کے کثرت اور عبادت پر اس کے متعلق ہر ایک میں کچھ فرق ہے۔ انھوں نے غیر اللہ کو یا معبود قرار دیا، اپنا نافع و ضرر سمجھا، بے اعتدال، نفع و ہرمان کی تعظیم کی، وقت و جہت ان سے نہ یاد رکھی چاہی سے اس کی، ان کو پکارا، ان سے التجا کی، ستائش کیا، رجا و خوف کا تعلق ان سے رکھا، ان کی تندر، نیاز میں، اپنے ان کو دیکھ کر سرفرازی کیا اور ذبح و نحر سے ان کا تقدس چاہا۔ ان سے فقر و غنت کی نسبت ان سے توڑی، ان کے لئے حضور پر رتبہ نبیائے کرامت عظیمیں، اور عبادت اللہ ہی دعوت دی، توحید ہی عبادت کی تلقین کر، انھیں نہ ہار کر۔

ما چند گہ از چوب گہ از سنگ تراشی

بگندہ عذس کہ بصدقہ تراشی

تو نہ سرگین نہ رہا کہیر نہ زینت کرنوچی اجلسا ینجد اللہ وحدہ وند رما گان
یعبداً انا وانا (پہلے ۳) ایک ہم اس لئے آئے ہو کہ ہم سے یہ ہو کہ ہم نے اللہ ہی کی عبادت کریں اور اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں؛ احمل الالہ الف واحد ان هذا شیء عجیب (پہلے ۴) جیسی

بڑے تعجب کی بات ہے کہ سب معبودوں کو اس شخص نے تو ایک معبود گردانا۔

دیکھو ان مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار نہیں کیا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کے قائل تھے مگر تھے اس پر ایمان رکھتے تھے، ان کو اس بات کا بھی اقرار تھا کہ اللہ ہی ہمارا خالق ہے، لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ (پ ۵۵) زمین و آسمان کو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ، رزاق بھی وہی ہے، رحیمی و مہیت بھی وہی اور سب سے بڑا بھی وہی، قُلْ مَنْ يُرْزَقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ مَنْ يَخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ وَيُخْرِجُ الْمَمِيتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ، فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ (پ ۹۶) اسی کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہی ہر شے کی پناہ گاہ ہے، قُلْ مَنْ مِّنْ مِّدَّةٍ مَّلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُخْرِجُ الْوَحْشَ وَالْجِبَارَ عَلَيْهِمْ أَنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ، سَيَقُولُونَ اللَّهُ، قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ (پ ۵۶) وہی آسمانوں کا اور عرش عظیم کا مالک اور رب ہے۔ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ سَيَقُولُونَ اللَّهُ، قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ (پ ۵۷)

فرعون جس کو کفر میں اتنا غلو تھا اس کے متعلق بھی حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی زبان سے کہلوا یا ہے۔ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَتَرُلْ هُوَ لَا عِلَّا لَيْتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بِصَافٍ (پ ۱۲۶) تو یہ خوب جانتا ہے کہ یہ عجیب بات خاص آسمان و زمین کے پروردگار نے بھیجی ہے میں جو کہ بصیرت کے لئے ذرائع ہیں اور تمام مشرکین کے بارے میں ابلیس یقین تک نے کہا۔ اِنِّیْ اخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ، نیز رَبِّ أَنْظِرْنِیْ اور رَبِّ بَعَاثْنِیْ

صاف ظاہر ہے کہ ان مشرکین کا جرم "اشراک فی الذات" نہیں تھا، یعنی یہ اللہ کی ذات کے برابر کسی غیر کو واجب الوجود یا اللہ وادبی نہیں مانتے تھے، سوائے ثنویہ کے دنیا میں کوئی فرقہ اس کا قائل ہی نہیں ملتا۔ نہ کہیں کہ توحید ربوبیت تک کے مقرر تھے۔ وہ حق تعالیٰ کی خالقیت و رزاقیت، مالکیت و حاکمیت و ربوبیت کو مانتے تھے اور غیر اللہ کو حق تعالیٰ ہی کا مربوب، مرزوق، مخلوق، ملوک و محکوم جانتے تھے چنانچہ وہ اپنے تلبیہ میں کہتے تھے۔ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَا شَرِيكَ هُوَ لَكَ تَمْلِكُ مَا مَلَكَ

یعنی "اے اللہ میں تیری خدمت میں حاضر ہوں۔" کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک کہ تو اس کا مالک ہے اور وہ کسی شے کا مالک نہیں۔

اس طرح وہ نہ صرف حق تعالیٰ سے ذبح و اقرار کر رہے ہیں بلکہ اسی کو مالک و حاکم قرار دے رہے ہیں اور اسی کی ربوبیت کے ذمے پورے ہیں۔ نیز باوجود اس اعتراف و خود پاری اور ربوبیت الہی کے انھیں کافر و مشرک کیوں ٹھہرایا گیا، ان کے تمام دوسریوں حبط اور برباد قرار دیئے گئے۔ خود فی النار کی ان کو کیوں بشارت دی گئی؟ ان کا یہ ایمان بالہ کیوں ان کی جان و مال کو مسلمانوں کے ہاتھ سے محفوظ نہ کر سکا؟ اس ایمان کے باوجود وہ اعداء اللہ کیوں قرار پائے؟ ان کو کذاب، مسحور، ظالم، کیوں کہا گیا؟ ان کا شمار مہلکین میں کیوں ہوا؟ انھیں بے عقل حیوان بلکہ ان سے بدتر کیوں ثابت کیا گیا؟ انہم اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا، کا فیصلہ ان کے متعلق کیوں فرمایا گیا؟

اس کا جواب تم اوپر پڑے چکے ہو وہ ایک لفظ میں صرف یہ ہے۔ اشرار فی العبادۃ، ہر قوم اور ہر امت کے لئے ایک نبی مبعوث ہوا اور اس نے "توحید فی العبادت" ہی کی طرف اپنی قوم کو دعوت دی، ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اسجدوا للہ۔ (محمّد اور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں کو افرادِ عبادت الہی کی طرف بلا یا کہ جس طرح تم افرادِ ربوبیت کے مقرر ہو اللہ ہی کو رب جانتے ہو، اسی طرح اللہ ہی کو معبود جانو، لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جاؤ اس کے معنی و مقصد پر عمل کرو، اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو، تمہاری ساری عبادت، سب ذریعہ قلبی و قباہی طور پر خالص اللہ کے واسطے ہو۔ استعانت ہو یا استغاثہ، ذبح ہو یا نذر، دعا ہو یا مکرّف (خوف) ہو یا کوئی عبادت یا پرستش کی کوئی سی شکل صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہو اس وقت غیہ نہ ہو، یہی تبارک و تعالیٰ میں نہ آئے، تم اللہ ہی کے فقیر ہو، دل و انتقام کی نسبت اللہ ہی سے جوڑو، جھوٹے بتوں سے اپنی بندگی کی نسبت قطعاً توڑو اس سے نفع و ضرر کی توقع محض چھوڑو، اللہ تمہارے لئے بہ حال کافی ہے۔ اِس اللہ یُکافی عبداً، تمہیں صرف اللہ ہی کا ہو کے رہنا چاہئے۔ اِنْ صَلَّائِیْ وَنَسِکِیْ وَنَحْبِیْ وَنَمَائِیْ بِہٖ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اشتغال کثیر من الخلق بتعظیم قبوس کی قبروں سے مشغولیت ہے اس اعتقاد سے
اکابر علی اعتقاد انھم ذاعظم قبورہم کہ ہم ان قبروں کی تعظیم کریں گے تو اللہ کے
فاتحہ کیون شفعاء لھم عند اللہ ملہ نزدیک ہمارے شفیع ہوں گے؟

ادھر کی توضیحات سے مندرجہ ذیل چار امور بطور تفریع لازم آتے ہیں۔ انھیں خوب سن لیں
(۱) زمانہ قدیم کے بت پرست حقیقت میں انبیاء پرست اور اولیاء پرست تھے۔ حق تعالیٰ
انھیں "مشرک" قرار دیا۔

(۲) وہ خود اس امر کے قائل تھے کہ بت ہمارے بالاستقلال معبود نہیں بلکہ بالاستقلال ہمارے
اشہی ہے اور یسرف ہم سے سفارشی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو "شفیع" یا سفارشی
کر بھی اس کی عبادت کرنا موجب شرک ہے (یعنی کسی کو سفارشی یا شفیع سمجھنا یہ شرک نہیں ہے بلکہ
عبادت اس لئے کرنا کہ ہماری سفارش کریں گے یہ شرک ہے)۔

(۳) جو افعال عبادت ان مشرکین سے صادر ہوئے اگر کسی کلمہ گو سے بھی صادر ہوں تو اس پر
کہ اطلاق کیا جائے گا اور اس کی کلمہ گوئی اطلاق شرک سے مانع نہ ہوگی چنانچہ اسی وجہ سے امام رازی
گوربتوں کو بت پرستوں کا نظیر قرار دیا۔

(۴) جب غیر اللہ کو شفیع جان کر ان کی عبادت کرنا شرک ہوا تو پھر ان کو بالاستقلال عالم میں متہ
جان کر پوجنا بھی بدعت اولی شرک ہوگا۔ مثلاً اولیاء و انبیاء سے اولاد مانگنا، زیق کی کثادگی چاہنا
حجرات کی زما کرنا وغیرہ

مشرکین کی عبادت بس یہی تھی کہ وہ اپنے اصنام و اوثان (غیر اللہ) کو مقرب و شفیع
من رضرجن کران کے سامنے ذلیل و خوار بن کر کھڑے ہوتے اور

(۱) ان سے وقت حاجت فرما دسی چاہتے تھے یعنی ان کو پکارتے یا استغاثہ کرتے تھے۔

(۲) اپنے مال کا ایک حصہ ان کی نذر و نیاز کے لئے صرف کرتے تھے، ان سے فتنیں مانگتے،

ملہ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۵۲ سورہ یونس تحت آیہ ہوا و شفعا و اعند اللہ۔

۵۳۲

مذبح کرتے اور ان کے ارد گرد بھرتے یا طواف کرتے تھے۔ گو وہ حق کی رہبریت کے قائل تھے اور
 اَلْوَاقِیۃ وِزَاقِیۃ محی و ممیت، مدبر زمین و آسمان مانتے تھے: وَ اَیُّوْمِنَ الْاَکْثَرِ بِاَشْہِ الْاَوَّلِیِّ مَشْرِکُوْنَ !

اب قرآن کریم کی طرف رجوع کرو اور دیکھو کہ نداء، استغاثہ، استعانت، نذر، طواف وغیرہ
 ب افعال عبادت ہیں، جب حق تعالیٰ ہی معبود ورب واحد و احد ہیں تو پھر ان افعال کا تعلق صرف
 ہی سے ہونا چاہئے اور کسی غیر سے نہیں اعبدوا اللہ ولا تشركوا به شيئا (پ ۳۴) یہی ہے، افراد عبادت
 فَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ، اَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (پ ۱۵۶) مشرکین نے ان کا تعلق غیر اللہ
 سے وارکھا تھا اور اسی لئے انہیں تہدید کی گئی تھی کہ فَلَاصْبِرُوا لَئِنْ اَنَّكُمْ تَعْلَمُونَ يَعْنِي
 جانتے ہو کہ حق تعالیٰ کا کوئی نذر، ہمسر نہیں، پھر کیوں تم غیر اللہ کی عبادت کر کے ان کو معبود قرار دے کر
 ہیں حق تعالیٰ کا ہمسر بنا رہے ہو؟ تمہارا یہ عقیدہ کہ اگر تم ان کا تقرب نداء دعا، نذر و نیاز، ذبح و نحر
 ذبح و علوف کے ذریعہ حاصل کرو گے تو چہ تمہیں حق تعالیٰ کے "قرب" کر دیں گے اور تمہارے شفع
 جائیں گے قطعاً باطل ہے کفر بحت ہے، شرک محض ہے!

۱۔ عبارت ہے دعا (دعوت، دعائے، دعویٰ) کے معنی نداء پکارنے کے ہیں۔ اس پر ائمہ لغت کا اجماع ہے
 ۲۔ پھر امام راغب نے اپنی مفردات میں تصریح کی ہے کہ: "الدعاء كالنداء" یعنی دعا نداء کے معنی میں ہے
 ۳۔ شرح میں بھی دعا بمعنی خواندن ہے، سارک میں نداء اور دنا کا فرق و امتیاز اس طرح ظاہر کیا گیا ہے:۔
 نداء ما یسمع والدعاء قد یسمع وقد لا یسمع۔ اس سے دعا وظیفہ لسانی قرار پاتی ہے۔ مجمع البحار میں
 آیا گیا ہے کہ الدعاء الخوف یعنی دعا فریاد کرنی اور نداء مانگنی ہے اور بطور شہادت آیت اذ عوّی
 حتیٰ یجیب لکم دوش کن ہے اور اس کے معنی اس طرح کئے ہیں، ای استغیثوا اذا نزل بکم الضر
 یعنی جب تم پر کوئی مصیبت نازل ہو تو مجھ سے فریاد ہی چاہو۔ قرآن کریم کی اس آیت سے بھی واضح
 ہو کہ ان الحمد للہ رب العالمین۔ دعا کے معنی پکار کے ثابت ہوتے ہیں۔ نیز اس آیت سے
 ۴۔ نجبوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا۔ اگر یہاں دعا کے معنی عبادت کے لئے جائیں
 ۵۔ سوائے خالص باعقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہئے، بلکہ کھو عبادت جو کہ خالص ہوا نہ ہی کے لئے مزا دے۔

جیسا کہ بعض کا زعم ہے، تو لازم آتا ہے کہ صیغہ یک دوسرے کی عبادت کرتے تھے و حاشا ہم عن ذلك
وہ شرع میں عبادت کا حکم رکھتی ہے کیونکہ اس سے غیر عباد اور قدرت رب العباد کا
اظہار ہوتا ہے، لگنا، گڑبڑ، عجز کا ظاہر کرنا، اور عبادیت سے ہے جس طرح عظمت و کبریا
ہیبت و قدرت، جلال و استغنا اور معبودیت سے ہیں۔ اور عبادیت ظاہر ہے کہ عبادت ہیں۔
چنانچہ حسب تفسیر نیشاپوری نے لُجْبُ دَعْوَةِ الدَّاعِ کے ذیل میں خوب تصریح کر دی ہے۔

اعلم ان الدعاء مصد ز دعوت ادعو، وقد تكون اسما تقول سمعت دعاء كما
تقول سمعت صوتا، وحقيقة الدعاء استدعاء العبد برجل جلاله العناية
والاستعداد والمعونة، وقال جمهور العقلاء: ان الدعاء من اعظم مقامات
العبودية واذ من شعائر الصالحين ودواب الانبياء والرسلين والقرآن ناطق
بمحنة عن الصديقين والاحاديث مشحونة بالدعوة الى الله تعالى حيث لا ممانع

بلا شك ولا محال بلحذاء (مطبوعہ ابن سنیہ ج ۱ ص ۱۹۲)

و خلاصہ یہ کہ دعا مصدر ہے اور کہیں سم بھی ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے دعا کو سنا
جس طرح کہ آواز کو سنا، و دعا کی حقیقت یہ ہے کہ عباد اپنے رب سے استدعا کرتے ہیں اور اس سے مدد و عون
و عانت کا خواہش کرتے ہیں۔ بہر تقدیر کاس مرید مذاق ہے کہ دعا ہنر تہذیب مقامات عبادیت سے ہے
یہ صلیحین کا شوق اور انبیاء و مرسلین کا حق ہے۔ قرآن ناطق ہے کہ وہ صدیقین سے ثابت ہے، اور
احادیث و حدیث ماثرہ سے خبر کی ہوتی ہیں، ہذا میں اس کو نہیں

حب دعا عبادت ہے تو بھر غیر اللہ سے دعا کرنا سرک صریح قرآن پائے گا لیکن قرآن کریم نے
مخلوق سے مدد و معونہ و رہنمائی اور صورت میں جائز رکھا ہے کہ جب یہ ایسے امور میں کیا جائے، جو
ان کی قدرت و قوت کے احاطہ میں ہوں، دیکھو قرآن میں اس اسرائیلی کا قصہ مذکور ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے کسی قبیلے کے نفرت، استغناء، یا منافقت سے کہنے لگا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الَّذِي مَنَّ عَلَيْنَا مَنَ اللَّهُ (پ ۱۷)

۱۷ سورہ جو کہ ان کے لئے سوتی ہے اس کے مقابلہ میں جو کہ ان کے لئے لعین ہیں سے تمہارے چاہی۔

یہ دوسری جگہ دین کے کاموں میں مدد چاہنی اور مدد دینی واجب قرار دی گئی ہے: وَإِنْ اسْتَفْضَرْتُمْ
إِلَى الَّذِينَ فَعَلُوا الصَّالِحَاتِ سَأَلْتُمُوهُمْ (پ ۱۶) اسی طرح نیکی اور تقویٰ میں استعانت کا حکم دیا گیا ہے: تَعَاوَنُوا
بِأَعْمَارِكُمْ فِي السَّبِيلِ الْمَقْصُودِ وَلَا تَوَلَّوْا الْبُغْضَ وَالْعَدُوَّةَ (پ ۱۷) جب مظلوم کسی ظالم کے خلاف
 لڑے گا تو اس طرح کی استعانت واستغاثہ منع نہیں۔ اسباب دنیویہ کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ مامور ہے
 میں بنیادی عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اسباب بالذات موثر نہیں حق تعالیٰ ہی ان میں اثر پیدا کرتے ہیں
 جب کوئی چیز اثر کرتی ہے تو حق تعالیٰ اس میں اثر پیدا کرتے ہیں یہ عقیدہ باطل ہے کہ اشیاء کی وجود
 شئی کے وقت ہی ان میں اثرات رکھ دئے گئے ہیں اور اسی راہ سے وہ اثر کرتی ہیں اور اب حق تعالیٰ
 حکم و امر کی حاجت نہیں، یا ان میں یہ قوت ہے کہ کبھی بھی اپنے آثار و حکام سے تخلف نہ کریں! دیکھو
 حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے گئے تو حق تعالیٰ نے آگ میں اثر احرار پیدا نہ کیا اور نہ جہنم!

غرض آثار اشیاء حق تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور باران صفت اشیاء پر رہتے رہتے ہیں۔
 اس طرح مخلوق میں فعل کی جو قدرت ہوتی ہے وہ فعل کے وقت ہی عنایت ہوتی ہے ورنہ اس سے فعل
 صدور ہوتا ہے، یہ نہیں کہ فعل کی قدرت پہلے ہی سے مخلوق میں موجود ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے افعال
 صادر ہے اور خالق کا محتاج نہیں، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ تمام مخلوقات وجود میں آنے کے بعد حق تعالیٰ
 مستغنی ہیں اور بے پرواہ، مستقل ہوں اور غیر محتاج، والد زرم، ظل فالملزوم مثلاً مداخلی قاری نے
 رب نقہ اکبر میں اسی چیز کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثم اعلم ان ارادة العبد التي تفارق
 فعله قدرته عليه حال صنع مخلوقه فان
 مع الفعل لا قبله ولا بعده ۛ ۛ ۛ
 یعنی جان لینا چاہے کہ بندہ کا ارادہ جو فعل کے ساتھ
 ہوتا ہے اور اس فعل کی قدرت وقت وقوع فعل
 دونوں فعل کے ساتھ ہی مخلوق ہوتے ہیں شہید ہوتے ہیں بعد

اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے ۛ ۛ ۛ نیکی و تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت
 نہ رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔ ۛ ۛ ۛ ص ۱۱ مطبع مجتبیٰ دہلی سنہ ۱۳۱۱ھ

یعنی ارادہ، قدرت اور فعل سب مخلوق الہی ہیں، یہی عقیدہ ہے اہل سنت و جماعت کا، اور مبنی ہے اس آیت صریح پر: **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ** (پ ۶، ۷) نیز اس آیت پر: **مَا شَاءَ اللّٰهُ** (پ ۶، ۸) نیز **لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ** پر۔

اس طرح عقیدہ کی تطہیر ہونے کے بعد ہی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا نہ کوئی مغیث ہے اور نہ غیاث، نہ کوئی معین ہے اور نہ مستعان، ہماری ہر فریاد سی علی الاطلاق حق تعالیٰ ہی سے ہے دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک منافق تھا جو مسلمانوں کو دق کیا کرتا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا چلو حضرت سے استغاثہ کریں۔ آپ نے سن کر فرمایا کہ مجھ سے استغاثہ نہ کرنا چاہیے، استغاثہ تو اللہ ہی سے کرتے ہیں (رواہ الطبرانی) اگر کسی غیر کے ہاتھ سے کوئی چیز حاصل ہو جائے تو وہ مجاز ہے نہ کہ حقیقت کیونکہ حقیقت اللہ ہی کے لئے ہے اور اسی کا اسم مبارک غیاث و مغیث ہے۔ تاہم امور اختیار یہ ہیں خلق سے استعانت جائز ہے مگر اسی عقیدہ کے ساتھ جس کا ایسی ذکر عموماً۔

جن امور میں سوا حق تعالیٰ کے کسی اور کو قدرت نہیں ان میں کسی اور کو پکارنا اور ان سے استغاثہ کرنا، یا اعانت چاہنا حرام یا شرک ہے جیسے رزق کا دینا، مینہ کا برسانا، بیمار کو شفا بخشنا، ہدایت کرنا، گناہ کا بخشنا وغیرہ اب پہلے بعض ان آیات قرآنی پر بھی غور کر لو جن سے دعا کا عبادت ہونا صاف ثابت ہوتا ہے۔

(باقی آئندہ)

لے هل من خلق غير الله يرزقكم من السماء والارض - لے وهو الذي ينزل الغيث من بعد ما قنطوا وينثر رحمته - لے واذا مرضت فهو يشفين - لے انك لا تهدي من اجبت ولكن الله يهدي من يشاء - لے ومن يغفر الذنوب الا الله -

تاریخ کے دو آغاز میں مختلف آریہ قومیں

از جناب میجر خواجہ عبدالرشید صاحب آئی۔ ایم۔ بیس

ہم نے گذشتہ تین مقالوں میں تاریخ قدیم کے چند اہم پہلوؤں پر گفتگو کی تھی۔ اور اس دوران میں دجلہ و فرات کی تہذیبوں اور وادی سندھ کی تہذیب کا بھی ذکر کیا تھا۔ اب کچھ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی تین مقالوں کے ان تاریخی پہلوؤں کی تھوڑی سی اور تفصیل کر دی جائے تاکہ مختلف اقوام جو وقتاً فوقتاً ادھر آ کر بستی رہیں ان کا ذکر بھی ہو جائے۔

اس تفصیل سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مختصری فہرست دیدی جائے جس میں وہ تمام اقوام آجائیں جن کا ہم ابھی ذکر کریں گے، تاکہ قارئین کرام ان ناموں سے مانوس ہو جائیں یہ اقوام مندرجہ ذیل ہیں۔

Summerians

۱۔ سومیری

Akkadians

۲۔ آکادی

Mitani

۳۔ میتانی

Hittites

۴۔ ہیتی

Assyrians

۵۔ آشوری

Elamites

۶۔ عیلامی

Medians

۷۔ مادی

Subereans

۸۔ صومیری

ان میں سے کچھ اقوام کا نام تو اکثر سنا گیا ہوگا اور کچھ ان میں سے ایسی ہیں جن کے متعلق بہت کم معلوم

ہو سکتا ہے۔ ہم مختصر طور پر ان کی تاریخ بیان کریں گے اور بعض اقوام کے تعلقات بھی بیان کریں گے۔
 دوسری اقوام و ممالک کے ساتھ جہاں تک وہ تعلقات تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔ لَعَلَّ الشَّرَّ
 يُجْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ آخَرًا۔

سومیری | ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ غیر سامی ہیں اور آریں تھے۔ دجلہ و فرات کی وادی میں سب سے پہلا
 تہذیب کا پرچم انھوں ہی نے لہرایا۔ ان کو سومیری محض ان کی زبان پر کہا جاتا ہے، کیونکہ جب کتبہات
 خط میخی حل ہوئے تو ماہرین نے اس زبان کو سومیری زبان کہہ کر پکارا (Summerian Language)
 اس وقت تک اس قدر ثابت ہو چکا تھا کہ یہ لوگ غیر سامی یعنی (Non-Semetic) ہیں۔ یہ علاقہ
 بابل کے جنوبی حصے کے باشندے تھے اور اس علاقے کو مات شمیری (Mat Shumiri) کہا جاتا تھا
 یہ آریں کا سب سے پہلا گروہ تھا جو ایران و عراق میں آیا اور میڈیا، اناطولیا اور آشور سے ہوتا ہوا بابل
 کے جنوب میں مات شمیری پر پہنچ کر آباد ہو گیا۔ انہی میں سے کچھ گزوہ میڈیا اور اناطولیا اور آشور میں بھی
 بس گئے۔ جنھوں نے بہت بعد میں ترقی کی اور ان کی تاریخ کا اب بوغاز کوئی (Bogaz Koyu)
 سے پتہ چل رہا ہے۔ تو گویا یہ اولین گروہ تھا آریں کا جو ہلال خصیب میں پہنچا اور اسی گروہ کے
 کچھ لوگ تھے جو وادی سندھ میں بھی پہنچے۔

آکادی (Akkadians) ان کے متعلق ماہرین آثار قدیمہ اور مستشرقین ابھی تک کچھ فیصلہ نہیں
 کر سکے۔ کچھ تو کہتے ہیں کہ یہ سامی یعنی (Semetic) تھے اور کچھ کہتے ہیں یہ ایک مخلوط قوم تھی، پہلا
 ذاتی خیال ہے کہ یہ غیر سامی یعنی (Non-Semetic) تھے۔ دوسرے الفاظ میں یہ آریں تھے اور یہ
 انہی سومیری اقوام میں سے تھے جو کچھ عرصہ ان سے پہلے اس علاقہ سے ہو کر جنوب کی طرف بڑھ چکی
 تھیں جس علاقہ میں یہ قوم آباد تھی اس کو مات آکادی کہا گیا ہے (Mat Akkad) اور یہ تقریباً
 ہلال خصیب کا وسط بنتا ہے، یا یوں کہہ لیجئے دجلہ و فرات کی وادی کا شمالی حصہ۔

ان اقوام کی اصل کے متعلق مختلف خیالات ہیں۔ مگر یہ سب نظریے ہیں اور ماہرین کے
 ذاتی فکر کا نتیجہ۔ ہم ایک بات ضرور جانتے ہیں اور وہ یہ کہ ان تمام اقوام کا سرچشمہ ایک ہی تھا۔

ایہ میں یہ بتا کہ لوگ ملک گردہوں میں رہتے
ہوئے نہیں تھے۔ ایک ہی قوم اور حالت تھے۔

کان الناس
امۃ واحدۃ

گردش اقوام ایک عرصہ طویل سے جاری تھی، ہمارے پاس اس گردش کا مکمل پروگرام
ہم نہیں اور نہ عقل و فہم اس عرصہ کا اندازہ لگا سکتی ہے، ہم جسے عرصہ سے ن اقوام کا ذکر
کرتے ہیں ہی سمجھتے ہیں کہ یہ اقوام مختلف النسل ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ البتہ جہان تک تاریخ و قرآن کریم
میں بتہ دیتے ہیں۔ اتنا ضرور علم ہے کہ ہلال خصب زبائہ شریعہ سے ایک متغیر مملکت تھی جس میں دو
وہ آباد تھے۔ قرآن نے ان کا نام عاد اور ثمود لیا ہے۔ قوم ثمود ہلال خصب کے، اس حصہ میں آباد
ہوئے، عمارت اور شام کے درمیان واقع ہے اور وہی لغری تک چڑ گیا ہے مگر ایک زبانہ میں اس
ملاقہ کا پھیلاؤ جبل کے جنوب سے ہوتا ہوا شہر و رستہ پہنچا تھا۔ دوسرا علاقہ جس میں قوم عاد
رہتی تھی اس کو راء کہا گیا ہے۔

دوسرا راء عاد کے راء کا نام تھا اور اسی نام کے ساتھ یہ علاقہ بھی منسوب کر دیا گیا۔
ملاقہ ہلال خصب کا شمال اور شمال مغرب ہے۔ اور اس کے حدود راجع تقریباً وہی ہیں جو امت
دی کے تھے۔ ایک اور نظریہ یہ بتاتا ہے راء ایک قدیم شہر تھا یا ایک ملک تھا جہاں کے باشندے
بہتاتے تھے۔ اگر نقشہ کو بخور دیکھا جائے تو یہ علاقہ جہاں عاد اور ثمود آباد تھے وہی علاقہ ہے
کو ہم نے ہلال خصب کہا ہے اور یہ اقوام جن کا نام عاد اور ثمود ہے آگادی اور سومیری ہی ہیں۔
و کتبات خط میخی کے حل کے وقت ان الفاظ میں نقل واقع ہو گئی ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔
اقوام کی تہذیب کا جو ذکر قرآن کریم نے کیا ہے وہ یقینی ہی معلوم ہوتا ہے جو دریافت کی جا چکا ہے،
ایک جہزہ حضرت تھا۔

سیدنی سنس (Sensory Science) پی مشہور تاریخ (Early History of Assyria)

لکھتے ہیں کہ سنہ ۲۰۰۰ قبل مسیح کے درمیان مملکت بابل میں ایک متجاس تہذیب موجود تھی
کا ثبوت ہیں مقام کیش (Kish) میں ہے اور جو لوگ اس وقت بابل آباد تھے ان کی زبان

سومیری زبان کے کتبات سے بہت مشابہ ہے۔ جس تہذیب کو درحقیقت وہ ایک مخلوط تہذیب کہتے ہیں وہ دراصل مخلوط نہ تھی۔ بلکہ یہ عرصہ ایک عارضی کشمکش کا تھا اور اس دوران میں شمال کی طرف سے دیگر اقوام حملہ آور ہوتی رہیں اور ایک کی تہذیب نے دوسری پر اثر کیا اور چونکہ اس وقت تہذیب کا مرکز تھا زیادہ اثر وہیں ہوا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ تہذیبیں مل جل گئی تھیں۔ کیش کے گرد و نواح میں یہ چیز بالکل واضح نہیں ہے اور نہ ہی علاقہ کے کسی اور خطے میں ایسا ثبوت ملا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ وادی سندھ سے جو مری (دہلی) برآمد ہوئی ہیں، ان پر بھی وہی زبان لکھی ہوئی ہے جس کو سومیری کہا گیا ہے اگرچہ اس میں فرق ہے جس کی بنا پر سڈنی سمتھ بابل کی تہذیب کو ایک مخلوط تہذیب بتاتے ہیں۔ وادی سندھ کو بھی اگر اس ثبوت کی بنا پر ایک مخلوط تہذیب مان لیا جائے تو وہ بھی پھر ایک عارضی چیز تھی کہ سومیری سندھ میں پہنچے اور ڈراوڑن کے ساتھ ان کی مٹر بھڑ ہوئی اس کے کچھ عرصہ بعد کی شکل بدل چکی تھی۔

میتانی (Mitanni) ان کا ذکر ہم نے کچھ تفصیل کے ساتھ اپنے پچھلے تین مقالوں میں تاریخی لحاظ سے یہ قوم بہت اہم معلوم ہوتی ہے۔ اس کی مختلف شاخوں اور اس کے بادشاہوں نے صرف نام و نسب بلکہ فرسی ممالک سے جو تعلقات ثابت ہو چکے ہیں وہ بہت دلچسپ اور ہم نے پیشتر بتایا ہے کہ اس قوم کو ہوری کا لقب بھی دیا گیا ہے اور ان کا تعلق ہم نے ہوریوں اور بلوچ سے ثابت کیا تھا اور ملک طاؤس والے مقالے میں ہم نے ان کو کوروجی بتایا۔ اب ان کے ایک بادشاہ کا ذکر کرنے ہیں جس کا نام خط میخی کے کتبوں سے دسرتھ (Dassart) حل ہو چکا ہے۔ اس کی ایک بہت دلچسپ خط و کتابت فرعون مصر امینوفس سوم (Amenophis III) کے ساتھ اب تک برٹش میوزم میں محفوظ ہے۔ یہ خط و کتابت میتانی زبان میں ہوتی رہی۔ اس کا زمانہ مورخین کے بیان کے مطابق ۱۳۲۷ء سے ۱۳۶۲ء قبل مسیح تک ہے۔ یہ قریب قریب ہوتا ہے۔ اس میتانی قوم کو ہم نے آریں ثابت کیا تھا۔ ماہرین اثریات و مستشرقین

(Ando Iramo) کہتے ہیں۔ یہ بادشاہ اپنے ذاتی عقیدہ کے مطابق آفتاب پرست تھا اور
سلطنت نسب اکشواکو (Ashwaka) کے خاندان سے ملتا ہے۔ وہ اس خاندان کا سولہواں
شاہ اس کو مورو (Muru) کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ اس لقب کا مطلب یہ ہے کہ شمالی شام
بیری باشندہ تھا۔

ہمارے اس بیان میں اور پچھلے بیان میں کہ سومیری قوم بابل کے جنوب میں آباد تھی۔ کسی قدر
تفاوت ہوتا ہے مگر اصل ایسا نہیں ہے۔ سومیری قوم درحقیقت ایک زمانے میں سم
نہرب پر قابض تھی اور بالآخر بابل کے جنوب میں اکو جمع ہو گئی۔ اس کے نزدیک یہاں نصیب
مختلف حصوں میں آباد ہے اور یہ بادشاہ دسرتھ بھی انھیں میں سے تھا۔ یہ شان رام کا علاقہ
سنت بعد میں یتانیوں کا علاقہ بنا۔

رامائن (Ramajana) میں راجہ دسرتھ اور اس کے بیٹے رام چندر کا ذکر چھٹے پرچہ
عجیب معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی راجہ دسرتھ ہوں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس بادشاہ دسرتھ کا ایک
بھائی تھا جس کو امرین کہا جاتا ہے۔ امرین (Amar Sin) کا مطلب ہے چاند والے
یا (Amar of the moon) رامائن والے رام چندر جو راجہ دسرتھ کی بیوی کو شلیا کے
من سے تھے۔ ان کے نام کے معانی بھی یہی ہیں یعنی ”چاند والے رام“ Rama of the moon
بلکلہ کی رو سے بہت ممکن ہے کہ امر (Amar) کا لفظ رام (Rama) بن گیا ہو۔ تروف کی
مذرا میں اضافہ نہیں ہوا۔ البتہ ان کی ترکیب میں فرق پڑتا ہے۔

بادشاہ دسرتھ کی جو خط و کتابت فرعون مصر سے ہوئی تو وہ ایک شادی کے سلسلے میں تھی۔
تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ اس بادشاہ کی ایک لڑکی فرعون مصر خفیون (Akhnaton) سے
بہن ہو گئی۔ یہ فرعون مصر آمینوفس سوم (Amenophis III) کا بیٹا تھا اور اس کی والدہ بھی
مصرانی خاندان ہی سے تھی۔ اس ملکہ کا نام سکھتی تھی۔ یہاں خفیون کے دراصل تھوٹموسس
چہارم (Thutmose IV) نے ایک یتیم بادشاہ کی طرف خط لکھا۔ اور اس کی لڑکی اپنے رشتے

کے لئے مانگی۔ جو بعد میں اس لڑکے آفٹیطون کی والدہ بنی۔ اسی طرح آفٹیطون کے والد کو بھی معلوم تھا کہ بادشاہ مصر تھ کی ایک جہن لڑکی ہے۔ چنانچہ اس نے بادشاہ مصر کو لکھا۔ یہ تمام خط و کتابت اس وقت برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ اس خط و کتابت کا ذکر مسٹر ایل۔ ڈبلیو۔ کننگ (W. D. King) اپنی مشہور تصنیف میں کرتے ہیں۔ *Babylon and the East* اور پھر اسی خط و کتابت کا ذکر میڈاموئیل (Madame de Meville) نے *The History of the East* میں کیا ہے۔ انہوں نے خاص طور پر ص ۴۸ پر اس بنیادی کے سلسلہ میں کیا ہے۔

آفٹیطون مصری فرعونوں کی تاریخ میں ایک نمایاں ہیئت رکھتا ہے اور وہ اس لئے کہ یہ توحید کا قائل تھا۔ اور اس نے بت پرستی اور بت تراشی بالکل ممنوع قرار دے رکھی تھی یہ وہی فرعون ہے جس کی شادی بعد میں ملکہ نفر تائٹ (Nefertiti) سے ہوئی۔

حیرت کا مقام ہے کہ جس وقت یہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر صرف ۲۲ سال کی تھی اور اس نے فوراً ہی اپنے مذہب میں ترمیم شروع کر دی۔ اس پر اسے مذہب کی رو سے آمن را (Amor Ra) بدیوتا تھا اس کی پرستش کی جاتی تھی۔ آرتھر ونگیل۔ اس پرانے بادشاہ مصر کے متعلق لکھتا ہے۔

اس نوجوان بادشاہ نے یہ اعدان گردیا کہ خدا کو ایک ناقابل زوال حقیقت ہونا چاہئے۔ نیز یہ ضروری ہے کہ وہ انتہا درجہ ذہین اور سمجھدار ہو۔ اور زمان و مکان میں ساری ہو۔ اس نے کہا کہ اوٹین (Othin) تقریباً ایسا ہی خدا ہے جیسا کہ ہم اسے تصور کرتے ہیں۔ یہ بادشاہ *Amor* کی طرف جو صفات منسوب کرتا تھا ان میں سے کوئی صفت یہی نہیں ہے جس کو ہم خدا کی عزت منسوب کرتے ہوں۔

ہماری تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ اس نوجوان فرعون کے ذہن پر دو اثر بہت شدت سے پڑے ایک اس کی والدہ کا اور دوسرے اس کی بیوی کا۔ اور یہ دونوں میتانی خاندان کے

تھیں۔ بیتانی آئین تھے۔ اور جیسا ہم ذکر کر چکے ہیں کہ آئین کا بھی خالص مذہب و حرانیت ہی تھا۔ اگرچہ مختلف گروہوں میں مختلف مقامات پر اس عقیدہ کے اندر انحراف پیدا ہو چکا تھا۔ ہم ہر زمانے میں ضرور کچھ ایسے آئین ہوتے تھے جو اصل مذہب کے پیرو ہوتے تھے۔ اپنی ذوں سے یعنی اپنی دائرہ اور بیوی سے آخنیطون نے توحید کا سبق سیکھا۔ عورت مرد کی نسبت زیادہ مذہبی حساس تھیں اور چونکہ بچے پر او میں اثر بڑا ہے کہ گھر میں ہوتا ہے وہ اسی کا ہوتا ہے۔ ہذا قرین فیہ کہ آخنیطون نے اپنی والدہ کے خانات کی طرف رجوع کیا۔ اور پھر جب بند میں یہاں ایک غنیمہ رکھنے والی سے وہ بیہوش ہو گیا تو اس کا یقین و ایمان بھی پختہ ہو گیا۔ اور پھر جب وہ تخت پر بیٹھا تو اپنے کو خود مختار مانتے ہوئے اس نے توحید اعلان کیا۔

ہم یہ اس زمانے کا ذکر کر رہے ہیں جبکہ ستانیوں و حنتیوں (Hittites) کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اسی جنگ کے دوران میں آخنیطون کی شادی تہزادی بتان (Tahiti) سے ہوئی۔

یہاں (Hittites) بھی آئین کے اولین گروہ کا باقی ماندہ حصہ تھا۔ جو اناطولیہ میں گیا تھا جیسا کہ نام طور پر تصور کیا جاتا ہے کہ یہ اناطولیہ کے باشندے تھے، تو یہ غلط ہے۔ اس بات کا ثبوت پیش کرتی ہے کہ آئین گروہ جس کو حنتی کہا جاتا ہے اس کے تانے سے پیشتر ایک در قوم موجود تھی۔ مگر انہوں نے اناطولیہ سے حنتیوں کو مار بھگا دیا۔

Sur Terey (Sumerian) اور Hittites of Resa میں فراتے کی کتبات میں حال ہی میں برغانہ کوئی (Bozghan Kuni) میں دستیاب ہوئے ہیں اور (Plena) میں تو کچھ ان میں ہیں۔ یہ عہد نامے بھی تھے ہیں جو حنتی اور ستانیوں کے تانے ہوئے۔ ہماری نظر میں یہ عہد نامے وہی ہیں جو اس جنگ کے بعد ہوئے جس کا ابھی ہم نے

وقت گذرتا گیا اور یہ اقوام آپس میں جذب ہونا شروع ہو گئیں۔ تا وقتیکہ ان علاقوں میں فقط ایک حکومت رہ گئی۔ اور ایک قوم بن گئی جس کو ماہرین آثار قدیمہ

آشوری (Assyrians) کہتے ہیں۔ یہ قوم بھی آریں ہی تھی اور آشور دیوتا کی پرستش کرنے کی وجہ سے ان کو آشوری کہا جاتا ہے۔ اس ملک کا اولین دار الخلافہ آشور تھا جس کو سبکل قلعد شہ قوت کہا جاتا ہے۔ جب ماہرین اثاریات نے اس کی کھدائی شروع کی تو یہ بالکل جلا ہوا نکلا۔ لفظ آشور کے مطلب کے متعلق ... King ... کی ایک بہت دلچسپ تحقیق بیان کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔ موصوف فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب "رحمن" ہے۔ ہمارا ذاتی فکر یہ ہے کہ یہ لفظ آشور سومیری زبان کے ایک لفظ آ۔ اُ سار (A-sar) سے بنا ہے جس کے معنی بھی ایک ذات واحد یا رب کے لئے جاسکتے ہیں۔ اور غالباً ہندوؤں کے بھی جو دیوتا آشور میں وہ اسی مفہوم کی صدائے بازگشت ہیں۔ مگر ان ہندو دیوتاؤں کے متعلق ایک اور بات بھی دلچسپ ہے اور وہ یہ کہ مہا بھارت کی جنگ سے پیشتر انہی آشور دیوتا کا مطلب اچھے معنوں میں لیا جاتا تھا مگر مہا بھارت کی جنگ کے بعد یہ لفظ اچھے معنوں کی جگہ برے معنوں میں یعنی بجائے فرشتوں کے شیاطین کے معنی میں مستعمل ہونے لگا۔

نیر زردشتیوں کے آہور مزو کی طرف بھی ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ آہور اور آشور ہم معنی لفظ ہیں۔ تو گویا آہور اور آشور کے معنی رب کے معنوں کے لگ بھگ ہوا کرتے تھے مگر وقت نے ان کی اصلیت کو معدوم کر دیا۔ حضرت یونس علیہ السلام اسی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اور ان کو آشوری دار الخلافہ نینوا (Nineveh) کی طرف جانے کا حکم ملا تھا، اسی مقام پر ان کی وفات ہوئی اور نینوا کے قریب ہی ان کا مزار اس وقت موجود ہے۔ سارگون (Sargon) کے زمانے میں آشوری حکومت کا دار الخلافہ خورس آباد (Khorasaba) بن چکا تھا۔ خورس آباد موصل سے قریب، ا میل عین شمال کی طرف ہے۔

اس مقام پر ماہرین آثار قدیمہ نے بہت کام کیا ہے اور یہاں سے بہت کچھ تاریخی مواد حاصل ہو چکا ہے۔ ہمیں بھی یہاں سے ایک اینٹ جس پر سارگون دوم کی مہر لگی ہوئی تھی۔ ملی۔ اس وقت وہ لاہور کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ اس اینٹ کا وزن تقریباً ۲۰ سیر ہے اور اس کی شکل ایک مربع کی مانند ہے جس کی ایک طرف تقریباً ۱۴۔ انچ ہے اور اس کی موٹائی تین انچ ہے۔ یہہ اینٹ دھوپ میں پکائی ہوئی ہے (Sun Baked) اور اس کا رنگ پیلا ہٹا ہے۔

الغرض آریں، ایران سے ہوتے ہوئے اناطولیا میں پہنچے اور وہاں سے آشور (Assyria) ہوتے ہوئے، اکاد اور اکاد سے سومر پہنچے۔ یہ آریں کے ولین گروہ تھے جو سومر میں پہنچتے ہی سومیری کہلائے۔ ان کے بعد جو گروہ ان علاقوں میں آکر آباد ہوتا رہا، یا تو اپنے اعتقاد کی وجہ سے وہ مشہور ہوا یا اپنے ملک کے نام پر منسوب کیا گیا۔

عیلام | Elam. یہ لفظ ہمیں سب سے پہلے خورس آباد سے برآوردہ کتبوں میں ملتا ہے اس کے معنی ہیں پہاڑی (Mountains)۔ یہ اس علاقہ کا نام تھا جو آجکل وسط ایران کی سطح مرتفع سے بنتا ہے۔ اور یہاں کا دار الخلافہ شوش (Susa) تھا۔ یہاں کے باشندوں کو عیلامی کہا جاسکتا ہے یعنی Elamites۔ یہ بھی ایک آریں ہی کا گروہ تھا۔ اس قوم نے کچھ عرصہ تک حکومت کی جو بابل کے تیسرے خاندان کے ہم عصر تھی۔ بابلیوں نے اس ملک پر بہت دھاوے بولے اور بالآخر اس کو فتح بھی کر لیا۔ عیلامیوں نے اپنا ایک علیحدہ رسم الخط بھی ایجاد کر رکھا تھا۔ اس قوم کا ذکر انجیل میں اکثر مقامات پر ملتا ہے۔ عیلام کا ملک مکمل طور پر حمورابی Hammurabi نے ۱۷۵۰ قبل مسیح میں فتح کر لیا تھا۔ حمورابی ایک سومیری شاہنشاہ تھا جو اپنے مذہبی قوانین کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ درحقیقت اس کی شخصیت کے متعلق بھی بہت سے شکوک موجود ہیں کہ یہ کون تھا۔ اگرچہ اس کے ثابت ہو جانے کے بعد بھی ہمارے نزدیک کچھ تاریخی علم میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔

اس علاقہ عیلام کے شمال میں کوہستان زاگرس (Zagros) ہے۔ ان پہاڑی

سلسلوں پر ایک اور قوم بھی آباد تھی جس کا نام ہم نے قہرست میں درج نہیں کیا۔ ان کو کاشی یا (Kassites) کہا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ قوم مادایخی میڈیا کی رہنے والی تھی۔ اور آریں النسل تھے۔ ہم نے میڈیا کو ملک طاؤس والے مقالے میں مدھ دیں یا کورواستھان لکھا تھا۔۔۔۔۔
 D. Waddell. اسی علاقے کو کورلینڈ (Kurland) کہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ آریں جوادول ہندوستان میں پہنچے وہ عیلام کے علاقے سے گئے تھے۔ ہمیں اس سے شدید اختلاف ہے اور ہم اسکی وجہ ہلال خضیب اور وادی سندھ والے مقالے میں بتا چکے ہیں۔

Sir Percy Sykes اپنی کتاب *History of Persia Vol I* میں لکھتے ہیں کہ میڈیا کے لوگ جب اول اول ایران پہنچے تو یہ جنوبی روس کی طرف سے آئے اور ان کی آمد کے وقت ارات میں ایک حکومت موجود تھی جس کا رعب ان پر اس قدر تھا کہ یہ بغیر مڑ بھڑکے وسط ایران کو بڑھ آئے۔ مگر ہمیں اس زمانہ کی تاریخ یہ بھی بتانی ہے کہ اس وقت آریں کا ایک اور گروہ مشرقی ایران کی طرف بھی بڑھ رہا تھا اور یہ گروہ خراساں کی طرف سے داخل ہوا تھا۔ اس نے اول کرمان کو فتح کیا اور فارس تک جا پہنچا۔ اس وقت دادی زندہ رود میڈین (Medians) اقوام کے قبضے میں تھی۔ اور ان کا تسلط خلیج فارس تک تھا۔ اس نقل و حرکت کا زمانہ ہماری دست میں سنہ ۲۵۰ قبل مسیح ہے۔ مگر ڈی مورگن (De Morgan) فرماتے ہیں کہ جب یہ نقل و حرکت شروع ہوئی تو وہ زمانہ تقریباً سنہ ۱۰۰۰ ق م کا تھا۔ بہر حال ان کا زمانہ خود کچھ ہی ہو۔ یہ آریں کے اولین گروہوں سے بہت بعد میں آئے۔

بھی ہم نے ویڈیل صاحب کے کورلینڈ (Kurland) کا ذکر کیا ہے۔ سومیری زبان میں بھی ایک لفظ ملتے جلتے ہے جس کو کور (Kur) کہہ جاتے ہیں اور جس کے معانی ہیں ”پہاڑی“ یعنی Mountains جینہ وہی معنی ہوتے جو ہم نے عیلام کے بتائے ہیں۔ سومیری اس لفظ کو مشرقی مادا (Media) کے لئے استعمال کرتے تھے۔ عبرانی زبان میں بھی اس قسم کا ایک لفظ موجود ہے جس کا تلفظ ہے کور (Kor) اس کا مطلب ہے ”حفاظت کرنے والا“ یا

One who Defends a place (Kore) کورہ درحقیقت عبرانی زبان میں کہتے ہیں
بٹہ کورہ (Place)

ہمارا اس تمام بحث سے مقصد یہ تھا کہ مادا، میڈیا، مدھ دیس، کورہ سینڈ۔ کورہ و استھان
برآج کل کا کردستان سب ایک ہی علاقے کے نام ہیں جو مختلف وقتوں اور حکومتوں
عزیز اثر بدلتے رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نی یا میڈین | Medianو یہ لوگ مادہ یعنی میڈیا کے باشندے تھے۔ میڈیا مادہ کا یونانی
لفظ ہے۔ عرب مورخوں نے اسے ماہت کہا ہے۔ بو لکھنامہ ترجمان القرآن ج دوم ص ۸۴ پر
اے ہیں۔

حضرت مسیح سے پہلے سورہ فہرست پہلے ایران کی سرحد میں دو مملکتوں میں بنی ہوئی
تھی۔ جنوبی حصہ پارسی کہلاتا تھا اور شمال مغربی میڈیا کہلاتا تھا۔ ان کے ہمسایہ میں آشوری
اور بابلی حکومتیں تھیں۔ عروج تک پہنچیں۔ اس قدر قوی طور پر۔ اس سے
دہلی ہوئی تھیں۔ دونوں مملکتوں میں مختلف قبائل کے مراعات تھے جو اپنے اپنے
حلقوں میں قبائلی حکومت رکھتے تھے۔ ۶۱۲ قبل مسیح میں حبشہ کی فوج نے
آشوری قبراں کو جلا کر ڈالا۔ اس کے بعد آشوریوں نے فوج کو میڈیا کے باشندوں کے
بتدریج ایک قومی حکومت نشوونما پانے لگی۔

مندرجہ بالا بیان اس وقت کا ہے جب میڈیا کی ایک تہذیب تھی۔ اس
نے سے پیشتر بھی اس علاقے میں اقوام موجود تھیں مگر وہاں کوئی تہذیب نہ تھی۔ اگر اس علاقہ
میں ایک اردک یعنی (Camping ground) کہا جائے تو بہتر ہوگا۔ تقریباً تمام آریہ گروہ
اس سے ہوتے ہوئے مشرق وسطیٰ اور ہندوستان کے مختلف گوشوں پہنچے۔ مگر اس علاقے
کا مستقل قیام ہرگز نہیں ہوا تا وقتیکہ ذوالقرنین نے اسے فتح کر کے ایک مستقل حکومت
قائم کر دی۔

صوبہری | Subereans. ان کے متعلق ہمیں بہت کم معلوم ہے۔ ہم ان کا ذکر صرف اس واسطے کر رہے ہیں کہ ان کا تعلق بتانیوں سے ہے۔ مورخین کہتے ہیں کہ میانہوں کے کچھ گروہ جدید صوبہری کہلانے لگ گئے تھے۔ گویا میتانی، صوبہری کہلانے سے بیشتر صوبہری کہلائے اور اب میں صوبہری۔ مہرین آثار قدیمہ نے ایک قدیم زبان کا بھی پتہ چلایا ہے جو میتانی زبان سے مختلف ہے۔ میں کا نام انھوں نے صوبہری زبان رکھ دیا ہے۔

اب ہم نے کچھ قوم ذکر کر دیا ہے جو آریں گروہ آریں سے پیدا ہوئیں اور جنہوں نے مختلف قوموں پر اپنی ایک مخصوص تہذیب کی بنیاد رکھی۔ اب بہتر معلوم ہوتا ہے کہ چند ایک قوموں کی میل رومی جسے حزن کا ذکر ہم پہچان کر آئے ہیں۔ جو بات غور طلب ہے وہ یہ کہ اتنی قومیں تہذیب سے ہم نے مذکورہ بالا فہرست اقوام بنائی ہے اس کو کیا اسی طرح رہنے دیا جائے؟

جو بات ترمیم کے قابل ہے وہ درحقیقت اتنی ہی ہے کہ یہ سب اقوام ایک ہی نسل کے مختلف قدور و مختلف رجحانات پر حرکت کرتی رہیں اور جوں جوں ترقی کرتی گئیں۔ ایک قوم کی تہذیب، کمزوری، یہ بات کہ ان کے ہلال خصب میں وارد ہونے سے پہلے یہاں کے باشندے کون تھے، اس میں کمال اشکال ہے؟ آریں کے قطب شمالی سے جسے آنے کے بعد یہ وسط ایشیا سے حرکت کرنے کے بعد وہاں پھر کون موجود تھا؟ بات صرف اتنی ہے کہ اگر ہم اقوام کی نقل و حرکت کے ساتھ ساتھ موسموں کا تغیر بھی زیر نگاہ رکھیں تو پھر اس مسئلہ میں کوئی اتنی پیچیدگی نظر نہیں آتی۔ یہ ثابت دیا گئے کہ خطہ کی رہی ہے تا وقتیکہ وہ خطہ قبل رہائش نہ ہو گیا ہو۔ دنیا میں سب سے پہلے تہذیب سے جسے میں جہاں کوئی آباد نہیں! تو پھر ہلال خصب کے متعلق تعجب کیوں ہو؟ اسی طرح سب ہلال خصب آہستہ آہستہ میانہوں کے گروہ ایک ایک کر کے مختلف ممالک میں منتشر ہو گئے۔ جن پڑ پڑتوں اور مصر میں بھی پہنچے۔ کچھ گروہ ان کے ہلال خصب میں آنے سے پیشتر ہی روس سے ہوتے ہوئے بحر ہند میں پہنچ چکے تھے۔ آج کل ان ممالک میں کچھ بھی نہیں رکھا

جہاں کبھی دنیا کی سب سے بڑی تہذیبیں موجود تھیں۔ بنو داد اور عیشیہ کو عراقیوں نے ہائیلی نیٹوں سے تعمیر کیا، آشور اور نمرود کی اینٹیں نینوا اور موصل میں استعمال ہوئیں۔ غرضیکہ یہ تمام عدتے قدس رہائش نہ رہے۔ ماہرین آثار قدیمہ اس کی خواہ کچھ ہی وجوہ بیان کرتے ہوں ہم تو لکھ چکے ہیں کہ اس کی محض ایک وجہ تھی اور وہ قہرانی تھا جس نے ان آبادیوں کو تباہ و برباد کر دیا۔

وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْبَةٍ اَهْلَكَهَا نَارُ حَمِيمٍ

اور یہ جو موسموں کا تغیر ہے تو یہ ایک قدرتی امر ہے جس کا تعلق قبر اہی سے مطلقاً نہیں قدرت کا قانون ہی ہے کہ موسموں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ ہائل کی تاریخ میں ایک زمانہ وہ بھی تھا جب سکیمیرامیز (Sennarame) نے بختان معنف بننے سے پہلے یوریک میں یہ بھی ہے کہ وہاں سوائے ریت اور کھجوروں کے درخت کے کچھ نظر نہیں آتا۔ موجودار و اور ستریا کی تہذیبیں جہاں موجود تھیں وہ علاقے بھی گجستان بن چکے ہیں۔ رہائش کے بل نہیں رہے۔ بالکل اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ قوموں کے دن بھیرتا رہتا ہے اسی طرح موسم و مقامات کے حالات بھی بدلتے رہتے ہیں۔

ویڈیل صاحب اپنی مشہور کتاب میں جس کا ذکر ابھی دیر کی کتابت میں ہے کہ دیگر اقوام کی نقل و حرکت کے ساتھ حتی۔ (Hittites) جب ہندوستان پہنچے تو وہ دیو کا میں وادی اور یہ حتی (Khatti) جن کو ہم نے حتی۔ (Hittites) کہا ہے ہندوستان میں آکر کھتری (Kashatriya) بن گئے۔ یہ واقعہ سنہ قبل مسیح کا ہے ہمیں اس تحقیق سے غافل نہیں ہے کھتری (Kashatriya) حتی لوگ نہیں تھے بلکہ یک اور گروہ تھا آریں کا جس کا ہم نے مختصر ذکر کیا ہے اور جن کو ہم نے کاشی (Kashatriya) لکھا ہے انہوں نے ہندوستان میں آکر کھتریوں (Kashatriya) کی بنیاد رکھی۔ یہ واقعہ تقریباً سنہ قبل مسیح کا ہے۔ ان کی آمد سے بہت پیشتر آریں تہذیب ہندوستان پہنچ چکی تھی۔ ہمارا اپنا یہ نظریہ ہے کہ ہندوؤں میں جو مختلف ذاتیں اس وقت موجود ہیں یہ تمام ہندوستان میں ہی آکر بنیں ہندوستان میں آنے سے پیشتر ان کی کوئی تقسیم موجود

نہ تھی۔ البتہ حمورابی کے قوانین سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت بابل میں دو قسم کے لوگ موجود تھے، ایک تو
 سپاہی پیشہ اور دوسرے تجارتی لوگ، مگر ان کو کسی خاص نام سے منسوب نہیں کیا گیا۔ برہمن کا تخیل
 تمام تر ہندی ہے۔ زیادہ اس لئے کہ اس کا تعلق ہندوؤں کی تثلیث سے ہے۔ برہما تثلیث کا ایک
 جزو ہے۔ اور یہ برہمن اسی برہما کی اولاد مانے جاتے ہیں۔ مختصر طور پر ان کی تاریخ یوں ہے۔ برہما کے
 سر سے سات رشی پیدا ہوئے (ان سات رشیوں میں سے دورشی کشتری تھے) بہر حال
 ان دو کو جنجو پہنا کر برہمن کیا گیا! ان سات رشیوں کی اولاد کو برہمن کہا جاتا ہے۔ ان رشیوں
 کے مرجانے کے بعد یہ مشہور کر دیا گیا کہ یہ آسمانوں پر چلے گئے ہیں اور یہ جو سات ستارے ہم دیکھتے
 ہیں جن کو انگریزی میں (Seven Beams) کہا جاتا ہے اور جس کی مدد سے قطبی ستارے کی
 سمت معلوم کی جاتی ہے وہی سات رشی ہیں جو برہما سے پیدا ہوئے غالباً ان کی پیدائش برہما
 کے سر سے اس لئے کہی جاتی ہے کیونکہ سر انسان کا ایک زیر گن حصہ ہے!

یہ جو حمورابی (Hammurabi) کا ذکر ہم نے ابھی اور دو تین مقامات پر کیا ہے تو یہ
 ایک سومیری بادشاہ تھا۔ اس کا وقت تقریباً مسیح قبل ۲۳۰۰ سال حکومت
 کی اور اپنے قوانین بنائے۔ ان قوانین کو دنیا کے بڑے بڑے قوانین میں سے سمجھا جاتا ہے۔ زندگی
 کے آخری حصے میں ان قوانین کو اس نے مرتب کیا۔ یہ بات ہمیں ان قوانین کے دیباچہ سے معلوم
 ہوتی ہے کیونکہ اس وقت اس نے آسور اور عینہ کو بھی فتح کیا تھا۔ اور یہ شہر اس کی حکومت کے
 چالیسویں سال میں فتح ہوئے تھے۔

W. King کہہ ان قوانین کے مرتب ہونے کا وقت مسیح قبل ۱۷۵۰ سال
 کرتا ہے۔ ان قوانین کا اب ترجمہ ہو چکا ہے۔ بعض مستشرقین تو یہ بات کہتے ہیں کہ تو رات انہی قوانین
 کی نقل ہے! حضرت موسیٰ علیہ السلام حمورابی سے تقریباً پانچ سو سال بعد پیدا ہوئے۔ ہو سکتا ہے
 کہ ان کو ان قوانین کا علم ہو۔ مگر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ انہوں نے انہی قوانین کو نقل کیا ہے؟
 بہت ممکن ہے کہ حمورابی چونکہ خود ایک بہت پارسا اور عبادت گزار بادشاہ تھا اور اس کی سلطنت میں

بہت اسن وایان رہا، یہ خود بھی کوئی ایک نبی ہوا اور اس پر وحی کے ذریعے قوانین اتارے ہوں جن کو اس نے خطِ منہی میں لکھوا کر محفوظ کر لیا ہو۔ تمام آسمانی صحیفوں میں مشابہت اور مماثلت ہے مگر اس سے یہ کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب ایک دوسرے کی نقل ہیں؟ البتہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ تمام صحیفے مختلف پیغمبروں پر وحی کے ذریعے نازل ہوتے رہے اور اس میں کسی کو بھی شک کی گنجائش نہیں۔

حمورابی کے قوانین میں آزاد اور غلام لوگوں کا بھی ذکر ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ایک معاشرتی تقسیم ہے۔ یہ تقسیم چند ایک قدیم عبرانی قوانین میں بھی پائی جاتی ہے۔

حمورابی کے قوانین میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو حفظ استعمال ہوا ہے وہ قہر الی (Maha al) ہے۔ دراصل اس کے معانی ہیں "اللہ کے روبرو" یعنی Before God۔ اس کا لفظ ہم بابل کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں ثابت کر آئے ہیں کہ اس کا مطلب اللہ ہے۔ حمورابی کے قوانین میں یہ لفظ ان منوں میں استعمال کیا گیا ہے کہ جب ن من مر کردوسری دنیا میں پہنچ جائے گا تو وہ اپنے اعمال کے لئے "اللہ کے روبرو" پیش ہوگا۔ اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہو جاتا ہے کہ حمورابی کو ایک رب العالمین کا احساس تھا۔ اور پھر یہ احساس کچھ معمولی احساس ہے؟

حمورابی کے قوانین بہت مفصل ہیں۔ ان میں ہر قسم کی بحث موجود ہے اور جو قوانین ایک موسمی کے لئے لازم ہیں، اس زمانے کے مطابق سب بتا دیئے گئے ہیں۔ حمورابی کے مختلف نام مشہور ہیں مگر سب سے مشہور اس نام کے عدوہ حمورابی ہی ہے۔ اس کی شخصیت کے متعلق بھی کچھ اختلاف ہے جیسا ہم نے ذکر کیا ہے مگر چونکہ یہ ایک مختلف فیہ موضوع ہے اس لئے اسے نظر انداز کر دیتا ہوں۔

پیشتر اس کے کہ ہم حمورابی کا ذکر ختم کریں اس کے نام کے متعلق اپنی تحقیق بتانا چاہتے ہیں حمورابی جیسا کہ ہم نے لکھا ہے مختلف ناموں سے موسوم ہے مگر ہمارے نزدیک ان میں سے کوئی نام بھی دل لگتا نہیں۔ ہمیں اس کے معانی سمجھے ہیں دقت پیش آتی ہے لہذا جو صحیح نام ہم نے

تجویز کیا اس کی تفصیل ذیل میں اختصاراً عرض ہے۔ ہم نے بہت سے خطِ مینگی کے کتبوں سے اس کا حل دیکھا ہے کسی ایک میں بھی یگانگت موجود نہ تھی۔ حروف والفاظ و تلفظ ملتے جلتے صرف مگر ان کے معنی کچھ نہ بنتے تھے۔ ہماری نگاہ میں یہ نام حمورابی یا خمورابی، حمیر ابو بے۔ حمیر (سرخی) سے ماخوذ ہے اور احمر سرخ کو کہتے ہیں۔ ابو عربی میں والد کو کہتے ہیں۔ تو گویا حمیرا کے معنی ہو گئے "سرخ والا" یعنی *The Red Father* چنانچہ حمیر محض اس کی رنگ کے لئے استعمال کیا گیا معلوم ہوتا ہے۔ اور ابو اس کو اس لئے کہتے ہوں کہ یہ اپنی قوم کو نہایت عدل و انصاف کے ساتھ رکھتا تھا۔ جس طرح ترکوں نے مصطفیٰ کمال پاشا مرحوم کے لئے لقب تجویز کر لیا تھا اتا ترک کا (*Ataturk*) حمیر ابو بھی ممکن ہے کوئی اس قسم کا لقب ہو۔ ایک اس تحقیق پر پہنچنے کی وجہ اور یہی ہے کہ جب ہم نے اپنے علم کے مطابق خطِ مینگی سے حمورابی کے نام کو حل کرنا شروع کیا تو بجائے حمورابی کے یہ لفظ ہر دفعہ حمی را بو ہی بنتا تھا۔ *Hammirablu* پہلے کچھ مغالطہ کا خیال ہوا مگر جب بار بار یہی حل نکلتا رہا تو یقین ہو گیا کہ ماہرینِ آثریات نے اس بادشاہ کا نام غلط حل کیا ہے مگر اس میں ایک اور سچیدگی ہے۔ میں پیش آئی اور وہ یہ کہ ایک دفعہ ایسے ہی خطِ مینگی کے کتبات کا حل کرتے کرتے ایک لفظ پر *Rablu* (جو ربو) بنتا تھا اور جن معنوں میں یہ لفظ مستعمل تھا وہ بعینہ رب کے معنی ہے۔ پھر جب میں نے اس نام کے اپنے حل کو دو حصوں میں تقسیم کیا تو وہ (*Hammi Rablu*) بن گیا۔ ربو کے معنی تو سمجھ میں آ گئے مگر پہلے حصے کے یعنی (*Hammi*) کے معنی معلوم نہ ہو سکے۔ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہمارے حل میں کچھ غلطی رہ گئی ہو اور بجائے *Hammi Rablu* کے اس میں ایک اور R ہو جیسے (*Hammir-Rablu*) دراصل خطِ مینگی کے کتبوں کے حل کے تمام اصول کسی قاعدہ کے ماتحت نہیں۔ ماہرین جس طرح چاہتے ہیں ان کو توڑ مروڑ دیتے ہیں۔ اور چونکہ کچھ نام ان کو پیشتر ہی سے معلوم ہوتے ہیں یہ اتنی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ

تہ تک پہنچا جائے۔ اس عمل کے لئے ایک تو بہت وقت درکار ہے اور دوسرے خطی منجی
ت کی کمی کی وجہ سے اس میں بہت پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ نام *Hammin*
ہے تو اس کے معانی بن سکتے ہیں۔ ہم تصور کر سکتے ہیں کہ صفات الہی کا کمال احساس
نے کی وجہ سے بجائے ابو کے ربوب کا لفظ استعمال کر دیا گیا ہے۔ اسی واسطے ہم نے بجائے ایک
R کوٹل کرنے کے جو موجودہ R ہے اس کو حمی یعنی *Hammin* کے ساتھ ملا کر اس کا حمیر
Hammin بنا دیا ہے اور آخر جسے کو ابو کہہ دیا ہے۔ تو گویا ہماری تحقیق کے مطابق یہ نام
پڑھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مضمون کو طوں دیتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ نہ معلوم عوام کے مذاق کے مطابق یہ موضوع
بھی یا نہیں۔ اور کتنے احباب اس کو شوق سے پڑھتے ہوں گے۔ ہر چند اتنی گہرائیوں
بانے سے قدم کو روکتا ہوں مگر دل ہی فحوی دیتا ہے کہ یہ چیز ایک دن کا آئینہ بنت ہوگی۔
شیخ قدیم کے متعلق بہت کچھ ماہرین نے لکھ دیا ہے مگر اس تمام عرصہ کی سرگزشت کو ابھی
سرے سے درست کرنا باقی ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ جس دن ان تمام تحقیقات کا نئے سرے
مل ہو گیا تو دنیا کے بہت سے مسائل کی پیچیدگیاں رفع ہو جائیں گی اور اقوام ضد میں آکر
ت سے انکار نہیں کریں گی۔

ان الله لا يظلم الناس شيئاً ولكن الناس انفسهم يظلمون۔

(پولس)

ادبیت

عیدِ جاوواں

از جناب روشن صدیقی

سفرِ شوق سرِ منزلِ اتمام ہے آج
زندگی کے لئے تسکین کا پیغام ہے آج
فضل و الطافِ خداوند کا ہنگام ہے آج
رحمتِ خاصِ زمانے کے لئے عام ہے آج
دو کونین میں بہت عشرتِ رومی کا
وقت آیا ہے محبت کی جہاں بانی کا

۴

مرجا! حاصلِ بیداری شب ہائے صیام
مہ نوین کے اٹھا نقشِ کفِ پائے صیام
سحرِ عید ہوئی منزلِ لیل کے صیام
زینتِ مسندِ امروز ہے فردائے صیام
آج تکمیلِ مسرت ہے مسر کے لئے
عیدِ فطرت ہے ہر اک بندہ یزداں کے لئے

۵

گڑے بے خبرِ عالم اسرارِ نشا ط
سختِ مشکل ہے حصولِ گلِ بے خارِ نشا ط
نہ سمجھ عید کو سرمایہٴ بازارِ نشا ط
طلبِ آتشِ ایشا رہے گلزارِ نشا ط
عید کچھ بھی نہیں بیونِ صداقت کے سوا
خونِ دس، سوزِ وفا، شعلہٴ الفت کے سوا

۶

محرّمِ رازِ مقاماتِ بقا ہونے پر
پختہ تر آتشِ تسلیم و رضا ہونے پر
شاہدِ عظمتِ پیمانِ وفا ہونے پر
ہدیہٴ عشق کے مقبولِ خدا ہونے پر
سجدہٴ سکرِ مہمانِ خدا کرتے ہیں
حق ادا عید کا! بابِ وفا کرتے ہیں

بادۂ نور نہیں ہے صلۂ ماہِ صیام
خلد مسرور نہیں ہے صلۂ ماہِ صیام
اسی منزل میں تو بندوں کو خطا ملتا ہے

ست حور نہیں ہے صلۂ ماہِ صیام
رۂ طور نہیں ہے صلۂ ماہِ صیام
کیا کہوں طلح بیدار کو کیا ملتا ہے

رحمتِ عام کا پیغام سنانے کے لئے
اتیقات کی لغت کو مٹانے کے لئے
دلِ انسان کو نویدِ ازیلی ہے روزہ

و کوئین کو سینے سے لگانے کے لئے
رجِ خوابیدۂ انسان کو جگانے کے لئے
خدمتِ خلق کا فرمانِ جلی ہے روزہ

ہ خوشی رنج و اذیت کو گوارا کرتا
سختی راہِ محبت کو گوارا کرتا
اصلِ صوم ہے دارِ فتنہ جاناں ہونا

سر کے ساتھ مصیبت کو گوارا کرتا
فی جہام صداقت کو گوارا کرتا
از پئے دوست ہر اک حال میں شاداں ہونا

خلوتِ زہد کی تعمیر نہیں ہے روزہ
ضبطِ مجبور کی تصویر نہیں ہے روزہ
سرفرازِ درینداں کے لئے تلخ ہے یہ

جوک اور پیاس کی تشہیر نہیں ہے روزہ
خوابِ فردوس کی تعمیر نہیں ہے روزہ
بندۂ قادر و قیوم کی معراج ہے یہ

ظنپ کو شردِ جنت سے گزرنے کے لئے
شبِ ادہام کی ظلمت سے گزرنے کے لئے
سفرِ زیست میں اک شمعِ ہدی ہے روزہ

منزلِ رنج و مسرت سے گزرنے کے لئے
غیہِ ہر لذت و کلفت سے گزرنے کے لئے
قاصدِ مژدۂ دیدارِ خدا ہے روزہ

عید ہے ملت بیضا کے لئے صبحِ جلال
 لمحہ، لمحہ، سحر عید کا آزادِ زوال
 عید ہے غارِ فرورِ رخِ خورشیدِ کمال
 لمحہ، لمحہ، سحر عید کا آزادِ زوال
 کوکب صبحِ مساوات کی تقدیر ہے عید

✽

مشرقِ ہر و وفا عید مسلمان کے لئے
 منزلِ لطفِ خدا عید مسلمان کے لئے
 جنتِ صدق و صفا عید مسلمان کے لئے
 منزلِ لطفِ خدا عید مسلمان کے لئے
 اب بھی ہے جامِ بقا عید مسلمان کے لئے
 شہِ بدہ، ابھی منتظر ساقی ہے

✽

عید گہوارہٴ اسرارِ جہاں بانی ہے
 عید آیاتِ الہی کی درخشان ہے
 عید پیغامِ مبرِ عظمتِ انسانی ہے
 عید آیاتِ الہی کی درخشان ہے
 عید اعمالِ جہاں، تب کی تابانی ہے
 عید سستِ خفتہ کو سزا دہن ہے
 جس کی نبضوں میں دانتِ کشِ کردار ہیں

✽

نغمہٴ جزائش خاموش بی کچھ بھی نہیں
 جز غمِ عشقِ شرابِ عنبی کچھ بھی نہیں
 نغمہٴ جزائش غمِ نیم شبی کچھ بھی نہیں
 جز غمِ عشقِ شرابِ عنبی کچھ بھی نہیں
 عید ہوتی ہے ترے سوزِ جگر سے پیدا
 جنوہٴ شام نہ تنویرِ سحر سے پیدا

✽

پیرِ دی شہِ ابرار ہے محبوب اگر
 سحرِ عید ہے سوزِ ابدی پیدا اگر
 سحرِ عید ہے سوزِ ابدی پیدا اگر
 سحرِ عید ہے سوزِ ابدی پیدا اگر

سحرِ عید ہے سوزِ ابدی پیدا اگر
 سحرِ عید ہے سوزِ ابدی پیدا اگر

✽

تبصرے

مشاہیر یونان و رومہ | (جلد اول) مترجمہ مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی تقطیع متوسط کتابت و طباعت بہتر ضخامت ۴۷۸ صفحات۔ قیمت مجلد للچر و غیر مجلد ۸۔ ستائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی

پلوٹارک یونان کا پہلی صدی عیسوی کا مشہور مصنف ہے، جس نے یونان، ور رومہ کے مشاہیر کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی تھی جس کا ہس یونانی نسخہ ۱۵۰۰ء میں پہلی مرتبہ اٹلی میں طبع ہوا۔ اور پھر اصل نسخہ کی بار بار اشاعت کے عذوہ یورپ کی تقریباً ہر بڑی زبان میں اس کتاب کے تراجم شائع ہوئے۔ عرصہ ہوا اردو زبان کے مشہور مترجم اور کہنہ شوق صاحب قسطنطنیہ مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی نے انجمن ترقی اردو کے لئے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا تھا اب انجمن نے تقریباً ایک ربع صدی کے بعد لائق مترجم سے نظر ثانی کرا کے بہت کچھ اصلاح و ترمیم کے ساتھ اس کو زیادہ اہتمام سے شائع کیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اس سلسلہ کی پہلی جلد ہے جس میں یونان و رومہ کی آٹھ بڑی شخصیتوں کا ذکر کیا ہے۔ مصنف کا طریقہ عامہ طور پر یہ ہے کہ وہ پہلے یونان اور رومہ دونوں ملکوں کی ایک ایک بڑی شخصیت کا ذکر الگ الگ کرتا ہے۔ اور پھر دونوں میں مقابلہ و موازنہ کرتا ہے۔ پلوٹارک کا ہر بیان تاریخی، اعتبار سے مستند نہ ہو تاہم اس میں شک نہیں کہ کتاب نہایت دلچسپ اور بعض خاص اعتبارات سے سبق آموز بھی ہے۔ ترجمہ کی دلکشی اور روانی کے لئے ہاشمی صاحب کا نام کافی ضمانت ہے۔ آپ نے اس میں ایک حد تک کی ہے کہ اشعار کا ترجمہ بھی اشعار میں کرتے چلے گئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ انجمن

سہ شروع میں ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب کا ایک مختصر مگر مفید مقدمہ ہے جس سے کتاب کی اہمیت اور یونانی ادبیات میں اس کی ایک خاص وقعت و عظمت پر روشنی پڑتی ہے۔

اس مفید اور دلچسپ کتاب کے باقی حصے بھی جلد شائع کرے گی۔ اور اس جلد میں طباعت و کتب کی جو غلطیاں رہ گئی ہیں باقی جلدوں کو اس قسم کی غلطیوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں گے۔
کتاب الہند | جلد دوم - مترجمہ سید اصغر علی صاحب تقطیع متوسط ضخامت ۴۴۴ صفحہ -
 کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد للہ غیر مجلد سے شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی۔

یہ کتاب ابوریحان البیرونی کی مشہور و معروف کتاب الہند کے اردو ترجمہ کی دوسری جلد ہے۔ جو باب ۳۱ سے لے کر باب ۸۰ تک یعنی پچاس ابواب پر مشتمل ہے۔ ان ابواب میں ہندوؤں کے مذہب، مہینے اور ان کی تقسیم، مذہبی اور سوشل رسوم عورتوں اور مردوں کے لئے مذہبی احکام، ان کے قومی عادات و خصائص، تیرتھوار، ہندوؤں کا علم النجوم، مذہبی پیشواؤں کے فرائض، ان کی خصوصیات وغیرہ وغیرہ مسائل پر نہایت محققانہ اور فاضلانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب عوام کے کام کی نہیں۔ جو لوگ ریاضیات اور علم نجوم و انداز کے اچھی طرح واقف ہیں لیکن اصل کتاب کو نہیں پڑھ سکتے۔ وہ اس سلیس و شگفتہ اردو ترجمہ کی مدد سے بے مثل کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

الف لیلہ و لیلہ حصہ سوم | مترجمہ ڈاکٹر ابوالحسن منصور احمد صاحب مرحوم تقطیع متوسط ضخامت ۵۵۵ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد صغیر غیر مجلد چار روپے -
 شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی۔

یہ کتاب عربی زبان کی مشہور افسانوی کتاب الف لیلہ و لیلہ کے اردو ترجمہ کی تیسری جلد ہے۔ اس میں دو سو بیسویں شب سے لے کر چار سو اکٹھویں شب تک کی یعنی دو سو اکتالیس کہانیاں آگئی ہیں۔ اگرچہ کہنے کو یہ محض کہانیاں ہیں۔ تاہم بعض بعض جگہ بڑے کام کی اور بعض اخلاق آموز باتوں کا بھی ذکر آگیا ہے۔ ترجمہ دلچسپ اور شگفتہ ہے کہ بالکل اصل کا۔ لطف آتا ہے۔

ٹوٹے ہوئے پر | مترجمہ جناب حکیم حبیب انور صاحب دہلوی تقطیع خورد ضخامت ۱۱۶ صفحات
طباعت و کتابت عمدہ قیمت پندرہ روپے۔ مکتب خانہ علم و ادب اردو بازار دہلی۔

جبران خلیں جبران عہد حاضر کا مشہور عربی زبان کا شاعر اور ادیب ہے۔ متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ مگر اردو خواں طبقہ میں بالکل نامعروف نہیں۔ اس کی کئی کتابوں کا ترجمہ پہلے ہی اردو زبان میں ہو چکا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب، سی کے ایک حزنیہ ناول "الاجنحة المتکسرہ" کا ترجمہ ہے۔ لائق مترجم دہلی کے نوجوان شاعر اور ادیب ہیں اور کسالی زبان بولتے اور لکھتے ہیں انھوں نے اس ترجمہ میں بھی اپنی ان خصوصیات کو باقی رکھا ہے۔ ناول دلچسپ اور بعض عبارات سے سبق آموز بھی ہے۔

عرفان حافظ | ارشیا مارچن داس صاحب تقطیع جیبی ضخامت ۵، صفحات قیمت پندرہ روپے ۱۰۰۰
۱۶۴۹ دسان اسٹریٹ دہلی۔

اس کتابچہ میں فاضل مرتب نے خواجہ حافظ شیرازی کے ایسے متفرق اشعار مختلف عنوانات کے ماتحت جمع کر دیئے ہیں جن میں تصوف، معرفت اور رجوع الی اللہ کے مضامین بیان کئے گئے ہیں مصنف نے انتخاب کے ساتھ ساتھ شاعر کا اردو ترجمہ بھی کر دیا ہے جو سہل و سلیس اور عام فہم ہے اور ہر باب کے شروع میں عنوان کی تشریح سے متعلق مختصر مگر مفید نوٹ بھی ہیں۔ باب ذوق کے لئے یہ کام کی چیز ہے۔
یاد اقبال | مرتبہ غلام سرور صاحب فگار تقطیع متوسط ضخامت ۱۲۷ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت بے جلد پندرہ روپے۔ اقبال کیڈمی لاہور

اس مجموعہ میں وہ متفرق نظمیں اور قطعات وغیرہ جمع کر دیئے گئے ہیں جو ڈاکٹر اقبال مرحوم کی وفات حسرت آیات پر اردو زبان و ادب کے مختلف ادیبان قلم و سخن نے لکھے تھے اور جن میں انھوں نے اسلامی ہند کے اس حادثہ فاجعہ پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کیا تھا۔ اگرچہ اس کتابچہ میں اس قسم کے قطعات و مرثیاتی کا استقصا نہیں ہو سکتا تھا۔ تاہم بعض اچھے اچھے اور بلند پایہ شعرا کے قصبات اس میں شامل ہیں۔

قرآن اور تصوف

شہد کی بلند پایہ علمی اور تحقیقی کتاب

تالیف

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب

ایم اے۔ پی ایچ ڈی (لندن)

پیشہ شریعت دار صدر شعبہ فلسفہ

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین دہلی

ڈاکٹر صاحب نے اس گراہیہ مایہ تالیف

میں حقیقی اسلامی تصوف کو منطقی ترتیب

وضاحت کے ساتھ ایک خاص اسلوب

میں پیش کیا ہے کتاب وسنت کے منار

و داخلہ کی روشنی کتاب کی جان ہے

قابل مطالعہ کتاب ہے۔ بڑے بڑے

عنوانات ملاحظہ ہوں۔

عبادت واستقامت، قرب و معیت

تنزلاتِ ستہ خیر و شر

جبر و قدر یافت و شہود

قیمت عام محلہ سے

منجبر ندوۃ المصنفین دہلی قروں باغ

شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

ماہنامہ شاعر

مرکوزی کے ساتھ ساتھ شعور و لہجے نے بھی اداسی ادیب کی ناقابل غور خدمات انجام دی ہیں۔ لیکن انہوں نے شہور و شہرت کا غماز نہیں کیا۔ ان کا اجتماعی طبع پورے

”شاعر کا افسانہ نمبر“

اسی نوعیت کی نقاب کشائی کریگا۔ اور ان کی ادبی کا ایک مجموعہ میں ادیب

اکتوبر ۱۹۳۵ء کا انتظار رکھئے

بلکہ ”افسانہ نمبر“ ادیب سے صنعت باز کے، زور و شاہکار اور اسے نیکر طلوع

کسی فرد کا کوئی افسانہ نہیں ہوگا

مرفق قیام تیار علی حکیم عبدالقادر دلدہ سراج الدین ظفر نذر سجاد حیدر حضرت

عاجز و مسرور، مضمون باطن و شریں، افسانہ عالم و حیات لہجے ایم اے۔ افسانہ

قرۃ العین حیدر طاہرہ دیوی شریں، مدد و حکیم سجاد، مایہ و حیات جمیع

حکیم ایم اے، حیدر سلطانہ، گوشتیاء، شک بی لے، دھیمہ عزیز بی۔

افسانہ نمبر، مضمون، شریں، ممتاز شریں، رشید جہاں، جہاں بانو ایم اے حیدر

زمرت سجاد بی لے حیدر آبادی و غیرہ مشہور شہر افسانہ نگار خواتین کے نثری

ادب کا کھنڈی۔ ہفتہ ختم، یحیٰ آبادی، افسانہ نگار، جہاں جہاں جہاں جہاں

حکیم تقدی، افسانہ نمبر، مضمون، شریں، ممتاز شریں، رشید جہاں، جہاں بانو ایم اے حیدر

ادب نگار، مضمون، شریں، ممتاز شریں، رشید جہاں، جہاں بانو ایم اے حیدر

ادب نگار، مضمون، شریں، ممتاز شریں، رشید جہاں، جہاں بانو ایم اے حیدر

ادب نگار، مضمون، شریں، ممتاز شریں، رشید جہاں، جہاں بانو ایم اے حیدر

مرکوزی کے ساتھ ساتھ شعور و لہجے نے بھی اداسی ادیب کی ناقابل غور خدمات انجام دی ہیں۔ لیکن انہوں نے شہور و شہرت کا غماز نہیں کیا۔ ان کا اجتماعی طبع پورے

”شاعر کا افسانہ نمبر“

اسی نوعیت کی نقاب کشائی کریگا۔ اور ان کی ادبی کا ایک مجموعہ میں ادیب

اکتوبر ۱۹۳۵ء کا انتظار رکھئے

بلکہ ”افسانہ نمبر“ ادیب سے صنعت باز کے، زور و شاہکار اور اسے نیکر طلوع

کسی فرد کا کوئی افسانہ نہیں ہوگا

مرفق قیام تیار علی حکیم عبدالقادر دلدہ سراج الدین ظفر نذر سجاد حیدر حضرت

عاجز و مسرور، مضمون باطن و شریں، افسانہ عالم و حیات لہجے ایم اے۔ افسانہ

قرۃ العین حیدر طاہرہ دیوی شریں، مدد و حکیم سجاد، مایہ و حیات جمیع

حکیم ایم اے، حیدر سلطانہ، گوشتیاء، شک بی لے، دھیمہ عزیز بی۔

افسانہ نمبر، مضمون، شریں، ممتاز شریں، رشید جہاں، جہاں بانو ایم اے حیدر

زمرت سجاد بی لے حیدر آبادی و غیرہ مشہور شہر افسانہ نگار خواتین کے نثری

ادب کا کھنڈی۔ ہفتہ ختم، یحیٰ آبادی، افسانہ نگار، جہاں جہاں جہاں جہاں

حکیم تقدی، افسانہ نمبر، مضمون، شریں، ممتاز شریں، رشید جہاں، جہاں بانو ایم اے حیدر

ادب نگار، مضمون، شریں، ممتاز شریں، رشید جہاں، جہاں بانو ایم اے حیدر

ادب نگار، مضمون، شریں، ممتاز شریں، رشید جہاں، جہاں بانو ایم اے حیدر

ادب نگار، مضمون، شریں، ممتاز شریں، رشید جہاں، جہاں بانو ایم اے حیدر

مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

ذیل میں ندوۃ المصنفین کی کتابوں کے نام مع مختصر تعارف کے درج کئے جاتے ہیں تفصیل کے دفتر سے فہرست کتب طلب فرمائیے اس سے آپ کو ادارے کی ممبری کے قوانین اور اس کے محسنین و معاونین اور اخبار کی تفصیل بھی معلوم ہوگی۔

غلامان اسلام۔ پچھتر سے زیادہ غلامان اسلام کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی بیان قیمت چار مہلے سے	اسلام میں غلامی کی حقیقت۔ مسئلہ غلامی پر فقہانہ کتاب جدید ایڈیشن جن میں ضروری اضافے کیے گئے ہیں قیمت تین مہلے للہ
اخلاق اور فلسفہ اخلاق۔ علم الاخلاق پر ایک مبسوط محققانہ کتاب جس میں اصول اخلاق اور انوار اخلاق اور فلسفہ اخلاق پر مکمل بحث کی گئی ہے قیمت چار مہلے سے	اسلام اور مسیحی اقوام۔ اسلام کے اخلاقی اور روحانی کا دلپذیر خاکہ قیمت چار مہلے سے
سنت۔ قصص القرآن حصہ اول۔ جدید ایڈیشن ندوۃ المصنفین کی مایہ ناز اور مقبول ترین کتاب زیر طبع قیمت چار مہلے سے	م کی بنیادی حقیقت۔ اشتراکیت کے متعلق سرکارل ڈیل کی آٹھ تقریروں کا ترجمہ جرمنی سے اردو میں منتقل کیا گیا ہے قیمت تین مہلے للہ
وحی الہی۔ مسند وحی پر پہلی محققانہ کتاب قیمت دو روپے مہلے سے	ان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ ۴۲
بین الاقوامی سیاسی معنومات۔ بکتراب ہر ایک لائبریری میں رہنے کے لائق ہے قیمت چار	۵۰۔ نبی عربی صدم۔ تاریخ ملت کا حصہ اول جس پر سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک ترتیب سے یکجا کیا گیا ہے، قیمت چار
تاریخ انقلاب روس۔ ٹراٹسکی کی کتاب کا مستند اور مکمل خلاصہ۔ قیمت چار	۵۰۔ جدید ڈیشن۔ جس میں بہت سے اہم اضافے کیے ہیں۔ اور مباحث کتاب کو از سر نو مرتب ہے۔ اس موضوع پر اپنے رنگ کی بے مثل قیمت چار مہلے سے

۱۲۲۔ قصص القرآن حصہ دوم قیمت للہر مجلد ص ۱
اسلام کا اقتصادی نظام۔ وقت کی اہم ترین کتاب
جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل
نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ میسر ایڈیشن زیر طبع
قیمت للہر مجلد ص ۱

خلافت راشدہ۔ تاریخ ملت کا دوسرا حصہ
جس میں عہد خلفائے راشدین کے تمام قابل ذکر
واقعات صحت و جامعیت کے ساتھ بیان کئے
گئے ہیں۔ قیمت ۷۰ روپے مجلد ص ۱
مسلمانوں کا عروج اور زوال۔ جدید ایڈیشن
زیر طبع۔ قیمت ۷۰ روپے مجلد ص ۱

۱۲۳۔ مکمل لغات القرآن جلد اول۔ لغت قرآن
پر بے مثل کتاب۔ قیمت ۷۰ روپے مجلد للہر
سرمایہ۔ کارل مارکس کی کتاب کپٹل کا مختصر مشہور
ورفتہ ترجمہ۔ قیمت ۷۰ روپے

اسلام کا نظام حکومت۔ صدیوں کے قانونی مطالبہ
کا تاریخی جواب۔ اسلام کے ضابطہ حکومت کے
تمام شعبوں پر دفعات وار مکمل بحث۔ قیمت
۷۰ روپے مجلد سات روپے۔

خلافت بنی امیہ۔ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ خلفائے
بنی امیہ کے مستند حالات و واقعات سے مجلد ص ۱
۱۲۴۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت
جلد اول۔ اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب۔ انداز
بیان دلکش قیمت للہر مجلد ص ۱

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت
جلد ثانی۔ قیمت للہر مجلد ص ۱
قصص القرآن حصہ سوم۔ کتاب کے اس حصہ میں
انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے علاوہ باقی
قصص قرآنی اور تاریخی واقعات کی مکمل تشریح
و تفسیر کی گئی ہے قیمت للہر مجلد ص ۱

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد ثانی
قیمت ۷۰ روپے مجلد للہر زیر طبع
۱۲۵۔ کی کتابوں میں "قرآن اور تصوف" مولفہ
ڈاکٹر میر ولی اللہ صاحب ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
طبع ہو چکی ہے۔ عنقریب حضرات محنین و معادنین
کی خدمت میں روانہ کی جائیگی۔

قصص القرآن جلد چہارم پریس کو جا رہی ہے
باقی دو کتابوں کا اعلان بعد کو کیا جائے گا۔

نیچر ندوۃ امین قریول بلغ دہلی

تقریر حضرت مولانا محمد رفیع الدین صاحب

مستند: بندہ خاں سید مسلمانوں کے خاتمہ و ترویجیت

۴۰ فضائل و مناقب - وقت کی بہترین کتاب

جلد اول - اسٹیموٹھس : کل حد کتاب، نیز

اسلام کے تقاضے، اقتصادی کی مکمل نقشہ

بیان و لکھنؤ قریب لکھنؤ قریب

یہ ایک بے قیمت تحفہ محمد مجید امجد

ہندوستان میں جانوروں کا نظام خیریت و برکت حاصل

دار زہرہ: تاریخِ محنت کا دوسرا حصہ جس میں

قیمت معہ تجدید

۱۔ ارشدین کے نام میں ذکر و قنات

تھیں۔ ان کے سامنے بنیادیں سے مراد وقت

وہ جس کے ساتھ بیان کے گئے ہیں

کتاب: تفصیل قرآنی کبارائیت علیہ مجلد دوم

Journal of Management Studies, 19(1), 67-80.

سنة ١٢٠٠ هـ

۲۰ رجب المرجب ۱۳۶۷

4-25-20

ملک نواز شریف جہدیں غائب

خبر : در غم و رنجیب میں ذرا سہارا

— 100 —

کے درختوں میں خوف گودیں لٹھیں

تاریخ و کتب و نسخ و خط و کتابخانه

Handwritten: ۱۰ - ۱۲

1940

22. 4. 1941. 10. 1941. 10. 1941.

تاریخ: ۱۳۰۲ - ۱۳۰۳

میں نے یہ کہہ کر اس کو بھڑکی توڑ دیا۔

[illegible]

پیشانی

باب زکات و ائمه کبیر

تبریز - در مسجد عسکری و رضائی

1947

بسم الله الرحمن الرحيم

فی مہرہ شہزادہ شہدائے سیدہ سیدہ

۱. بے بس - بے بس - و میں یہ فیض کی کتاب

[illegible]

مجلس

میچر : روح المستغنیین دہلی قبول بارغ

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

- (۱) محسن خاص :- جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپے کثمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین دہلی محسنین خاص کو یہی شہریت سے عزت بخشیں گے جسے علم و نواز عیوب کی خدمت میں درس اور مکتبہ برہان کی معیشت نذر کر جاتی رہیں گی اور کارکنان و رکن کے قیمتی ستوروں سے مستفید ہونے رہیں گے۔
- (۲) محسنین :- جو حضرت پچیس سو روپے سال مرمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ معاش میں ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضے کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خاص ہوگا۔ ادارہ کے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد دو سو چار ہوگی۔ اپنے مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور دارالکتاب برہان کسی معاوضہ کے بغیر پیش کیا جائے گا۔
- (۳) معاونین :- جو حضرت چار سو روپے سال بیگی مرمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے طبقہ معاونین میں ہوگا۔ ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات اور رسالہ برہان (میں کا سال پانچ روپے ہے) بلا مت پیش کیا جائے گا۔

- (۴) اچھا :- جو روپے سالانہ داکرے والے صحیفہ ندوۃ المصنفین کے اخبار میں داخل ہوں گے ان حضرات کو رسالہ قیمت دیا جائے گا۔ اگر ان کی طلب پر سال کی تمام مطبوعات اور نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

قواعد

- (۱) برہان ہرگز بزرگی مہینہ کی ۵ تاریخ کو ضرور شائع ہوگا۔
- (۲) مذہبی علمی تحقیقی فذاتی معانی بشرطیکہ و زبان ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جائیں گے۔
- (۳) وجود ہر مہینہ کے بہت سے رسالے ڈکٹ فون میں ضائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس رسالہ نہ ہو وہ نہ وہ سے زیادہ ۲۰ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیدیں ان کی خدمت میں رسالہ دو بارہ ہوا قیمت بھیج دیا جائے گا۔

- (۴) جواب صوبہ مور کے سے "رکٹ" یا جو بی کارڈ بھیجنا ضروری ہے۔
- (۵) قیمت سالانہ پانچ روپے ششماہی دو روپے بارہ آئے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۸ روپے۔
- (۶) نئی آبرو نہ کر کے وقت کو پورا پورا نکل پتہ ضرور رکھئے۔

مولوی محمد ادریس صاحب پرنٹر و پبلشرز جید برقی پریس دہلی میں طبع کر اگر دفتر رسالہ برہان دہلی قریب بلوچ پورہ

مَدَوَّةُ اَيِّينِ دِلِّي كَا عِلْمِي دِينِي كَا هِنَا

بُرْجَان

مُرَاتِبِ
سَعِيدِ اَحْمَدِ كَسْبِ اَبَادِي

برهان

شماره ۱۳۴

جلد پنجم

شوال المکرم ۱۳۶۲ مطابق اکتوبر ۱۹۴۵ء

فہرست مضامین

۵۸	سین رحمن عثمانی	نظرات
۵۹	ڈاکٹر میر ولی دین صاحب ایم اے پی ایچ دی	توحید و ہیبت
		حضرت شاد ولی اشرا لدہلوی اور
۷۳۳	مولانا محمد حفیظ الرحمن صاحب میوہ ری	مقدمہ ترجمہ القرآن
		ادبیات
۲۴۹	جذاب مہ مخفنگری	گل رنگیں
۲۵۰	جذاب فرید جاوید	نغمہ جاوید
۲۵۱	م-ج	تبصرے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نظرات

حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اکثر اپنی مجلسوں میں فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ علم حاصل کرتے ہیں ان کا مقصد تحصیل علم سے یا تو دین ہوتا ہے اور یا فقط دنیا۔ ان کے علاوہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو علم کو محض علم کے لئے حاصل کرتے ہیں۔ ان میں پہلا طبقہ سب سے اعلیٰ ہے اور ہمارے بزرگان کرام کا مقصد تحصیل علم سے دین ہی تھا۔ جو لوگ علم کو علم کے لئے حاصل کرتے ہیں وہ بھی غنیمت ہیں۔ لیکن علم سے کس دنیا کا کام لینا اور اسی مقصد کے لئے اسے حاصل کرنا ایک بدترین معصیت ہے اور اس قسم کے لوگ اسفل السافلین کے مستحق ہیں۔ ان لوگوں کی مثال اس احق کی سی ہے جو بازار سے ایک قیمتی شال محض اس لئے خرید کر رہا ہے کہ اس سے وہ اپنا جو تہ صاف کیا کرے گا۔ اس کے بعد حضرت مرحوم ہم طلبہ سے خطاب کر کے تاکید فرماتے تھے کہ ہم لوگوں کو سب سے پہلے اپنی نیت اور ارادہ کا جائزہ لینا چاہئے اور یہ معلوم کرنا چاہئے کہ ہم میں سے کون شخص کس طبقہ میں شریک ہونا چاہتا ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب نہایت افوس کے ساتھ آبدیدہ ہو کر فرماتے تھے کہ میرے نزدیک حکومتِ مطلقہ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے ہم سب کے دلوں میں خود غرضی اور دنیا پرستی کا بیج بکرا خلاص عمل اور تلہیت کا بالکل قلع قمع کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے خالص دینی اور مذہبی کام بھی اب صرف دین کے لئے نہیں رہے۔ اور ان کا مقصد بھی اس ذریعہ سے دنیا پیدا کرنا ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے اب ہمارے کاموں میں برکت نہیں رہی۔ ہم سب کچھ پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ علوم و فنون پر عرص صرف کرتے ہیں۔ زندگی کا بہترین جوہر طلب علم کو نذر کر دیتے ہیں لیکن پھر بھی ہماری ان گوشوں پر وہ ثمرات مرتب نہیں ہوتے جو ہونے چاہئیں۔ یہ حالت انتہا درجہ افسوسناک ہے۔ اگر اس کی اصلاح

نہیں کی گئی تو ایک دن اس کا انجام یہ ہوگا کہ مدارس عربیہ کی سند فراغ رکھنے والے توبہ شمار ہوں گے لیکن ڈھنگ کا عالم ان میں کوئی ایک مشکل سے ہی مل سکیگا۔

پندرہ سولہ برس کی مدت کوئی طویل مدت نہیں ہوتی۔ حضرت الازہار کا یہ ارشاد کل کی سی بات ہے لیکن ہم آج کے حالات کا مقابلہ اس زمانہ کے حالات سے کرتے ہیں تو زمین آسمان بدلے ہوئے نظر آتے ہیں اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مرحوم نے اس وقت جو کچھ فرمایا تھا وہ آج کس طرح حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہا ہے۔ ہندوستان کے طول و عرض میں جو عربی مدارس قائم ہیں ان کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ مدارس کی تعداد ان کی آمدنی، طلبہ کی گنتی و دوسرے انتظامات کی فراوانی، ان سب امور کے اعتبار سے پہلا کی بہ نسبت مدرس عربیہ اب کہیں زیادہ خوشحال اور ترقی یافتہ ہیں۔ لیکن ان کی تعلیمی حالت کس درجہ افسوسناک ہے اس کا اندازہ آپ کو اس سے ہو سکتا ہے کہ پچھلے دنوں تین مدارس کو اپنے یہاں چند مدرسوں کی ضرورت تھی۔ اس سلسلہ میں مدارس کے ارباب اہتمام نے خود دودھ دھار کا سفر کیا۔ ادھر ادھر خطوط لکھے مگر اس کے باوجود انہیں کوئی لائق مدرس نہیں ملا۔ تو آخر کار بعض پرانے مدارس کے جے جے مدرسین کو بڑی بڑی تنخواہ دیکر انہوں نے اپنا بھرت پورا کیا۔ اب ان مدرسین کے جے جے جانے سے ان کے پرانے مدارس میں جو جگہیں خالی ہو گئی ہیں وہ اب تک بدستور خالی پڑی ہوئی ہیں۔ اور بجا رہے مدرسہ ولے اسباق کو ادھر ادھر منتقل کر کے اپنا کام چلا رہے ہیں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اب ہمارے ملک میں قابل اور فاضل علماء کی پیداوار کس درجہ افسوسناک طریقہ پر روزانہ کم ہوتی جا رہی ہے

مدارس عربیہ میں جو طلباء تعلیم پاتے ہیں۔ اول تو زمانہ تعلیم میں ہی سیاسی ہنگامہ پروری اور دوسری قسم کی انجمن آرائی وغیرہ ان کے ایسے مشاغل ہوتے ہیں جو انہیں یکسوئی کے ساتھ تحصیل علم سے مشغول نہیں رہنے دیتے۔ پھر یہاں سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد جب ان کی نگاہ گرد و پیش

کی دنیا پر پڑتی ہے تو اب وہ اس کی مصنوعی جگہ کا ہٹ سے مرعوب و متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں جو کچھ سمجھدار اور ذہین ہوتے ہیں وہ علوم شرقیہ کے اختانات میں کامیابی حاصل کر کے اسکولوں یا بڑا تیر یا تو کسی کالج میں اور فیل ٹیچر ہو جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ جن لوگوں کو طالب علمی کے زمانے میں کچھ لکھنے لکھانے کی مشق ہو جاتی ہے وہ کسی اخبار کے دفتر میں کوئی کرسی سنبھال لیتے ہیں۔ اب جو بچے بین بان میں سے کچھ انجنیئریں کچھ کاروباریں، اور کچھ مدرسوں میں کھپ جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے کام مختلف ہی، لیکن ان میں سے جو شخص جہاد ہوتا ہے مطمئن ہوتا ہے۔ وہ اپنے پیشہ کو اسی طرح سرا بخلم دیتا ہے جس طرح سرکاری دفتر کوئی کلرک۔ ہمدینہ بھر کام کرنے کے بعد اس نے اپنی خواہ فی اور پس، اب اسے نہ مطالعہ کتب کوئی واسطہ ہے۔ اور نہ مسلمانوں کے عالم ارشاد و ہدایت سے کوئی دلچسپی یعنی اس نے کسی ایک مدرسہ عربیہ میں آٹھ نو سال مقیم رہ کر علوم دین کی تحصیل صرف اس لئے کی تھی کہ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ خور پنی اور اپنے بال بچوں کی روزی کا بندوبست کر سکے اور ان کا پیٹ پال سکے۔ گویا اس طرح ہمارے مدرس عربیہ بھی، حاشی ضروریات کو پورا کرنے اور انسان کو صرف اسی کے قیام کے لئے کافر لہجہ ہو گئے ہیں اور اس اعتبار سے ان کی حیثیت ان اداروں سے ہرگز مختلف نہیں۔ جن کا مقصد و چودہی انسان کو شکم پری کے لائق بنانا ہے۔

ایک طرف ہماری دینی تعلیم کے انحطاط و تنزل کا یہ عالم ہے کہ غزالی و رازی اور سبکی و بیہقی تو کجا، نصاب متداول کو پڑھانے والے اور استاد کے ساتھ دو چار مسئلے بتانے والوں کے بھی لائے پڑتے جاتے ہیں۔ اور دوسری جانب مختلف اسباب و وجوہ سے ملک میں الحاد و زندقہ عام ہوتے جاتے ہیں۔ بے دینی کو فروغ ہو رہا ہے اور جدید تعلیم کے نوجوانوں میں علماء کی قیادت اور رہنمائی کی سرکشی بڑھتی جا رہی ہے۔ اب ان حالات کو سامنے رکھ کر خدا کے لئے غور کیجئے کہ اگر لیل و نہار کی گردش یہی رہی اور حالات کی رفتار میں کسی خارجی موثر کے ماتحت بالکل معجزانہ طریقہ پر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی

تو اس ملک میں مسلمانوں کا اور اسلام کا کیا حشر ہو گا۔ ترکی، عراق، فلسطین اور ایران کا انجام ہمارے سامنے ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان ملکوں میں آج جو لائڈ ہیٹ اور لے ڈینیائی جاتی ہے اس کا اصل باعث یہ نہیں ہے کہ وہاں سلاطین جو ایک نفرت خیز کوکیمیا بن دیتے تھے ان کی پیداوار ایک بیک رنگی اور ان کی جگہ صرف پیشہ ور ہوئی پیدا ہونے لگے جو نوجون طبقہ کو اپنی مذہبی قیادت کے سایہ میں رکھنے کے قابل نہیں تھے۔

ہندوستان کے عام مسلمانوں اور علمائے کرام دونوں کو خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ موجودہ سیاسی اختلافات اور ان کے لئے مذہبی سرگرمیاں وقت کی سہمی کا ایک تھپڑا ہے جو بہر حال وقتی اور ہنگامی ہے۔ لیکن گزشتہ کشمکش میں خدا نخواستہ مسلمانوں کے دینی رجحانات کو کوئی صدمہ پہنچ گیا اور عوام کا حلقہ دین کے ساتھ ساتھ علمائے بھی منقطع ہو گیا تو یہ یقینی ہے کہ اس عظیم خسارہ اور تباہی کی مکافات، صدیوں میں بھی نہ ہو سکیگی اور پھر خدا کے یہاں اس کی، زیریں کسی ایک فرقہ و گر وہ سے نہیں۔ بلکہ سب سے بڑی ہوگی۔

یہ تو ہماری تباہی و بربادی کا وہ منظر ہے جو مذہبی تعلیم کی درس گاہوں میں نظر آتا ہے۔ اب ذرا جدید تعلیم کا بھی سرسری طور پر ایک جائزہ لیتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان میں جدید تعلیم کا مقصد، بذاتِ بڑی بڑی ملازمتوں، عہدوں، نا معاش کے لئے کسی آزاد ذریعہ کے حاصل کرنے کے سوا تالیسی یا کلچر کا حصول بھی نہیں رہا ہے۔ لیکن گزشتہ جنگ و مہم سے پہلے پورے حکومت نے اپنی مخصوص، ایسی کے، تحت ہندوستان میں صنعتی و حرفتی اور دوسری قسم کی تکنیکل تعلیم کی کچھ زیادہ حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ اس بنا پر ہمارے نوجوان طلبہ فنون (Arts) پر اپنا وقت زیادہ صرف کرتے تھے۔ اس طرح فلسفہ، تاریخ، لٹریچر اور عربی، فارسی وغیرہ کے پڑھنے سے ان میں خود بخود یسٹرن تہذیب اور کلچر پیدا ہو جاتا تھا۔

اور یہ لوگ کالجوں سے نکلنے کے بعد ملک کے ادبیات اور سیاسی و تہذیبی خدمات میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔

لیکن اس جنگ نے جدید تعلیم کا نقطہ نظر بھی بالکل تبدیل کر دیا ہے۔ اب چونکہ حکومت جنگ کے اثرات، بعد کی وجہ سے ہندوستان کو صنعتی و حرفتی ملک بنانے پر مجبور ہے، اس بنا پر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا ہے کہ طلباء میں فنون کی بے قدری اور بے وقعتی کے جذبات روز بروز افروز ہوتے جا رہے ہیں اور ان کے بجائے سائنس اور صنعتی و حرفتی تعلیم کی طرف رجحان زیادہ ہو رہا ہے۔ جن حضرات کو یونیورسٹی کی تعلیم کا تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ آج کل تقریباً ہر یونیورسٹی میں فنون کی کلاسوں میں طلباء اور طالبات کا وہ هجوم نظر نہیں آتا جو طبیعات، کیمیا، زراعت اور تجارت وغیرہ کی کلاسوں میں نظر آتا ہے۔ یہ صورت حال بھی تہذیب اور کلچر کے اعتبار سے ہم لوگوں کے لئے کچھ خوش آئند نہیں ہے۔ ہم ٹیکنیکل اور میکینیکل تعلیم کے مخالف نہیں ہیں۔ اور نہ کوئی سمجھا انسان جو ملک کی مادی اور اقتصادی فلاح و بہبود کا جذبہ رکھتا ہے۔ اس تعلیم کی مخالفت کر سکتا ہے۔ لیکن ہمارے ماہرین تعلیم اور ارباب حل و عقد کو ایک لمحہ کے لئے اس پر غور کرنا چاہیے کہ اگر ملک میں صرف بڑے بڑے انجینئر، صنعت اور اربابِ حرفت ہی پیدا ہونے لگے اور شایستگی اور کلچر سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہو جو فنون کی تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں تو ہمارا ملک اقتصادی اور مادی اعتبار سے ترقی نہ ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی، روحانی اور ادبی اعتبار سے کس قدر سست اور انحطاط پذیر فتنہ ہو جائے گا اور یہ چین، ہندوستان کی اپنی کچھل روایات کے لئے کس درجہ حسرت و افسوس کا باعث ہوگی، ان کے ساتھ جتنا بیشک ہر قوم کو اپنی زندگی کے لئے ضروری ہے لیکن اگر کوئی قوم اپنی قومی خصوصیات پر محروم ہو کر زندہ رہتی ہے تو درحقیقت وہ اس کی زندگی نہیں بلکہ موت ہے، زمانہ ما بعد جنگ کے لئے جو تعلیمی نظام بنایا جا رہا ہے، اس میں اس بنیادی حقیقت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

پھر آپ نے یہ ثابت پڑھی ادعو فی استعجاب لکم۔ اس آیت کے پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ دعا کے عبادت ہونے کا سبب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کا حکم کیا ہے۔

(۲) عن اس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "عِبَادَةُ رَبِّكَ بِمَا رَزَاكَ بِعَيْنِي دَعَاءُ مَغْفِرٍ" ہے عبادت کا جس طرح مغفرت کی شے کی حقیقت ہو، یہی طرح دعا یعنی خضوع و خشوع و تذلل کے ساتھ پکارنا عبادت کی حقیقت ہے، اس سے مخصوص و حق تعالیٰ ہی کے ساتھ جو عجیب اندعوت ہیں۔

(۳) عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "مَنْ لَمْ يَسْتَدِنْ مِنْهُ لَغَضَبٍ عَلَيْهِ رَزَاكَ لِرَبِّكَ" یعنی جو اللہ سے نہ مانگے اس سے اللہ ناراض ہوتا ہے جب اللہ سے نہ مانگنا غصہ کا باعث ہوتا ہے تو اس سے نہ مانگ کر اوروں سے مانگنا تو اور زیادہ ٹھیک ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعا اللہ تعالیٰ کو کس قدر محبوب ہے۔

جب دعا کا عبادت ہونا ثابت ہو گیا وہاں صاف ظاہر ہے کہ غیر اللہ سے دعا کا مانگنا شرک ہے، شرک کی عبارت ہے، اس مقصد کے لئے آیات قرآنیہ کا پیش کرنا ضروری نہیں لیکن مزید تقویت کے لئے چند آیات پر غور کر لو:

(۱) وَلَا تَدْرُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُ وَلَا يَضُرُّكَ وَتُفَعِّلَتْ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ، یعنی مت پکارا اللہ کے سوا اسے کو نہ بھلا کرے تیرا اور نہ ہی بھلا کرے اگر تو ایسا کرے تو تو بھی اسی وقت ظالموں میں ہو جائے گا۔ (سورہ بقرہ ۱۰۶)

جلب منفعت و دفع مضرت کے لئے غیر اللہ کو درود و سبک پکانا، اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو ان سے عرض کرنا اور اس طرح ان کی پرستش کرتا بڑے ظلم و ستم کی بات ہے کیونکہ جس اللہ کی قدرت میں بندہ کا نیک و بد نفع و نقصان سب کچھ ہے اس پر درود پکارنا تو جھوٹا سب سے منہ موڑ کر یہی ہستیوں کی طرف متوجہ ہونا، وذلّت و فقر کی نسبت ان سے جوڑنا جو نہ کسی کے نفع پر قادر ہیں اور نہ نقصان پر اس سے بڑھ کر دنیا میں قدر و شرف ہو سکتا ہے! شرک ہی سب سے بڑا ظلم ہے، ان اشْرَکَ بظلم عظیم (پارہ ۱۱) یہاں بس نسبت کا یہ ضروری ہے۔ بعض مفسرین نے دونوں اللہ اور غیر اللہ کی توجیہ میں

صنام و اوثان کا ذکر کر دیا ہے۔ اس لئے بعض شرک پسندوں نے یہ سمجھ لیا کہ شرک اس وقت ہوگا جب بتوں سے دعا کی جائے۔ انبیاء و اولیاء سے دعا کرنا، مرادیں مانگنی شرک نہیں۔ یہ صریحاً غلط ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) علم اصول کا یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ العبرة بعموم الالفاظ لا بخصوص الموارد یعنی اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص موارد کا، غیر اللہ اور دون اللہ دونوں عام الفاظ ہیں۔ اللہ کے سوا جتنی مخلوقات ہیں سب ان میں داخل ہیں۔ خواہ ولی نبی ہو، یا بھوت پری، یا چاند بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں کہ قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ لکھتے ہیں کہ قد ادعوا الذین زعمتم انهم الهة من دونه کا ملئکة والمسیح و عزیر۔ یعنی ان لوگوں کو پکارو جن کو تم نے معبود سمجھ رکھا ہے اللہ کے سوا جیسے لاکھ، مسیح و عزیر۔ اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ جو ملائکہ اور انبیاء کو پکارتے وہ بھی مشرک ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ویسی ہی جبروت و زوج کی سہجہ جیسی کہ بت پرستوں کی کی ہے۔ اس عموم الفاظ کے اعتبار سے صاحب جلالین نے اکثر مقامات پر دون اللہ کا ترجمہ غیر اللہ سے کیا ہے۔

(۲) جیسا کہ ہم نے اوپر تصریح کی ہے، کفار نے اپنے بت اپنے اکابر (انبیاء و اولیاء) ہی کے نام پر تراشے تھے اور ان کی بت پرستی کا نشانہ ہی اکابر کی تعظیم تھی، لہذا وہ دراصل پتھروں، بادوں اور درختوں کی عبادت نہیں کر رہے تھے بلکہ انبیاء و اولیاء و صلیاء پرست تھے۔

غرض غیر اللہ و دون اللہ سے مراد نہ صرف بت میں بلکہ انبیاء و اولیاء سب اس میں شامل ہیں۔ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص موارد کا اور عقلاً غور کرو کہ انبیاء و اولیاء غیر اللہ ہیں کہ عین اللہ؟ جب غیر اللہ کی عبادت شرک ہے تو صنم و وثن، نبی ولی، بیڑ شہید، بھوت، پری سب حرمت عبادت میں مساوی ہیں اور ان میں تفریق باطل ہے۔ اگر ہم تفریق کے قائل ہو جائیں کہیں کہ عبادت من دون اللہ کی حرام و شرک ہے بخلاف عبادت اولیاء و انبیاء کے تو لازم آتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء عین اللہ ہیں لازماً باطل فاملزوم مثلاً۔

(۳) ان الذین تدعون من دون اللہ عباداً امثالکم فادعواہم فلیست بعبادکم ان کنتم

صادقین (سلسلہ ۳) یعنی واقعی تم خدا کو چھو کر جن کو پکارتے ہو وہ بھی غم ہی جیسے بندے ہیں، سو تم ان کو پکارو، پھر ان کو چاہئے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو!

اس آیت میں اس امر کی صاف طور پر تصریح ہے کہ مشرکین اللہ کے سوا بعض اولیا را نبیاء اور ان کے کورفع مضریت و بربک منقذت کے لئے پکارا کرتے تھے اس لئے ان سے کہا گیا کہ جن کو تم ابداد کے لئے پکارا ہے ہو وہ مٹی تمہارے مانند بندے ہیں۔ محض صنایع و اوثان پر عباد کا اطلاق نہایت بعید معلوم ہوتا ہے لہذا اگر تو ان معام میں مراد لیں تو امثالکم کا لفظ اس سے بابت ہے ماسی لئے مقلد لئے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ مردان عباد سے ہم ہیں اور اس آیت کے مخاطب وہ ہیں جو ملائکہ کو پوجتے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقبول بندوں سے دعا کرنے والا بھی مشرک ہے ورمردود اس لئے کہ وہ من دون اثر و سبب کا نسبت و اثر و اثر عام ہے اور اس میں تو منبوقہت شامل ہیں مقبول ہوں یا مردودا (۳) قُلِ اذْهَبُوا الذِّنَّ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِیْ فَذَلٰی یَکُوْنُ کُشْفُ الضَّرِّ عَنْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا

اس آیت میں اس امر کی خوب تصریح کی گئی ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں کہ کسی کی مصیبت اور تکلیف کو دور کر سکے یا اس کو راحت و نعمت میں بدل دے، کوئی نبی، ولی، فرشتہ وغیرہ کسی کی مصیبت و ضرر کو دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور یہ احمق مشرک جن مبتیوں کو اچھے برے کا مختار جان کر پڑھتے ہیں ان کا خود یہ حال ہے کہ وہ حق تعالیٰ ہی سے امید رکھتے ہیں اور اسی کے عذاب سے لڑتاں و ترساں ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان سے مراد خدا کے مقبول بندے ہیں نہ کہ اصنام و اشرار عباد، کیونکہ حق تعالیٰ کے امیدوار رکھتا، اس کے قرب کا طالب ہوتا، اشرار سے ممکن نہیں اور اصنام سے تو اور زیادہ غیر ممکن ہے۔

پیدا کرنے کے قابل نہیں تو پھر غور کرو کہ انفرامی حیثیت سے وہ کس قدر عاجز ٹھہرتے ہیں۔

(۱) اب یہاں سے ایسی چیز کا طلب کرنا جس کے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں سو یہ بھی باطل ہے۔
 کیونکہ حق تعالیٰ نے جو چیز جس کے لئے مقدر کر دی ہے اس میں نہ وہ ایک ذرہ کا اضافہ کر سکتے ہیں اور نہ
 اس سے ایک ذرہ کی کمی، وہ کسی چیز کو ایک کمی سے بھی جھین کر دوسرے کو دینے کی سکت نہیں رکھتے اور نہ
 آپ ہی لینے کی قوت تو پھر ان سے عرض حاجات اور طلب مرادات کرنا کتنی حماقت ہے! اور آخر میں
 یہ بھی فرما دیا گیا کہ ان مشرکین سے حق تعالیٰ کی قدر جیسی چاہئے ویسی نہ سمجھی، اگر سمجھتے تو حق تعالیٰ کو تحسّر کر
 ان بچاروں سے کہ جن سے کہ ایک بھی تک نہیں بن سکتی کا ہے کو حاجتیں مانگتے اور مرادیں طلب کرتے
 خاک پڑے ایسی سمجھ پر جو بادشاہ کے دربار و نقیب سے بھیک مانگے! ہاں

شرمت باد کہ من بسوت نگراں باشم تو نہی چشم بسوئے دگراں (جائی)

یہاں "من حدوت اللہ ہے محض اصنام اور بت مراد لینا کسی طرح درست نہیں جیسا کہ ہم نے
 اوپر کہا ہے کہ یہ لفظ عام ہے، اللہ کے سوا جتنی مخلوق ہے سب اس میں شامل ہے۔ علاوہ ازیں حق تعالیٰ
 نے انھیں قابل عبادت اور لائق دعا اس سے نہیں قرار دیا کہ وہ کسی شے کی تخلیق پر قادر نہیں۔ لکن
 یخلقوا میں لکن اصل میں نفی مستقبل کے لئے آتا ہے اور اس کی نفی منو کہ ہوتی ہے جس طرح تمام اہل
 لغت اور مفسرین نے اس کی تصریح کی ہے اور ظاہر ہے کہ علت عام ہے تمام مخلوق کو خواہ انبیاء
 ہوں یا اولیاء، اغنیاء ہوں یا اشیاء، ان میں سے کسی کو تخلیق کی قابلیت نہیں اور یہ تو ہم بتلچکے ہیں کہ
 بت پرست اپنے بتوں کو بڑا معبود نہیں سمجھتے تھے بلکہ مقصود ان کی تعظیم سے اولیاء و انبیاء کی تعظیم
 تھی جن کی صورتوں پر وہ مرقم بنائی گئی تھیں چنانچہ امام لازمیؒ نے اس کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے۔

والقوم كانوا يعتقدون فيها انها طلمات موضوعة على صورة الكواكب

وانها تماثيل الملائكة والانبیاء المتقدّمین وكانوا يعظمونها على ان تعظمها

یوجب تعظیم الملائكة واولئک الانبیاءؑ

۱۔ دیکھو تفسیر کبیر اور مقامات کے لئے ج ۱ اول ص ۲۲۲، تیز ج ۲ ص ۶۸، تیز ج ۸ ص ۲۲۲۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو تعظیم و عبادت مخصوص بحضرت حق تعالیٰ ہیں شانہ پر اس کو
میاں دینا کے ساتھ متعلق کرنا ایسا ہی شرک ہے جیسا کہ بتوں کے ساتھ کرنا ان وجود کی بنا پر ان
ت کی تخصیص بتوں کے ساتھ باطل ہے اور نتیجہ ظاہر ہے کہ جس طرح بتوں سے دعا کرنا شرک جلی ہے
اسی طرح نبی و ولی سے دعا کرنا بھی شرک جلی ہے۔

(۵) لَدَعْوَةِ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ شَيْءٌ إِلَّا كِبَاسٌ كَفِيرٌ
اَلْمَاءُ لِيَبْلُغَ ذُوهُوَ مَبْلَغَهُ، وَمَا دَعَاءُ الْكَافِرِينَ اَلَا فِي ضَلَالٍ (میلہ ۸) سچا پکارنا اسی
سے خاص ہے اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور
نہیں کر سکتے جتنا کہ پانی یا شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دروں ہاتھ پانی کی طرف
پھیلانے ہوتا ہے کہ وہ اس کے منہ تک آجائے، اور وہ اس کے منہ تک آئے والا نہیں درکار میں کی
نی پکارنا اور خواست ہے سب گمراہی ہے۔

یعنی پکارنا اسی کو چاہئے، درد و مصیبت میں دعا اسی سے کرنی چاہئے جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا
سبب ہو، عاجز و فقیر کو پکارنے اور اس کے سامنے گڑگڑانے سے کیا حاصل؟ حق تعالیٰ کے سوا کون ہے
اس کے قبضہ میں اپنا یاد و سروں کا نفع و ضرر ہے۔ غیر اللہ کو اپنی مدد کے لئے بالائے ایل ہے جیسے کوئی پیلا
میں کے منہ پر کھڑا ہو کہ پانی کی طرف ہاتھ پھیلانے اور خوش ہو کر کہ میرے منہ میں پہنچ جائے ظاہر ہے
قیامت تک پانی اس کی قیاد کو پہنچنے والا نہیں بلکہ گرین میں سخی میں ہو تب بھی خود چل کر
تک نہیں جاسکتا۔

غور کرو کہ اس آیت میں "دعوت" یعنی دعا کی تخصیص حق تعالیٰ ہی کے ساتھ کی گئی ہے
لئے کہ جارحہ در جو معمول ہے "دعوت" کا وہ اپنے عامل پر مقدم ہے و تقدیم معمول کی مفید حصر مرقی
اس پر علمائے بیان کا اتفاق ہے اور مفسرین کا اجماع، چنانچہ ایتانہ نعبد و ایتانہ نستعین
یہی ہی صورت ہے۔ یہاں بھی حصر ہے۔ دعا کا تعلق صرف حق تعالیٰ ہی کے ساتھ چاہئے اور عبادت
اسی تخصیص کو مثال سے واضح کیا گیا کہ جو حق تعالیٰ کے سوا دروں کو پکارتے ہیں وہ ان

غم و دردِ عالم میں اسی کو بکارتا ہے اسی سے امید و جہارتا ہے اسی سے سکون و بوقلہی حاصل کرتا ہے۔
 ملا بیگانگی از خلق با حق آشنا کردہ بطبع من کس کم ساخن سیاری سازد

مومن موحّد کی سی شان کو حق تعالیٰ اس طرح ادا فرما رہے ہیں: و نشر البصائر للذین اذا
 ما بترہم مصیبتہ ذلور ذلور وانا البیراجعون (پ ۳ ع ۲) یعنی "ایسے صاحبِ برین کو بشارت سنا دیجئے
 ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں اور ہم سب اللہ تعالیٰ
 کے پاس جاتے ہیں۔ غور کرو یہاں "مصیبت" سم کر رہے ہیں وہ بھی عام ہے جس سے معلوم
 ملے کہ وہ مصیبت و آفت میں ہر درد و اہم میں ہر سخت و غم میں حق تعالیٰ ہی کو یاد کرتے ہیں، اسی
 بکارتا ہے، اسی سے فریاد کرتے ہیں کہ اللہم ارحمنا و ارحم الوالدین و اولادنا و اولادنا و اولادنا
 المستعان و لا حول و لا قوۃ الا باللہ" حق تعالیٰ آپ ہی کے لئے تمام تعذیب سزاوار ہے،
 آپ ہی کی طرف ہماری شکایت ہے و آپ ہی سے فریاد ہے و آپ ہی سے دعا ہے کہ ہمیں کوئی دوسرا
 اس کتاب سے ورنہ سوائے آپ کے کسی میں حرکت نہ ہو۔"

بارب ز تو یافت صورت آب گل من الطاف تو شد نہ جان و دل من
 سانی کار ز نو بہ وصل من ہم ز کرم تو وصل سود سئل من (درد)
 سی آیت میں آگے صاحبِ برین کو بشارت دی گئی ہے اس کی غفیں فرما رہے ہیں اولئک
 صلوات من رحمہ و رحمۃ صلوٰۃ و صلوات من رحمہ و رحمۃ یعنی رہی لوگوں پر خاص غفیں میں
 کے پروردگار کی طرف سے اور عام رحمت بھی ہے و یہی لوگ ہر بہت یافتہ "سی سے تضرع لازم
 ہے جو مصیبت و غم کے وقت غمِ اللہ کو یاد کرتے ہیں ان ہی سے فریاد کرتے ہیں اور ان ہی کو اپنا
 ادا و رہنما گاہ سمجھتے ہیں وہ نہ خاص رحمتوں کے لائق ہیں اور نہ عام رحمت کے مستحق ورنہ ہر بیت کے
 یعنی درد و غم میں غیر اللہ کی طرف شکایت لے جانے والے اس کی کو اپنی جان و دل کی پناہ
 والے حق تعالیٰ کی نفرین کے رفق، غضب کے ذریعہ درصداست میں گرفتار ہیں! ذرا مفاظ کی

تذات پر بھی غور کرو۔ اذیت کے بعد ضمیر منفصل لائی گئی ہے اور ہمد المہدوں فرمایا گیا ہے، غم دنیا کا اتفاق ہے کہ یہ ضمیر جہاں مبتدا و خبر میں آتی ہے مبتدا کو خبر میں منحصر کر دیتی ہے۔ اب اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہدایت سے وہی لوگ مختص ہیں جو وقت غم و ہنگام مصیبت حق تعالیٰ ہی کو یاد کرتے ہیں اور ان ہی سے فریاد کرتے ہیں اور جب ہدایت کا انحصار ان ہی پر ہو تو عندالت یا اگر اسی ان کے غیر میں منحصر ہوئی اذلت ہو الخیران المبین :-

نبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی پر غور کرو۔ جب ان پر مصائب کا نزول ہوتا (اور بھونٹے اشد الناس بلائاً) انبیاء مصائب ان ہی پر زیادہ نازل ہوئی ہیں (توان کہ رخ حق تعالیٰ ہی کی طرف پلٹتا ان کے ہاتھ حق تعالیٰ ہی کے سامنے پھیلتے، ان کا سر حق تعالیٰ ہی کے قدموں پر جھکتا تھا۔ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام، بنی لغزش سے واقع ہو کر انتہائی حزن و الم کی حالت میں حق تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں :-

رَبَّنَا ظَنَّمْنَا اَنْفُسَنَا بِرَانَ لَمْ
تُخَفِّرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنُ
من الخامسین (پیشہ ۹) واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائیگا۔

یارب اگر از جہل خطا شد کارم جاں از کرم ت شاد بود بسیارم
ز امید تو بس کہ دل بود بسیارم گویند کہ نیست از گنہ آزارم (درد)
اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی مکرش قوم کے جو رد ستم سے عاجز اور تنگ کر حق تعالیٰ ہی سے فریاد کیا کہ
اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ وَّاَسْتَعِیْزُ بِکَ (۸) میں درماندہ ہوں میرے پروردگار آپ انتقام لیجئے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تمکن و عز و در ماندگی کی حالت میں حق تعالیٰ ہی کی طرف توجہ کی اور پکارا
رَبِّ اِنِّیْ مَا اَنْزَلْتَ عَلَیْیَ مِنْ
لے میرے پروردگار جو نعمت بھی آپ مجھ کو بھیج دی
خیر یقیناً (پیشہ ۶) میں اس کا عاجز ہوں۔

غم نام و از درد تو با غم نہ روم جز شاد و امید دارم در خرم نہ روم (درد)
اندر گم ہوجو تو کر یے ہرگز نو مید کے نہ رفت و من ہم نہ روم

اور حضرت ایوب علیہ السلام نے ہجوم غم و الم کے وقت حق تعالیٰ ہی کو اپنی پناہ گاہ سمجھا اور التجا کی اتنی متعلقہ ضرورت آئی کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب

ارحم الراحمین (پڑھ) مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔

یار نب کریم تو گر نباشد مردم خنجر جگر از دیدہ رود تا ابد ہم!
اور حضرت یونس علیہ السلام نے غم و اندوہ کی تاریکیوں میں حق تعالیٰ ہی کو پکارا کہ
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (پڑھ) میں، میں بیشک قصور و گنہگار ہوں!!

یار نب کریم پرخش تقصیر مرزا مقبول کن نا لہ سنبگیر مرا
پیری دگناہ ماجرا ناست، عجیب مطف تو کند چارہ تدبیر مرا (مرید)

اور حضرت یونسؑ کے متعلق یہ ہے: فَوَلَّى اللَّهُ كَانٍ مِنَ الْمُسْتَجِيبِينَ لِلدُّعَاءِ
فی بطن ماتی یوم یبعثون (پڑھ) یعنی: گروہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک
اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتے۔ دیکھو! بہت کولام تاکید سے مولا فرمایا گیا ہے ورنہ نجات تسبیح
الہی کو قرار دیا گیا۔ نہ کہ: دُعا کی کہ نام کا ختم پڑھنے، ان کو پکارنے اور اپنا درد و غم ان کے
سامنے بھونکنے کو!

قرآن کریم میں ایک جگہ (پڑھ) حق تعالیٰ ہمیں جیسوں کی حالت کی خبر دے رہے ہیں کہ
جب وہ عالم شہادت، عالم برزخ، اور عالم حشر کی ہزاروں مصیبتوں و ربذلوں، آفتوں اور مشکلوں
کو اٹھا کر بالآخر جنت میں داخل ہونگے تو کہیں گے: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَفْتَدِيَ
لَوْ لَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ۔ یعنی حق تعالیٰ ہماری ہدایت نہ کرتے تو اس مقامِ راحتِ ابدی تک ہماری رہائی
کبھی نہ ہوتی! زندگی کے ہر قدم پر اور موت کے بعد ہر مرحلہ پر حق تعالیٰ ہی کا دستِ کرم ہماری تائید
کرتا ہے اسی لئے نصیحت فرمائی: اِعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ (پڑھ)۔
یعنی حق تعالیٰ ہی کو مضبوط پکڑے رہو وہی تمہارے کارساز ہیں کیسے اچھے کارساز ہیں اور کیسے اچھے مددگار!

اب انھیں چھوڑ کر کسی اور کی طرف رخ کرنا بے شرمی نہیں تو کیا ہے!

لے آئے بقلہ پتاں دوست ترا برغز چرا حجاب شد پوست ترا

دل دے ایں قاتل نہ تیکوت ترا یک دل داری ہر است یک دوست ترا

(جانی)

قرآن کریم کی ان تمام تصریحات کے بعد ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات طرف توجہ کرتے ہیں اور نہایت اختصار کے ساتھ چند دعاؤں کو پیش کر کے واضح کرتے ہیں کہ درج غم و ہم آفت و مصیبت کے وقت سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو یاد نہ کرنا چاہئے، ان ہی کی توجہ کرنی چاہئے اور ان ہی کا نام زبان پر آنا چاہئے، اس کے بعد امثال امر میں اسباب دنیویہ کا استہسا کیا جاسکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب بھی کسی قسم کی پریشانی لاحق ہوتی تو نماز پڑھتا یا نچہ مروی ہے اذا حزنت امر فزع الى الصلوة (رواہ احمد) اور ظاہر ہے کہ نماز میں سوائے تسبیح و تہلیل تحمید و تقدیس کے اور کیا ہوتا ہے۔ ترمذی میں ہے کہ آپ کو جب کوئی سخت کام پیش آتا تو فرماتے یا سئى يا قيوم برحمتك استغثت: دوسری حدیث میں ترمذی کی مذکور ہے کہ جب کسی امر کے متعلق فکر ہو تو سوں کی طرف نظر کرتے اور کہتے سبحان اسماء العظيم، جب دعائیں کوٹش کرتے تو فرماتے یا احي يا قيوم۔ آپ نے فرمایا کہ غلین کی دعا یہ ہے: اللهم رحمتك ارحوا ولا تكلني الى نفسي طرفة عين واصلم لي شافي كل داء لا اله الا انت۔ عیس کی صاحبزادی اسماء (جو حضرت عائشہ صدیقہ کی بہن تھیں) کو فرمایا کیا تجھے چڑا سی باتیں بتلا دوں جو غم کے وقت کہا کرے؟ کہہ اندھ اللہ ربی۔ اللہ ربی! شیشا (سات بار) آپ نے ایک انصاری کو جن کا نام ابوالاناس تھا غیر وقت نہ مسجد میں دیکھا جو حیا کہ اس وقت تم کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ قرض کے بدلے نیچے دبا جا رہا ہوں متفکر ہو رہا ہوں۔ تب صبح و شام اس دعا کو پڑھا کرو: اللهم الى اعوذ بك من الهم والحزن واعوذ بك من العجز والكسل واعوذ بك من الجبن والبخل واعوذ بك من غلبة الدين وقهر الرجال۔ ایک مرتبہ فرمایا۔ من لزم الاستغفار جعل الله له من كل هم فرجا ومن كل ضيق

اور زقہ من حیث لا یخسب یعنی جو ہمیشہ استغفار پڑھا کرے تو اندر اس کی ہر مصیبت کو دفع ہے اور ہر تنگی سے اس کو نکال لیتا ہے اور اسی جگہ سے مدق دیتا ہے یہاں سے گمان نکال دیا (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ عن ابن عباس) ایک اور موقع یہ فرمایا کہ جب کسی غم و مشکل ٹوٹ پڑے دے لا حول ولا قوۃ الا باللہ (کذا فی الشکوۃ)

دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ ما اودى نبی ما اودیت یعنی فتنی اذیت مجھے تنگی کسی نبی کو نہیں پہنچی مگر کیا کسی اذیت یا تکلیف کے وقت اپنے کسی نبی کو یاری نہ دے؟ آدم یا نوح نبینا یا ابراہیم حلیل اللہ؟ یہ وقت اسی ذات پاک سے فریاد کرو جو ہر مشقت کو دفع ہے ہر فاجر جہنم ہے کاشف غم ہے جو عجیب دعویٰ منضبط ہے حضرت بن عباس کو آئینہ لکھا کہ یا غلام احفظا للہ یحفظک احفظا للہ تجددہ تم احک و اذا سالت فاسئل و اذا استعنت فاستعن باللہ واعلم ان لا ملأوا جمعت علی ان یتغواہ بشیء لم یغواہ الا بشیء کمثلہ و لا اجمعتوا علی ان یضروک بشیء لم یضروک الا بشیء قد کسبه اللہ علیک رفعت یدہم وجفت الصفح (اخرجه الترمذی عن ابن عباس) یعنی ہر شے کے اند کو یاد رکھو وہ تجھ کو یاد دلائے گا۔ اللہ کو یاد رکھو کہ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا اور جب تو کچھ مانگے تو اللہ ہی سے مانگ اور جب چاہے تو اللہ ہی سے چاہ (ایاک نعبد و ایاک نستعین) اور یقین کر لے کہ اگر سب بندے جو کوشش کریں کہ تجھ سے چیزیں فائدہ پہنچائیں جو اللہ نے تیرے لئے مقدر نہیں کی تو وہ ایسا کرنے کی کوشش نہ پائیں گے مگر جتنا کہ اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا اور اگر سب بندے مل کر تجھے کسی چیز سے بچانے کی کوشش کریں جو اللہ نے تیرے لئے مقدر نہیں کی تو اس پر قدرت نہ پائیں گے قلم اٹھائے اور خشک ہو گئیں کتابیں دیکھو اس حدیث میں کس وضاحت و صراحت کے ساتھ استوائت عن

یہ حدیث کے الفاظ میں مصیبت زدہ یہ دعا پڑھے کہ: اللہم فارح الهم کاشف الغم عجیب دعویٰ منظرین رحمٰن الدنیا ورحیمہا امنت ترجمتی فارحمی برحمۃ تغیننی بمعان رحمتہ مع مراءک (الحاکم و ابن مردودہ عن ابی بکر صدیق) ملکہ مشکوٰۃ باب فضل التقریر۔

غیر اللہ سے منع کیا گیا ہے اور کس طرح سمجھوں سے تو کر صرف حق تعالیٰ ہی سے جوڑا گیا ہے! کفی باللہ وکیلاً!

از خدا خواہم و از غیر نخواہم بخدا کہ نیم بندہ دیگرہ خدا سے دگرست!

یہ کہہ کر کہ ساری دنیا تجھے فائدہ نہیں پہنچا سکتی (کیونکہ وہ ایک کمی کی تخلیق پر مبنی قادر نہیں)

احتیاج کی ساری نسبتوں کو جو غیر اللہ کے ساتھ قائم کی جا سکتی ہیں ایک ہی ضرب میں کاٹ دیا گیا ہے

اور پھر بنا کر کہ ساری دنیا تجھے ضرر پہنچانے پر قادر نہیں (کیونکہ وہ کمی سے جس کوئی شے چھین نہیں سکتی) غیر اللہ

کے خوف کو سینے سے ہانک کر دیا گیا ہے اور اس طرح ہمیں خوف و حزن کی ان زنجیروں سے بالکل

آزاد کر دیا گیا ہے جو غیر اللہ ہمارے ہمیں و شرک کی وجہ سے ہماری گردن میں ڈال سکتا تھا! اب میں توحید

ہی کی بدولت آزادی و حرأت کے ساتھ با آواز بلند کہہ سکتا ہوں:

لَوْ أَنَّ الثَّقَلَانِ الْأَشْرَقَ الْجَنِّ اجْتَمَعَا يَرِيدُونَ أَيْدِيَّ مَا لَأَصْغُرَ عَمَلِي

يَكُونُ لَهَا رَبُّ السَّمَوَاتِ نَاصِرًا لَمْ يَخْشَوْا مِنْهُ نَادِي مَضْرُوبًا

کیا یہ آناری ابے خرقی یا استقلال ان شرک پسند گروپرستوں کو حاصل ہو سکتا ہے جو ہر پیر اور شہید

کو ناف نثار سمجھ کر ان سے اپنے فقر و سبقت کی نسبت کو جوڑتے ہیں ان ہی کے آگے سرِ باز خم کرتے ہیں اور ان ہی

کے سامنے دستِ سوال پھیلاتے ہیں ورنہ رسول کی اس نصیحت کو بھول جاتے ہیں کہ

يَسْأَلُ أَحَدُكُمْ رِبًّا حَاجَةً كَهَاجَتِي هَرَكِي كَوْفُ هَيْءُ كَأَنِّي سَارِي حَاجَتِي

يَسْأَلُ الْمَلْمُوحَ حَقِّي يَسْأَلُ شَمْعَ

نَعْلًا إِذَا انْقَطَعَ (انرجہ انرندی عن انس) ی دلمتہ ورجتی کا تسمبھی گزوث جئے

حضرت شیخ عبد اللہ درحیانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بنفیس فوس ہے کہ قاصد کی ایک بڑی

تعدد نے اپنا معبود مقرر کر رکھا ہے۔ صائب میں ان ہی کو پکارتی ہے آؤ تم کے دورِ برنے کے لئے ان

ہی کے نام کا جھنڈا اپنے گھروں میں کھڑا کرتی ہے) حدیث ابن عباسؓ کو جو اوپر مذکور ہوئی اپنی فتوح الغیب کے

سلہ لکھ کر جن دافس دونوں جمع ہو کر چھوٹی سے چھوٹی چیزیں کو دیکھ پہنچا تا جاہل اور حق تعالیٰ ان کے ناصر و مددگار

ہوں تو وہ اس کو ادنیٰ مضرت بھی نہیں پہنچا سکتے۔

نقل فرماتے ہیں اور اس کے بعد نصیحت کرتے ہیں کہ: فَيُغْنِي لِكُلِّ مُؤْمِنٍ أَنْ يُجْعَلَ هَذَا الْحَدِيثُ
 نَافِعًا لِقَلْبِهِ وَشِعَارَهُ وَدُثَارَهُ وَحَدِيثُهُ فَيُجْعَلُ بِهِ فِي جَمِيعِ حَرَكَاتِهِ وَسُكُنَاتِهِ حَتَّى يَسْلَمَ فِي الدُّنْيَا
 وَالْآخِرَةِ وَيُجْعَلَ الْعِزَّةُ فِيهَا بِرَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى. یعنی ہر مومن کو چاہیے کہ اس حدیث نبوی کو اپنے قلب
 کے لئے آئینہ بنائے تاکہ اس کے مضمون میں اپنے دل کا حال دیکھے، اور اس کی خوبی و شئی راستی و سچی
 معلوم کرے، بلکہ اس حدیث کو اپنے اندر اور باہر جامہ بندے اور ہر وقت کے لئے اس کو ایک
 نون و حکایت ٹھیرائے کہ اپنے دل سے اس کی تکرار کرتا رہے اور اپنے تمام حرکات و سکنات میں اس پر
 عمل کرے تاکہ دنیا و آخرت میں تمام آفات نفسی و آفاقی سے محفوظ رہے اور اللہ کی رحمت سے دونوں
 دہان میں عزت پائے۔

شیخ جیلی توحید کے آفتاب تھے۔ آپ کی کتاب مستجاب "فتوح الغیب" کی ہر سطر سے توحید
 عظیم مترشح ہوتی ہے اور سلسلہ عالیہ قادریہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے الفاظ میں "اتباع کتاب
 و جناب از وقوع درجہاوی بدعت کے سوا کچھ نہیں! اسی سے محدث دہلوی کے چل کر فرما
 ہے: پیرا فرمود کہ در سہل دیگر از چہ پائے دیگر پر سدا دریں سلسلہ از شریعت زہار کہ تا شریعت مظہر
 حمایت نہ کند ز تو!"

ابن ابی عمیر | مشرکین کی عبادت کے پہلے بڑے ہم نے صنوف بالائیں تفصیل سے بحث کی کہ یہ
 مشرک کو مقرب و شفیع، نافع، وصال کران سے بنی حاجت کے وقت فریادری چاہتے تھے،
 ان کو پکارتا یا، سفاکتہ کرتے تھے، یہی ان کا شرک تھا "اشراک فی التہفون" تھا، اگر ان ہی افعال
 و عبادت کی کتب سے سو تو اس پر بھی شک کا اطلاق کیا جائے گا، وہ جس کی کلمہ گوئی احمق و شک سے
 نہ ہوگی، جس کا شک فی تصدیق میں نہ ہوگا، جس کا شک فی عمل ہی نہ ہوگا، جس کا شک فی مصیبت
 و وقت غیبت نہ ہوگا، نہ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس درد و غم کو دور کرنے کی قدرت رکھنے میں
 اس کا نقص بھی نہیں ہوتا ہے کہ وہ اس کے من مستغنیہ و بیمار کو بہ وقت و ہر جگہ سے سن بھی

سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ بغیر سننے اور مطلع ہونے کے وہ اس کی مدد کر کے سکتے ہیں؟ اس طرح وہ غیر اللہ کو علم غیب سے بھی متصف کرتا ہے حالانکہ علم غیب خصال نصِ انہی سے ہے اور غیر اللہ سے قطعاً مطلوب! یہی اس کا اشراک فی اعلم ہے! اور اس سے زیادہ ضلالت اور گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے! **اَوْ مِنْ اَصْلُ مِثْنٍ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دَعْوَاهُمْ غَافِلُونَ** (پ ۱۷۶ ع ۱) اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے اور ان کو ان کے پکارنے کی بھی خبر نہ ہو۔

یہ امر کہ علم غیب خاصہ حق سبحانہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کسی کو نہیں، قرآنِ مبین میں نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے چنانچہ اجمالی آیات پر غور کرو۔
 (۱) **وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَالْأَلْأَلِ** اور آسمانوں اور زمینوں میں جتنی غیب کی باتیں ہیں ان کا علم خدا ہی کو ہے اور سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے۔ (پ ۱۷۳ ع ۱۰) کلمہ۔

اسی مفہوم کو نفیاً اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہو کر
وَالْأَرْضِ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (پ ۱۷۴ ع ۱) کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور ان کو یہ خبر نہیں کہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔
 (۲) **لَهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** تمام آسمانوں اور زمین کا علم غیب اسی کو ہے وہ کیسا کچھ
ابصر به واسمعه (پ ۱۷۴ ع ۱۲) دیکھنے والا اور کیسا کچھ سننے والا ہے۔

(۳) **قُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ** آپ فرمادیجئے کہ غیب کی خبر صرف خدا کو ہے۔

مندرجہ ذیل آیات میں غیر اللہ سے علم غیب کی مطلق نفی کی جا رہی ہے۔

(۴) **وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ** اور اللہ ہی کے پاس کنجیاں ہیں تمام غفی اشیا کی،
لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (پ ۱۷۴ ع ۱۳) نہیں جانتا ہے انھیں لیکن وہی۔

خود انحضرت صلعم نے غیب کی کنجیوں کی تفسیر ان پانچ چیزوں سے فرمائی جن کا ذکر صراحتاً سورہ قحان میں آیا ہے

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ وَهُوَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيُعَلِّمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ

بِشَيْءٍ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَهُوَ يَظُنُّ أَنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي يَدَيْهِ ۚ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْغَنِيُّ ۚ

مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۚ وَفَاتِدْرِي ۚ

نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (شک ۱۳۷)

جتنے حوادث کو نیا اور وقائع غیبیہ ہیں سب ان پانچ میں داخل ہیں (۱) حوادث سماویہ کو

انزال غیب میں شامل کیا جاسکتا ہے جس کا تعلق آسمان سے ہے (۲) حوادث ارضیہ کا علم مافی الارحام

میں داخل ہیں اور (۳) حوادث حیات کا تعلق لازماً ماذا تکسب غدا سے ہوگا اور (۴) حوادث موت

وابعاد موت ظاہر ہے کہ مگر تدری نفس باقی ارضی موت میں شامل ہیں جب ان تمام حوادث و امور غیبیہ کا علم

صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے اور کسی فرد بشر کو عطا نہیں کیا گیا تو ظاہر ہے کہ کسی حادثہ غیب کا علم

انسان کو نہیں ہو سکتا اور جب (۵) علم قیامت کسی نبی کو نہیں حالانکہ سب اس کی خبر دینے میں متفق ہیں۔

تو اور حوادث آتہ کا علم بدرجہ اولیٰ ان کو نہ ہوگا۔ غرض جب ان پانچ کا علم کسی کو نہ ہو تو اور چیزوں کا

علم بدرجہ اولیٰ نہ ہوا، اسی لئے ان کو مفارح غیب کہا گیا ہے گویا جملہ امور غیبیہ ان کے اندر ہیں اور یہ

تمام خزان غیب کی کنجیاں ہیں اور جب خزانہ کی کنجی ہی کسی کو نہ ملے تو اس سے سے ایک جہ بھی نہیں مل سکتا

(۵) وَلَا أَفُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ ۚ أَدْرِي مَا تَكْسِبُ غَدًا ۚ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْغَنِيُّ ۚ

أَقُولُ إِنِّي مَلِكٌ (شک ۱۳۸)

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام

خزانے ہیں اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام

خزانے ہیں اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام

خزانے ہیں اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام

خزانے ہیں اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام

اعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سُبُكُنْتُ كَفَرُ تَعَالَى نَ جَاہِ ہوا اور میرے غیب کی باتیں جانتے ہوئے میں
مِنَ الْحَبْرِ دَوَّامَتْنِ اسْتَوُ بےست سے نفع حاصل کر سکتا اور کوئی مفہور نہ ہی مجھ پر واقع
إِنَّا أَنَا لَا نَذِيرُكَ نَسْتِيرُ نہ ہوتی میں تو محض بٹرت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں
لَعَدُوكُمْ بِدَعْوَانِ ان لوگوں کو چاہا ان رکھتے ہیں۔ (پتہ ۱۷)

یعنی میں ایک بندہ ناتوان ہوں اپنے لئے جلب نفع و دفع ضرر کی قوت نہیں رکھتا مگر جو میرے
مالک چاہے نفع و دفع سے، پھر اس بیان کو اس طرح موند کیا جا رہا ہے کہ اگر میں غیب کو جانتا تو جو
بات بھلائی اور نفع کی ہوتی اس کو اپنے لئے حاصل کرتا اور جو بات بری اور اعتدال کی ہوتی اس سے دور
رہتا تاکہ وہ برائی مجھے نہ لگے، لیکن میں تو ایک بندہ عاجز ہوں، میں کیا جانوں کہ میرے رب میرے مالک
کے علم میں میرے لئے، چھا کیا ہے اور بر کیا، میرے حق میں اس کا حکم کیا ہے اور کونسی چیز میرے لئے مقدر
کر رکھی ہے جب مجھے اتنا بھی معلوم نہیں تو پھر کسی اور بات کا معلوم ہونا کیسا! یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بطور تواضع و دب نہیں فرما رہے ہیں بلکہ بطریق اعتقاد قلبی پیش فرما رہے ہیں کیونکہ غیب حق تعالیٰ ہی کی
خصوصیت خاصہ ہے عالم الغیب فلا یظہر علی غیب احدنا (پتہ ۱۲) سے صاف طور پر اس کی وحدانیت
ہو رہی ہے اور اوپر جو آیات پیش کی گئیں وہ اس کی تائید کر رہی ہیں، ہر قسم کے اشتباہ و غلطہ کو رفع کر رہی ہیں
اب رہے معجزات تو جیسے ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں تفسیر کر دی ہے وہ مختص میں سر
تفسیر عمومی سے اکامین از تفسیر میں رسول (پتہ ۱۲) یعنی جب حق تعالیٰ چاہتے ہیں کسی نبی یا رسول
کو بذریعہ وحی کسی غیب پر مطلع کر دیتے ہیں۔ نبیائے علم غیب کی نفی عقائد اسلام میں داخل ہے اور
کا ذیل اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ یہ عقائد خود انبیاء علیہم السلام کے تعلیم کردہ ہیں۔ لہذا انبیاء و رسول علیہم السلام
کی نفی کرنے میں نہ کسی طرح تحقیر نہیں ہوتی، ایسا سمجھنے والا مجنوں ہے، کتاب و سنت سے جاہل
دیکھو سورہ نمل میں حق تعالیٰ بربہر کا قول نقل فرما رہے ہیں "أَحْطَشْتُ لِمَا لَمْ تَحْطُ بِهِ" یعنی ہر ہر حضرت
سیمان علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ "میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو
معلوم نہیں ہوتی" اس آیت کو سن کر کوئی بربہر کا بچہ بھی ایسی بیوقوفی نہ کرے گا کہ انبیاء و اولیاء کو

علم غیب سے متصف سمجھ کر دور دور سے استوائت کے لئے چارے اور سمجھے کہ وہ اس کے پکارنے کو سن
یتے ہیں، آدمی کے بچے کا تو کیا ڈر ہے:

اب ذرا چند ان حدیثوں کو بھی سن لو جن سے غیر اللہ سے علم غیب کی کلی نفی ہوتی ہے اور حق تعالیٰ
ہی سے مختص کیا جاتا ہے۔

(۱) واللہ لا ادی واللہ لا ادی یعنی باوجودیکہ میں خدا کا نبی ہوں پھر نہیں جانتا کہ میرے
والا رسول اللہ فایفعل بی ولا ینکم ساتھ کیا معاملہ پیش آئے اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے

(۲) عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت من حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جو شخص سے

اخبار ان فحمد اصلہ علیہ وسلم یہ کہے کہ میں نے حضرت زید یا نج یا میں جنت سے

یعلم الخمس النقی قال اللہ تعالیٰ ان اللہ جن کا اللہ نے ذکر کیا ہے (آخر سورہ لقمان) تو

عندہ علم الساعۃ فقد اعظمہ انفریۃ یہ اس نے بڑا طوفان باندھا۔

(۳) عن الربیع بنت معوذ بن عفاء قالت جاء ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے

النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل حین مکان میں تشریف لائے جب میری شادی

بنی علی فجلس علی فراشی بمجلسک منی ہو رہی تھی پھر میرے پاس مندرجہ بیٹھے۔ ہماری

فجعلت ہر رب رب بنی باندھو کہہ بڑیاں گانے گیس دف بجا کر اور ہمارے ان

یمنہن مرقل من ابائی یوم بدیر اذقات بزرگوں کا ذکر کرنے لگیں جو ہم میں رہے گئے تھے

احدھن وفینا نبی یعلم ما فی غد فقد ان میں سے ایک کہنے لگی کہ ہم میں ایک یہ

دعی ہذہ وقولی بالذی کنت نبی ہر جو جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا آپ نے فرمایا کہ

تقولین۔ ۳۵ مت کہہ دیکہ جیسے کہہ رہی تھی یہی کہے جا

ان تینوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی بزرگترین اور کامل ترین ہستی اپنی ذات

مقدس سے علم غیب کی نفی فرما رہی ہے، پھر آپ کی امت سے کسی کی یہ مجال کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ

نبیاء و اولیاء کی طرف کی جاسکتی ہے۔

دیکھو غیب اضافی کے معنی تو یہی ہوئے کہ بعض پر ظاہر ہوتا ہے اور بعض پر پوشیدہ رہتا ہے۔ مثال کے طور پر نیت جو ہر کور سے ترازو سے پر غیب میں آتا ہے عین کے لئے غیب ہے۔ بالوں پر غور کرو، دروازے کے لئے غیب ہیں لیکن آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح آوازوں کے لئے غیب نہیں، دروازے کے لئے غیب ہے۔ اسی طرح حیر آباد کا حال حیر آباد والوں پر غیب نہیں، بریلی والوں کے لئے غیب ہے۔ نظام ہے کہ غیب اضافی کے جاننے میں کچھ اولیاء و نبیاء کی تخصیص نہیں۔ نہ نبی جلع جو عین ہے، نہ غیب میں۔ کوسر مرزا نے فرمایا جو من جانتا ہے۔ اسی طرح دوزخ کو بہرہ کس دوزخ وہ نیک تر ہے۔ دوزخ دوزخ ہے۔ غیب میں۔ نبیاء و اولیاء کو جو قاع یا حوادث حق تعالیٰ بذریعہ وحی و انہم بتاتے ہیں وہ وہ ان کو معلوم ہو جاتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کے غیر تہ دینہ کے یہ سرگز معلوم نہیں، میرے اور حق تعالیٰ نے اس بات کی خبر نہیں دی کہ زمین و آسمان میں جتنے حوادث و امور ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی اطلاع کسی نبی یا ولی کو اس لئے نہیں ملتی ہے۔ محض یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید کا یہ کلمہ کہ انکار ہیں کہ ان میں سے کسی میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ یہاں کے صرف سے یہ کلمہ کہ ان میں سے کسی میں غلطی نہیں، الہام بھی شیطانی ہوتا ہے، اور کسی رحمانی، اسی کے اولیاء و نبیاء۔ یہی وقت تک غلط نہیں کرتے جب تک کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق نہ ہو۔

تیسری حدیث کی تاویل میں مصیبتی ذہنیت کا شعور رکھتا ہے، پہلے یہ کہنا چاہیے کہ قرآن مجید میں جمیع علوم موجود ہیں اور ان سب کا علم رسول کو ہوا۔ انہو کے لئے جس نام آئے گا اور جہل منافی شان رسول ہے، یہاں ایک کھلم اٹھا ہے۔ کہ ان میں سے جمیع علوم کے موجود ہونے سے مراد جمیع علوم دنیویہ کے ہوا کچھ نہیں، بلکہ جو کہ خلق و حدوث انسانی سے ہوتا ہے جس کے حصوں کا انسان مکلف ہے۔ قرآن کریم میں نہ ملا کہ کسی علم تعداد موجود ہے نہ

ذراستائین کے اعہ ادا اور نہ نجوم کی گئی۔ نہ انجیزنگ کی تصدیق ورنہ حیوانات، مصریات، کی کلی توضیحات انسان چیزوں کا کتاب الہی میں ہونا ضروری ہے اور نہ ہم ان کے تصور پر مامور ہیں اور نہ روزانہ بیان کی تبلیغ ضروری اور نہ ان سے جمل مناقشہ بن رسول: خود حق جانی ہے اس امر کی توضیح کر دی ہے کہ بہت سی باتوں کا ہم نے قرآن میں ذکر نہیں کیا مثلاً: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (پ ۳ ع ۱۲) یعنی بہت سے رسولوں کا ذکر ہم نے کیا ہے اور بہتوں کا ذکر نہیں کیا!

بعض دفعہ یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ دعیٰ ہذا وقولی بالذی کنت تقولین۔ محض اس بات پر رد کرتا ہے آپ کو ان لڑکیوں کی باتوں کے سننے کا اشتیاق تھا جو وہ شہداء و بیدار کے متعلق کہہ رہی تھیں، علم غیب کا انکار کرنا مقصود نہ تھا۔

اس توجیہ میں بالکل اسی قسم کی ہوشمندی و دہانت سے کام لیا گیا ہے جو ہمیں اس احمق میں ملتی ہے جس کی ٹانگ میں تیر لگا تھا اور خون بہہ رہا تھا وہ درس کی عورت دونوں خون پونچھ رہے تھے اور احمق عقل کا دشمن برابر کہے جا رہا تھا کہ خدا کرے تیر لگا ہوا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ان لڑکیوں کی اتنی بات سن کہ ہم میں ایک نبی ایسا ہے جو کل کی بات جانتا ہے دست میں کہ یہ بات پورے اور اپنا پہلا قصہ جاری رکھو۔ اور اس کی تاویل یوں کی جا رہی ہے کہ علم غیب کا کار مقصود نہیں بلکہ کل کی بات جاننے کی نفی و تفسیر کلیہ کے طور پر خود قرن مبین میں حق تعالیٰ فرم رہے ہیں: وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا، یعنی کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا! اب اس صریح تردید کے بعد تاویل کا کونسا دروازہ کھلا رہتا ہے عا ہشدار کہ وہ خود بخود دم نہ کنی!

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال کی تہذیب ان احوال و واقعات سے بھی کر لو جو آپ کی زندگی میں رونما ہوئے۔ ان میں سے صرف تین کا یہاں ذکر کافی ہو گا۔

سنہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے تو وہ ہیں کہ ان کا قصہ ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کا ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

وہ صرف اتنی ہے کہ حق تعالیٰ ہی عالم غیب میں ان کے سوا مخلوقات میں کوئی ہستی عالم غیب نہیں
 ان ہی کے علم عطا فرمانے پر انبیاء و اولیاء کو غیب کے بعض واقعات کا علم ہوتا ہے، یہ ان کی اختیار کا
 چیز نہیں کہ جب چاہا معلوم کر لیا، یہ حق تعالیٰ ہی کا اختیاری فعل ہے کہ جب چاہا اور جتنا چاہا کسی نبی
 و رسول کو بذریعہ وحی غیب پر مطلع کر دیا! اسی بات کو حضرت سعدیؒ نے اپنے شہور اشعار میں حضرت
 یعقوب علیہ السلام کے الفاظ میں اس طرح ذکر دیا ہے ۵

بکے پرسید زان گم کردہ فرزند - کہ اے روشن گہر پیر خردمند!

ز مصرش بوسے پیر بن تمیدی - چہ در چاہ کنعانش ندیدی!

بگفتا دل من برق جہاں مست - دے پیدا ددیگر دم نہانت!

گہی بر طارم اعلیٰ نشینم - گہے بر پشت پائے خود نہ بینم!

اگر در دیش بر حالے بماندی - دودست از ہر دو عالم بر فغاندی

واشرک فی التصرف اور اشراک فی العلم کو اچھی طرح سمجھ جانے کے بعد اب یہ بات صاف
 ہو جاتی ہے کہ نذر و صدق مندرجہ ذیل تمام صورتیں قطعاً ناجائز و حرام قرار پاتی ہیں کیونکہ یہ کفر و شرک
 کی طرف منجر ہوتی ہیں۔

(۱) رد و صیبت کے وقت اولیاء اللہ کو اس عقیدہ کے تحت پکارنا کہ یہ ہر جگہ سے ہماری نوائے
 درد کوٹن جیتے ہیں اور ہماری اعانت کر سکتے ہیں۔ یہ قطعاً شرک فی العلم و اشراک فی التصرف ہے تمام
 فقہاء نے اس کی تکفیر کی ہے قرآن کریم اور احادیث نبوی سے اس کا تفصیلی ثبوت اور پردیا جا چکا ہے۔

(۲) اولیاء اللہ کی قبہوں پر جا کر ان کو پکارنا۔ اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) قبر کے نزدیک جا کر ان سے
 یہ کہنا کہ آپ میری ذمہ دہ سنے، میری بے کوفال دیکھئے میری حاجت کو رو کیجئے، یہ استغاثہ و استعانت
 دعا اور طلب حاجت ہے خواہ قریب سے کی جائے یا دور سے، اور یہ سراسر شرک اور کفر ہے۔ دعا کی تفصیل
 میں دیر اس کا ثبوت دیا جا چکا ہے۔

(۲) قبر کے نزدیک جا کر ان سے یہ کہنا کہ آپ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ میری بلا کو مٹال دے

در میری حاجت کو رو کر کہ یہ قطعا بہر عمت ہے، قرون مشور لیا، بخیر میں کسی نے یہاں نہیں کہا۔ امام بڑے
نے ایک شخص کو دیکھا کہ صالحین کی قبروں پر آکر رہ رہا ہے کہ ہل نکم من خبر وہں عند کم من اثر
فی امتکم و نادیتکم من سہور و لیس سوا فی منکم اذ الدعا فہم در یتیم ام غفلتم لے اہل قبور
چہ تم کو خبر بھی ہے اور کیا تم پر کچھ اثر بھی ہوتا ہے کہ کئی ماہ سے میں تمہارے پاس آتا ہوں اور تم کو پکارتا
ہوں، میرا سوال تم سے صرف اتنا ہے کہ تم میرے لئے دعا کرو، کیا تم کو میرے حال کی خبر بھی ہے یا تم
فہم ہو میرے حال سے، یہ سن کر امام عظم نے اس شخص سے بوجھا ہل اجابوا الذی کی انہوں نے تجھ کو
دینی جواب دیا، اس نے کہا، نہیں، آپ نے غائب آئینہ لوح میں فرمایا، صحفائے برکت پر، کیف
یجاء جانا الا یتطہون جواباً ولا یملکون شیئاً ولا یمعون صوتاً یعنی بھٹکا رہو تجھ پر خاک لو
اے تیرے دونوں ہاتھ ایسے جسم کیسے بات کر سکتے ہیں جو جواب کی طاقت ہی نہیں رکھتے، جو کسی شے
لے مالک نہیں، جو کوئی قازمی نہیں سن سکتے، پھر آپ نے یہ بیت پڑھی: دَعَا أُمَّتٍ بِمَشْرِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ
فی جن تعالیٰ حضور نور صمم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: آپ ان لوگوں کو جو قبر میں ہیں کہہ نہیں سنا سکتے، یہ
امام عظم کے اس خطاب سے مندرجہ ذیل امور کی وضاحت ہو رہی ہے:-

(۱) اولیاء و صالحین کی قبروں پر گران سے خطاب کی طرح جائز نہیں۔ آپ نے بے لوگوں
بہر دعا دی ہے جو اہل قبور سے دعا کے طالب ہوتے ہیں، اگر آپ کو ان جہاں کا حال معلوم ہوتا، جواب قبور
سے رزق، صحت و اولاد ملنے لگتے ہیں اور ان کو مستقل یا غیر مستقل طور پر اس پر فادہ جانے میں تو یقیناً ان کو
مرک و کافر و ملعون قرار دیتے اور گردن مارنے کا حکم دیتے!

(۲) مردے نہ سن سکتے ہیں اور نہ تو اب دے سکتے ہیں۔ ہم بدوں کا، مٹا، صبیحوں کا دور کرنا
سے کیا ہو سکتا ہے! اور جب یہ نزدیک سے سن نہیں سکتے تو دور کی کب سنیں گے، محققین خفیہ سلع
نے کے قابل نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کستان بدر سے جو خطاب فرمایا تھا اس کی توجیہ
بہت طریقوں سے کی گئی۔ بہترین توجیہ یہ ہے کہ:-

یہ آپ کا معجزہ تھا۔ حق تعالیٰ نے آپ کی بات کفار موتی کو سادی تھی، چنانچہ کفایہ میں ہے:
 ومن اجوبہ ہما نزلو صحف فذاک معجزۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کافی شرح والی میں صراحت
 کی گئی ہے کہ وامقصود من الکلام الا فہام وذا بالاسماع وذا لا یتحقق بعد الموت یعنی مقصود
 کلام سے فہم ہے اور یہ اسماع کے ذریعہ ہوتا ہے اور اسماع موت کے بعد محقق نہیں، سی طرح
 عینی شرح ہدایہ میں قولہ لان امقصود من الکلام الا فہام ای افہام فلا نا والموت ینافیہ
 ای ینافی الکلام الاسماع والمیت لیس باہل السماع الا تری الی قولہ تعالیٰ امک لا تسمع الموتی
 والی قولہ تعالیٰ ویا انت بمسمع من فی القبور۔

شرح مواقف میں تصریح کی گئی ہے کہ علم و قدرت و ارادہ، سمع بصیریت کے لئے ثابت کرنا
 فرقہ صالحیہ کا عقیدہ ہے جو معتزلہ کا ایک گروہ ہے۔ انصالحیہ صاحب الصالحی ومن عہدہما فہم جواز
 قیام اعمروانقدرۃ والارادہ والسمع والبصر بالمیت ویزمہم جواز ان یکون الناس مع انصافہم
 بھذاہ نصفاً امواتاً وان لا یکون الباری تعالیٰ حیاً یعنی صالحیہ گروہ ہے صالحی کا اور مذہب ان
 یہ سبب کہ انھوں نے میت کے لئے علم و قدرت و ارادہ، سمع و بصر کو بائز قرار دیا ہے، ان کے مذہب کا
 رو سے تو یہ لازم آتا ہے کہ جو لوگ ان صفات سے محروم ہیں وہ سب مردہ ہیں اور حق تعالیٰ بھی مردہ
 نہیں، اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ کٹر گورپست مشائخ سی فرقہ صالحہ کے عقیدہ پر قائم ہیں
 لغویہ میں مذکور۔

غرض جب مردہ سن نہیں سکتے ورامی وجہ سے حق تعالیٰ نے کافروں کی تشبیہ عدم میں
 مردوں سے دی اور ثابت سمع عقیدہ ہے صالحیہ مفسدین کا جو معتزلہ کا گروہ ہے تو بھگتوں کے بڑے جا
 مردوں کو پکارنا اور ان سے دعا کی درخواست کرنا بسا ہی ہے جیسے کہ کوئی بے عقل تپھر کو پکارے ورامی
 سے دعا کی خواہش کرے، یہ فہم کسی پاگل سے تو صادر ہو سکتا ہے عاقل و ہونہ مند سے کیسے ممکن
 عموم۔ یہ پاگل مردوں و قبروں میں نہ صرف زندہ اور توانا سمجھتے ہیں بلکہ ان کو حق تعالیٰ کے

اپنا شفیق اور مقرب بھی جانتے ہیں، اسی لئے وہ ان کی عبادت کرتے ہیں یعنی ان کے سامنے ذلیل و خوار بن کر کھڑے ہوتے ہیں، ان کی قبروں کو بوسہ دیتے ہیں اور ان کا طواف بھی کرتے ہیں اور کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اذکذا هو الخدران المبین!

یہاں غلط فہمی کے رفع کرنے کے لئے اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ جو شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر دورے درود بھیجتا ہے اس کو آپ تک فرشتے پہنچاتے ہیں، آپ اس کو نہیں سنتے! البتہ بزرگانِ دین اور محققین شرع متین نے اس امر کی تصریح کی ہے اور روایات مرفوعہ میں بھی یہ امر مذکور ہے کہ جو شخص آپ کے مزار مبارک کے قریب درود بھیجتا ہے اس کو آپ بخوبی سنتے ہیں۔ چنانچہ ابو بکر احمد بن حنبل نے شعب الایمان میں ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری ممجئہ من صلی علی نائیاً ابغثہ یعنی جو درود بھیجتا ہے میری قبر کے نزدیک اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو درود بھیجتا ہے مجھ پر دورے وہ مجھ تک پہنچا جاتا ہے یعنی بذریعہ ملائکہ اور میں خود براہِ راست نہیں سنتا، ورنہ پہنچانے کی ضرورت نہ ہوتی جیسا کہ قبر کے پاس کے درود کے متعلق پہنچانے کا ذکر نہیں کیا!

اسی طرح ابنِ تیمیہ نے شرح ہمزہ میں ذکر فرمایا ہے: اذا صلی وسلم علیہ عند قبرہ سمعہ منہا حقیقاً ویرد علیہ من غیر واسطۃ وان صلی وسلم علیہ من بعید لا یسمعہ الا بواسطۃ ید علیہ احادیث کثیرہ یعنی جب کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس سے آپ پر درود و سلام بھیجتا ہے تو آپ اس کو حقیقت میں سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اس کا بلا واسطہ و اگر کوئی دور سے آپ پر درود و سلام بھیجتا ہے تو آپ اس کو نہیں سنتے مگر بواسطہ (یعنی فرشتے آپ تک پہنچاتے ہیں) بہت سی حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔

اسی چیز کو ثہ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح مشکوٰۃ میں یوں تصریح کی ہے: سخن دران مذکور

مشکوٰۃ باب العلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصل ثالث۔ سئلہ ان الله ملائکته سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی بالسلام (سیفان توری کی حدیث عبد اللہ بن مسعود سے رواہ النسائی و ابو حاتم فی صحیحہ)

ابن فضیل رحمہ اللہ زات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخصوص بزمِ اشراف اور مت صلی اللہ علیہ وسلم
 مثل داخل مجلس کہ سلام گوید یا عام است بر ہر کسی را کہ سلام فرستد چنانکہ در تشبہ و غیراں، و ظاہر ہمیں است
 الا انکہ سلام زائران بنفس شریف خود ہے واسطہ صلح فرمایند درو سلام نمایند و دیگران بواسطہ ملائکہ یا حسین
 خوب سمجھو کہ یہ مرعی رد و بلوغ مذموم و غیرہ روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے
 لئے آیا ہے، باقی رہے درانہا اگرچہ حیات و صلوة ان کی قبر میں سلم ہے مگر تبلیغ سلام و دعا جواب کی
 کوئی تصریح نہیں کی گئی۔ المؤمن وقاف۔

بیان بالاسے صاف ظاہر ہے کہ ندائے بعید کو نبی ہو یا ولی کوئی نہیں سنا اور ندائے
 قریب کا سنا مخصوص ہے انبیل کے لئے، کسی ولی یا غوث و قطب کو یہ امر نصیب نہیں!
 ہماری اس تصریح کے خلاف بعض کم عقل ضعیف احادیث کو پیش کرتے ہیں اپنی ضعف
 عقلی اور کتاب و سنت سے عدم فراولت کی وجہ سے ان احادیث کا صحیح مفہوم نہیں سمجھتے اور دعوے
 کرتے ہیں کہ نبی و اولیائے بعید کو بھی سن سکتے ہیں، نہ صرف سن سکتے ہیں بلکہ ہماری مدد بھی کر سکتے
 ہیں لہذا ہمیں پکارنا چاہئے، یا محمد! یا خوت! یا خواجہ! یا شہنشاہ! یا بروی، یا شاذلی ہماری مدد کرو
 میں میں انھیں نہ اشراک فی اعداء کا کوئی شائبہ نظر آتا ہے اور نہ اشراک فی انصار کا! اما بعد انالیہ و احون!
 دوران کی پیش کردہ روایت پر غور کرو، بن سنی کتاب عمل بیوم واللیلہ میں دو روایتیں بیان
 کرتے ہیں عبد اللہ بن مسعود کہ میں نے جویشیاں بھرتی تھیں ان سے کسی نے کہا کہ آپ اپنے محبوب ترین
 شخص کو کایسے راضی ہوئے، یا محمد! پکارا اور کھڑے ہو کر چلنے لگے۔ یہی حال عبد اللہ عمرو بن العاص
 کا ہوا انھوں نے یا محمد! خدہ مارا اور ایسے ہو گئے جیسے پرستہ بندھی سی کھل گئی ہو!

یہ حدیث حسنہ حسنہ میں ان الفاظ میں ہے: واذا خدرت رجلاً فلبذکرا احب الناس الیہ
 اس کو موقوفاً ابن سنی نے نقل کیا ہے اور ظفر جلیل میں تحت انفاذ یہ لکھا ہے کہ یاد کرے محبوب کو تاکہ حاصل
 ہو غرض۔ ہر کج محمد! سہلہ و سلم کہ سب سے زیادہ محبوب ہیں!

ملہ شریف مشکوٰۃ ج ۲، باب فضل صلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع کلۃ شمس ۱۲۵۷ھ اور اس جہ کو کان کا علم فرمادہا ہر پھر

علماء حق نے اس حدیث کے متعلق جو تحقیق کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) یہ حدیث مرفوعہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہو بلکہ موقوف ہے اور حدیث موقوف حجت نہیں خصوصاً جس وقت کہ صدہا آیات قرآنہ و روایات حدیث نہر یہ کے خلاف اور معارض ہوا چنانچہ علمائے اصول نے تصریح کر دی ہے کہ قول الصحابی لیس للبحۃ یعنی صحابی کا قول حجت نہیں۔

(۲) اس حدیث کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ پیر کے سنن ہو جانے کے وقت کسی محبوب کو یاد کرنا چاہئے یاد کرنے سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور خون جوش میں آتا ہے اور نتیجہ کے طور پر درد ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک دوائے طبی و عالج حکمت ہے اور ادویہ طبیہ و اعمال حکمت کو دین میں کیا دخل؟ اطباء نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ خدر کا سبب اخلاط باغیہ و ریاحات غلیظہ ہیں، خوشی و فرحت سے خون میں جوش ہوتا ہے اور ریاح تحلیل ہو جاتی ہیں، دوست کا یاد کرنا خوشی پیدا کرتا ہے خوشی خون میں تغیر پیدا کرتی ہے اور نتیجہ کے طور پر مرض رفع ہوتا ہے اس سلسلہ علت و معلول کا تعلق نہ ذرائع بعید کے سننے سے نظر آتا ہے نہ اولیاء و بنیاء کی اعانت مدد کا مزید تحقیق سے مندرجہ ذیل امور قابل لحاظ نظر آتے ہیں۔

(۳) اس حدیث کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعلیم کسی نبی سے تو کیا صحابی سے بھی نہیں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ کسی صحابی کے پیر سن ہو گئے تو کسی نے کہا کہ تم اپنے محبوب ترین دوست کو یاد کرو، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا معلم کوئی مجہول شخص ہے اور تعلیم مجہول حجت نہیں۔ چنانچہ نووی نے ازکار میں جو روایت کی ہے اس کے الفاظ میں عن الھیثم بن جفش قال کنا عند عبد اللہ بن عمر فحدث رجلہ فقال لہ رجل اذکر احب لنا من ایدک فقال یا اھل صلی اللہ علیک وسلم فکانما نشط من عقال یعنی ہم عبد اللہ بن عمر کے ہاں تھے، ان کا پیر سن ہو گیا، ایک شخص نے کہا کہ یاد کرو احب اناس کو تو انہوں نے کہا کہ اسے محمد رحمت کریم خدا آپ پر اور سلام نازل کرے سو اسی وقت ان کا پیر کھل گیا جیسے اونٹ سی سے کھل جاتا ہے۔ ظاہر ہے

کہ اس روایت سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس نسخہ کا تعلق کون تھا۔

(۴) اس سلسلہ میں یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ہم یاد کرنے کے صحیح معنی کا تعین کریں جسٹور اور صلی اللہ علیہ وسلم کا یاد کرنا دو طرح پر ہو سکتا ہے۔

(۱) ایک وہ جس کا ثبوت تشریعت میں ملتا ہے وہ یہ کہ آپ کے فضائل صحیحہ جو احادیث اور قرآن کریم میں وارد ہوئی ہیں ہم ان کا تذکرہ کریں جو مصائب و فاقات آپ نے ہماری ہدایت اور رہبری کی خاطر اٹھائی ہیں ان کو یاد کریں۔ آپ کے فضائل محمودہ، حسنہ و حمیدہ، عادات پسندیدہ کا چرچا کریں۔ (۲) دوسرا طریقہ جو قطعاً خلاف شرع ہے یہ ہے کہ آپ کو دور سے پکاریں، تہادیں، مردمانگیں استغاثہ کریں، یہ موہم شرک ہے اور قطعاً ناجائز اس روایت سے تدبیر یا یاد کرنے کے معنی خلاف شرع مراد لینا مشرک کا نہ ذہنیت کا پتہ دیتا ہے۔ موصد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آپ پر درود بھیج کر کرتا ہے جو حق تعالیٰ کا تعلیم کردہ طریقہ ہے، آپ کی احادیث کا چرچا کرتا ہے جو زول رحمت کا باعث ہے۔

(۵) دیکھو بعض روایتوں میں لفظ یا نہ گوری نہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ نہ ضروری نہیں اور نہ کیر بغیر نہ کے ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مجاہد کی روایت اسی پر دلالت کرتی ہے۔ عن مجاہد فقال خذرت رجل عن عبد بن عباس، فقال ابن عباس اذکما حب الناس اذک فقال محمد صلی اللہ علیہ وسلم فذہب خذره، یعنی مجاہد سے روایت ہے کہ ابن عباس کے پاس ایک شخص کا پیرن ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے محبوب ترین دوست کو یاد کرو، اس نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا خذرجاتا رہا۔ اور خطاب جو مقرون بصلوۃ ہو وہ شرعاً جائز بھی ہے کیونکہ حدیث میں طرد ہے کہ درود کے پہنچانے کے لئے ملائکہ مقرر ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعہ درود کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتی ہے یا پھر شوق و محبت میں پکارا جاسکتا ہے اس میں آپ کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ منضم نہیں ہوتا جو صریحاً شرک ہے۔

(۶) اخیر میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مستارہ قولی میں نہ فعلی کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان سے یہ ثابت کیا جائے کہ ہر تکلیف یا مصیبت کے وقت احب الناس کو یاد کیا جائے، نیز یہ امر سلف

ت بھی نہیں کہ وہ مصیبت کے وقت ایسا کیا کرتے تھے! اور نہ یہ کسی مجتہد مسلمہ الاجتہاد کا مذہب ہے
مصیبت کے وقت احب الناس کو یاد کیا جائے تاکہ مشکل حل ہو جائے گفت مل جائے اور مصیبت
ہو جائے۔ اس کے برخلاف ہم نے اوپر قرآن کریم سے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ مصیبت کے وقت
ہمارے حق تعالیٰ ہی کو پکارا، ان ہی سے اعانت چاہی اور خبر اللہ کا اس مسئلہ میں خیال بھی نہ آئے وہ
ترجمہ کیا ہے

اے بسکد دلم جز تو نہ ارد کا سے تو خواہ بہ کہ م دلم خواہ مدہ!

جن لوگوں کے قلوب میں غیر اللہ سے مدد چاہنی سماگی ہے اور یہ صبیحتوں میں رقی کی ہے
ایک دوسری حدیث اپنی نائید میں، مثلاً کہتے ہیں "حسن حصین میں حضرت سے مروی ہے کہ آپ
میں شخص کے متعلق جو راہ گم گشتہ ہوئے، یا کہ کج سے عینونی یا عباد اللہ سے بندگانِ خدم
مرد کرو" اس حدیث سے، منہ اذکے کہنا چاہتا ہے کہ ہم راہ گم گشتہ ہیں، یہ کہہ رہے ہیں عینونی
آدابہ! یا عوت! یا خوجہ یا نصہد یا بدوی یا مذ ذلی، یہی مدد کرو!

حسن حصین کے الفاظ یہ ہیں: ان اراد عوا فبققل یا عباد اللہ! عینونی یا عباد اللہ! عینونی
یامہ عینونی (رواہ اطبرانی) اس حدیث سے جو شذال کیا ہے اس پر عمر بن حنظلہ کی ہر
اختصاص ہے۔

(۱) اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن حنظلہ ہے جو محدثین کے نزدیک منکر ہے
ہی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے!

(۲) اس کی سند منقطع بھی ہے، بیچ میں ایک راوی جھوٹ گناہ ہے اور منقطع کا حکم مثل میں ہے
نہیں اور اہل اثر کی جماعت کے نزدیک یہ حجت نہیں!

(۳) اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی عقبہ بن غزوآن ہے وہ مجہول الحال ہے معنی اس کا

یامی کا پہلا شعر یہ ہے: یا من ملکوت کل شیئ بیدہ۔ خوبی لمن ارتضاک ذخر العزہ
ن ہریرہ اور ابن مسعود کے درمیان۔

تقویٰ اور عدل معلوم نہیں۔ چنانچہ تقریب ابن حجر میں اسی بنا پر استدلال کیا گیا ہے کہ جب اس حدیث کا ایک راوی ضعیف اور مجہول الحال ہو تو یہ نہ قابل اعتماد ہے اور نہ لائق استدلال!

(۴) جرح سے قطع نظر کے اگر ہم اس حدیث کو تسلیم ہی کر لیں تو ہم عقل سلیم کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ کیا یہ اموات سے استعانت پر دلیل ہو سکتی ہے؟ عباد اللہ سے مراد تو فرشتے ہیں جو حقانیت کے لئے معین و مقرر ہیں۔ چنانچہ فیض القدیر شرح جامع الصغیر میں اس کی یوں توضیح کی گئی ہے:

ان الله ملائکته فی الارض یسمون الحفظة یکتبون ما یفعم فی الارض من ورق الشجرة فاذا اصبح احدکم حرجة واحتاج الی عون بغلاة من الارض فلیقل اعینونی عباد الله رحمکم الله فاما انشاء الله بیان (رواہ ابن السنی والطبرانی من حدیث الحسن بن عمر عن معمر بن عوف بن حسان عن سعید ابن ابی عروبة عن ابی بريدہ عن ابن مسعود قال ابن حجر حدیث غریب ومعمر بن عوف قالوا منکر الحدیث وقد تضمنه بوفیه انقطاع عن ابی بريدہ وابن مسعود) یعنی اللہ کے کچھ فرشتے زمین میں مقرر ہیں جن کو حفظ اور نگہبان کہتے ہیں جو درخت کا پتہ زمین پر گرتا ہے اس کو لکھا کرتے ہیں تو جب ہم میں سے کسی کو تکلیف پہنچے اور درد کا محتاج ہو زمین کے کسی صاف میدان میں تو اس کو چاہئے کہ یوں کہے کہ اے خدا کے بندہ میری مدد کرو، اللہ تم پر رحم فرمائے، ایسے کہنے سے بیشک مدد حاصل ہوگی۔

دیکھو عباد اللہ سے مراد فرشتوں کا ہونا خود حدیث ہی سے ثابت ہے جو زندہ ہیں، اب اہل استدلال کا اموات کو اپنی مدد کے لئے پکارنا ان کی مشرکانہ طبیعت کی ایجاب ہے، حدیث سے اس کی اجازت کہاں نکلتی ہے۔ ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ قرآن کریم نے مخلوق سے استعانت ان امور میں جائز رکھی ہے جو ان کی قوت و قدرت کے احاطہ میں ہوں۔ یہ استعانت بالمرئوئیت یا عون ما بین العباد ہے۔ جب کسی کا گھوڑا بھاگ جائے یا کوئی چیز کھو جائے تو اس معاملہ میں ادنیٰ لوگوں سے بھی مدد لی جاسکتی ہے جس امر میں مخلوق سے استعانت کر سکتے ہیں اس میں ملائکہ، ابدال اور جنوں سے مدد لی جاسکتی ہے۔ یہ زندہ مخلوق سے ان امور میں استعانت کرنا ہے جو ان کے دائرہ قدرت میں شامل ہے۔ اب یہی

استعانت جو حق تعالیٰ سے مخصوص ہے، استعانت بالربوبیت وہ کسی طرح اس حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتی اور نہ کسی ذی علم و ذی ہوش نے اس کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ استعانت بالاموات کا یہاں تو شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔

(۵) بغرض محال ہم مان لیتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الائمہ ہے اور اس سے بات بھی وہی ثابت ہوتی ہے جو اہل استدلال سمجھتے ہیں! دعا و استعانت کے متعلق درپوش تصدیقات پیش کی گئیں ان کو پیش نظر کر یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ حدیث جو خبر واحد ہے قرآن مبین کے معارض و مخالف ہے اور اسی وجہ سے رد کر دی جانی چاہئے کیونکہ قرآن مقدم ہے، اس کا قدم اس کی قصیت اس کے متواتر انتظام نے اور اس کی سند کا تہ سے آزاد ہونے پر مبنی ہے۔

(۶) اس حدیث کے مخالف و معارض دوسری حدیث بھی اسی کتاب حصین حصین میں ملتی ہے جس کو ابی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے: اِذَا ضَلَّاعِلْمٌ شَيْئًا وَاَبْنِ فَيَقْسُ اَللّٰهُمَّ رَاٰ اَضْلٰهُ دِيْ اَضْلٰهُ اَنْتَ تَهْدِيْ مِنَ الضَّلٰلَةِ اِرْجُوْهُ عَلٰى ضَالَّتِيْ لِقَدْرَتِكَ وَسَلْطَانِكَ فَانْهَارْ عَطَانِكَ اَضْلٰهُ اَعْنِيْ جِبْ اَدْمِيْ كِيْ كُوْنِيْ جِبْ اَرْمُوْجِيْ اِيْ اَسْ كَا غَلَامٌ جَاكُ جَسَّءُ تَوِيْلُوْ اِدْعُ كِرْبُ: اے خدا میرا لانا ہے گم ہوئی چیز کو، اے بھولے بھٹکے کی راہ بتانے والے تو ہی راہ بتاتا ہے بھولے اور گمراہی سے میرے پاس میری گم ہوئی چیز کو اپنی قدرت و غلبہ سے کہ وہ چیز میری بخشش اور احسان ہے۔

علاوہ بریں ابن عباسؓ سے جو حدیث مروی، درجس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اس میں من طور پر حکم دیا گیا ہے فاذا استعنت فاستعن بالله یہ معارض و مخالف ہے حدیث اعینونی و رظا ہر ہے کہ حدیث ابن عباسؓ موافق ہے فقوئے کلام مجید کے ہذا اس کو دوسری حدیث صحیح ہونی چاہئے۔

(باقی آئندہ)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

اور

مقدمہ ترجمۃ القرآن

مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب میوہ اردی رفیق اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

علمی دنیا میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نام آفتاب عالم کتاب کی طرح مشہور ہے اور ان کے شاہکار تصنیف حجتہ اللہ ابلاغیہ نے ان کے درجہ مامت اور مرتبہ قیادت کو بلا خلاف علماء اہل امت سے تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نور اللہ مدظلہ کی علمی خدمات میں حجتہ اللہ ابلاغیہ سے بھی زیادہ دقیقہ تالیف قدس حکیم کا فارسی ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ اس وقت منسلک شہرہ پر آیا جب علمی دنیا میں یہ بحث جاری تھی کہ کلام اللہ کا ترجمہ درست بھی ہے یا نہیں۔

بظاہر اگرچہ پسند شدہ نسخہ خیر معلوم ہوتا ہے اور علماء کی تنگ نظری کا آئینہ دار نظر آتا ہے لیکن حقیقت اس تک پہنچنے کے بعد معنی اللہ بھی نظریے بہت بلند نظر آتا ہے۔

در حقیقت اس بحث یا اس مسئلہ کی فی داس حقیقت پر قائم ہے کہ کسی بھی زبان کا ترجمہ زبان کے مکمل مفہوم و معنی کا ترجمان ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ماہرین علم السنہ کا یہ بیان ہے کہ ایک زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ در حقیقت و روح مفہوم کے اعتبار سے ناممکن ہے۔ تقریبی مفہوم و اسلوب سے یہ ممکن ہے لیکن حقیقت مفہوم و معنی ادا ہو جائے یہ ناممکن۔ علماء اسلام کہتے ہیں کہ مسئلہ الرحمن رحیم کا ترجمہ لغت عربی میں دونوں اسما و صفات کے خصوصی امتیازات کو دیکھنے کے بعد بھی فارسی یا ترکی یا اردو وغیرہ میں اس طرح نہیں کیا جاسکتا جس سے اس جملہ کی حقیقی روح ادا ہو جائے۔

علماء اسلام ہی اس مسئلہ میں منفرذ نہیں ہیں بلکہ علماء زمانہ میں بھی محققین میں سے ایک جماعت کا یہی دعویٰ ہے کہ ایک زبان کا دوسری زبان میں حقیقی نہیں تقریبی ترجمہ ہو سکتا ہے۔

پس جب انسانی بول چال کی تراکیب و عبارات کا ترجمہ باہم مختلف زبانوں میں ناممکن ہیں تو سخت ترین شکل سمجھا گیا ہے تو علماء اسلام کی ایک جماعت کا اگر یہ خیال رہا ہو کہ کلام الہی اور کلام عبادت سے بھی بالاتر عربی کلام کا ترجمہ دوسری زبانوں میں ناممکن ہے اور اس لئے انھوں نے ترجمہ کی ممانعت کا فیصلہ کیا ہو تو یہ بات مضحکہ خیز یا تنگ نظری کیسے کہلائی جاسکتی ہے؟

غالباً یہی وجہ ہے کہ علماء امت میں سے ایک مختصر اور چھوٹی سی جماعت کا یہ فیصلہ ہے کہ قرآن مجید کے بقدر عربی زبان کی معرفت ہر ایک فرد مسلم کے لئے "فرض عین" ہے۔

البتہ ان علماء امت نے اس حقیقت ثابتہ کی جانب متوجہ ہونے سے گریز فرمایا کہ قرآن حکیم کی دعوت ملک عرب ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر ایک گوشہ کے لئے یکساں دعوت عام ہے "تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیراً" اور ظاہر ہے کہ الدین یسرہ عسکے پیش نظر کل کائنات جن بشر اس کے لئے مکلف نہیں ہو سکتی کہ ہر ایک فرد بشر عربی زبان کا عالم ضرور ہو اور فرض کفایہ، فرض عین کی صورت اختیار کر لے۔

نیز یہ کہ اگر تسلیم ہی کر لیا جائے کہ عربی زبان کی معرفت ہر فرد مسلم کے لئے ضروری ہے تب بھی قرآن حکیم کی تعلیمات کا دائرہ محدود ہو کر رہ جاتا اور غیر مسلم تک اس کی حقیقی آواز کا پہنچنا ناممکن اور دشوار تر ہو جاتا ہے کیونکہ غیر مسلم تو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ عربی زبان کو سیکھے اور پڑھے۔ اس لئے اس میں ضروری ہے کہ قرآن حکیم کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوتا کہ اس کی دعوت "دعوت عامہ" اور عالمگیر دعوت "عملی شکل اختیار کر لے، بیشک یہ بھی لازم ہے کہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ اصل نظم قرآنی باقی رہے۔

اور اگرچہ یہ صحیح ہے کہ کسی زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں حقیقی رصہ اور مکمل مفہوم کے ساتھ نہیں ہو سکتا تاہم اس حد تک ضرور ہو سکتا ہے اور ہو جاتا ہے کہ نفس مفہوم و مراد سمجھ میں آجائے

اور معنی و مراد میں تغیر و تبدل واقع نہ ہو چنانچہ مذہبی اور دینی تراجم کے علاوہ اسی اصول پر علوم
فنون کا اہم ذخیرہ ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہو کر اپنی مسلک افادیت کیلئے شاہدِ علم
زیر بحث مسئلہ کی حقیقت کا یہی رخ روشن ہے جس کی نقاب کشائی "ولی اللہ وہلوی"
مقدس ہاتھوں نے اس وقت کی جب سب سے بڑی مسلم مملکت ترکی کے علماء کے مابین ہندو
مسئلہ غیر منفصل مباحث کی صورت میں تھا اور خود ہندوستان میں بھی "ترجمۃ القرآن" کا عملی پہلو
نمایاں اور روشن نہیں تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ ۷۰۰ حضرت اہل علم اس حقیقت سے نا آشنا نہیں ہیں کہ شاہ ولی اللہ نور اللہ مرقدہ
کا فارسی ترجمہ پندرہ سال کی عمر میں تمام علوم نقلیہ و عقلیہ کی تکمیل کر لی تھی اور مطالعہ کتب اور مہارتِ کاملہ
حصول میں اسی وقت سے مہر گرم عمل تھے۔ ابھی حج بیت اللہ کا عزم نہیں ہوا تھا کہ امام امت
قرآن حکیم کے ترجمہ کا امداد فرمایا، چونکہ اس زمانہ میں حکومت کی سرکاری زبان "فارسی تھی اور اکثر
ذخیرہ علوم دینیہ فارسی زبان ہی میں رائج تھا اس لئے شاہ صاحب نے فارسی زبان ہی کو ترجیح
کے لئے انتخاب فرمایا۔

قرآن
فتح الرحمن
ترجمہ انور

حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ ۱۱۳۳ھ میں عازم حج بیت اللہ ہوئے۔ اس وقت
سورہ آل عمران تک ترجمہ پہنچ چکا تھا۔ چند سال حرمین الشریفین میں علوم حدیث و قرآنہ کے مطالعہ
و حصول میں گزارنے کے بعد ہندوستان واپس تشریف لائے اور ۱۱۵۵ھ میں ترجمہ کو پایہ تکمیل تک پہنچا
اور اس کا نام فتح الرحمن ترجمہ القرآن تجویز فرمایا۔

یہ ترجمہ صرف ترجمہ نہیں ہے بلکہ ترجمہ کے رنگ میں مختصر تفسیر اور حقائق عجائب قرآن
عظیم التفسیر ذخیرہ ہے۔

چنانچہ اردو زبان کا مایہ ناز اور مستند ترجمہ جو حضرت شاہ عبد القادر کے قلم حکمت رقم کا
تحریر ہے بھی فتح الرحمن کے استفادہ سے خالی نہیں ہے بلکہ اس کی اساس پر زیر قلم آیا ہے اور آج
میں اہل علم کی نگاہ میں یہ فارسی ترجمہ مدار اور مرجع کی حیثیت رکھتا ہے۔

”فتح الرحمن“ حضرت شاہ صاحبؒ کی وہ مشہور علمی خدمت ہے جو اپنے تعارف میں کسی
 روشِ قلم کی محتاج نہیں ہے اور اس لئے میں بھی اس کے اور اس کی خصوصیات کے متعلق کچھ زیادہ
 نہیں چاہتا مگر بہت کم اہل علم ہیں جن کے علم و خبر میں یہ بات ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نور اللہ
 قرآن حکیم کا ترجمہ شروع کرنے سے قبل چند صفحات کا ایک مقدمہ بھی تصنیف فرمایا ہے۔
 اس مقدمہ کا نام ”مقدمہ فی قوانین الترجمة“ ہے اور حلی قلم سے درمیانی سائز کے تقریباً بارہ
 صفحات پر مشتمل ہے۔ نہ معلوم کن وجوہ کی بنا پر یہ مقدمہ ترجمہ کے ساتھ شائع نہ ہو سکا اور آج تک
 یہی مخطوطات میں شامل ہے۔

اس مقدمہ کے پڑھنے سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ گرا ایک
 جانب اس راہنمائی کا فرض انجام دے رہے ہیں کہ آئن حکیم کے ترجمہ میں گونا گونا گویا اختیار کرنا
 چاہئے تو دوسری جانب یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے اس مبحث اور اس مسئلہ میں شیعہ ہدایت
 دہانا اور قولِ فیصل دینا چاہتے ہیں جس کا ذکر مطورہ بالا میں ہو چکا ہے، ورنہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں
 کہ جس طرح دین اسلام خود راہِ وسط و راہِ وسط و راہِ وسط کے درمیان کی مستقیم راہ ہے۔ اسی طرح
 قرآن حکیم کے ترجمہ سے متعلق بھی یہی راہِ وسط و صحیح راہ ہے۔ یہاں نہ انکار و ممانعت کی گنجائش ہے
 ورنہ آزاد مادی کی بالکل صحیح راہ ن دونوں کے درمیان ہے ”انّ هذا صراطی مستقیم“
 ہم کو یہ مقدمہ اپنے ایک محب صادق کے ذریعہ حاصل ہوا ہے جن کو مخطوطات علمی کا
 بے حد ذوق ہے اور جو خود بھی اہل علم اور اہل مطالعہ سنت ہیں۔

یہ رسالہ غلطی سے پڑے بلکہ بعض جگہ جرات کا تسلسل تک مقصود ہے مگر ان باتوں کے
 وجود و قاعدیت کا حاصل ہے اور قرآن حکیم کے ترجمہ سے متعلق اصول و قوانین کے لئے بہترین
 مشعل ہدایت اور باوجود اختصار کے اہم نکات و حقائق سے پربران ہے اس لئے اربابِ ذوق
 قرآنی کی خاطر ہی مناسب معلوم ہوا کہ بعجلت برآں کے ذریعہ اس کو روشناس کرایا جائے اور
 اور اصل رسالہ کو کتابت کے ناقص و معائب کے باوجود منصفہ شہود پر لے آیا جائے اور ساتھ ہی اس کا ایسا ترجمہ بھی
 پیش کر دیا جائے جو غلطی پابندیوں و آزاد اس کے مفہوم و مراد کو پوری طرح آغوش میں لے ہو اس کے بعد اٹھ اس طرز
 پر نقل کیا گیا اور ساتھ ساتھ اس کے مترجم اور محقق نوٹوں کے ساتھ مستقل رسالہ کی شکل میں پیش کیا جائیگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي جعلنا من نعمه العظيمة علم الحكم والنجاة والصلوة والسلام الا اننا على سبيلنا الحق
معلم اهل المد والبر بين الكتاب بفصل الخطاب وعلى آله واصحابه اجمعين اما بعد فيقول الفقيه
لرحمة الله الكريم دلي الله بن عبد الرحيم ايسر رساله ايسر در قوانين ترجمه مسماة بالمقدمة في قوانين الترجمة
که وقت تسويد ترجمه قرآن تلم بضبط آن جاری شد والله الهادی الی الحق۔

فصل پنجم در ترجمه نویسی طرق مختلفه دارند بعضی زیر هر کلمه ترجمه آن نویسند و انتقال کلمه دیگر
و ترجمه آن نیز نویسند و علی هذا القیاس کرده میروند تا آن کلام آخر شود و آنرا ترجمه تحت اللفظ گویند
و جمیع کلام تمام را تامل کنند و تقدیم و تاخیر در مجاز و کنایه بشناسند و معنی آن در ذهن خود محصل نمایند
پس بهر لغتی که خواهند آن معنی محصل را ادا نمایند و این را بیان حاصل المعنی گویند در طریق اول
فصلی هست زیرا که بسیار است که نظم ترجمه مثل شود و ترکیبی پیدا آید که در لغت ترجمه آنرا صحت
نباشد و لا اقل رکاکت و تعقید و ارتکاب قلیله لازم شود و سبب آن اختلاف لغات است

خداوند کریم کی رحمت کامله ج دلی الله بن عبد الرحیم کہتا ہے مقرر آن کریم کے ترجمہ کے اصول و قواعد میں
ہے ایک رسالہ ہے جس کا نام "المقدمہ فی قوانین الترجمہ" ہے، یہ اس وقت ضبط قلم میں آیا جب میں ترجمہ قرآن حکیم
کا مسودہ کر رہا تھا "والله الهادی الی الحق"

فصل۔ کسی بھی زبان کے ترجمہ سے متعلق ترجمہ کرنے والوں کی راہیں مختلف نظر آتی ہیں بعض کا طریق یہ ہے
کہ وہ جدا جدا ہر ایک کلمہ کا ترجمہ کرتے جاتے اور آخر مضمون تک اسی کے پابند رہتے ہیں کہ ہر ایک کلمہ
کا ترجمہ تحت اللفظ رہے اور اس کو تلفظی ترجمہ کہتے ہیں اور مترجمین کی دوسری جماعت پسندیدہ
اسلاف ہے کہ وہ اول پورے کلام میں غور و تامل سے کام لیتے "مجاز و کنایہ" میں تقدیم و تاخیر

در تقدیم بعض اجزاء کلام بر بعض و در تالیف کلمات و استعمال کنایات و اطلاق صلات و در بعض لغات انتقال از لازم بلزوم و آں استعارہ لفظی بجائے لفظی صحیح ناشد و در لغت دیگر اصلاً صحیح نبود در عربی گویند فلاں عظیم الراد و آنرا سخاوت انتقال کنند و اگر فارسی فلاں بزرگ خاکسترست فارسیاں بآں معنی انتقال نمایند و در لغت عربیہ گاہی خصوصیتی

کی معرفت چاہتے، اور اس ترتیب کے ساتھ عبارت کے معنی کو ذہن نشین کرتے ہیں۔ بعد ازاں اپنی صوابدید پر ان معانی کو موزوں اور مناسب الفاظ اور بندش کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور اس ترجمہ کو بیان اصل معنی (آزاد ترجمہ یا معنوی ترجمہ) کہا جاتا ہے۔ لیکن ترجمہ کا طریق اول نقص و خلل سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے کہ لفظی ترجمہ میں اکثر بیشتر ترجمہ کا نظم درہم و برہم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اصل مضمون میں ایسی ترکیب ہوتی ہے کہ جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے اس کے لغت میں اس ترکیب کا ترجمہ صحیح طور پر ناممکن ہوتا ہے اور کم از کم کلام میں رکاکت تعقید (گنجلک) اور اسی قسم کے چھوٹے چھوٹے ارتکابات تو ضرور ہی پیش آجاتے ہیں، اور اس صورت حال کی وجہ یہ ہے کہ مختلف زبانوں میں بعض اجزاء کلام کی بعض پر تقدیم کا اسلوب قطعاً الگ الگ ہے، اور کلمات کی ترکیب، کنایات کے استعمال اور صلات کے اطلاق میں بھی جدا جدا نہج پائے جاتے ہیں۔ نیز بعض زبانوں میں لازم سے ملزوم کی جانب یا ملزوم سے لازم کی جانب منتقل ہونا اور ایک خاص لفظ کا دوسرے خاص لفظ کو استعارہ کرنا صحیح نہیں ہوتا اور دوسری زبان میں اصل و حقیقت کے لحاظ سے ہی وہ لفظ (اس جگہ) درست نہیں بیٹھا مثلاً عربی زبان میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص عظیم الراد ہے اور یہ کہہ کر اس شخص کی سخاوت مراد لیتے اور اس مفہوم میں منتقل کر لیتے ہیں، پس اگر فارسی زبان دان اس کا ترجمہ بزرگ خاکستر کر کے معنی سخاوت کو ادا کرنا چاہیں تو یہ قطعاً نا درست ہوگا۔ اسی طرح

سہ بہت را کہ رکھنے والا عظیم الراد یا کثیر الراد۔

ملفوظ باشد کہ در فارسیہ کلمہ بآن خصوصیتی یافتہ نشود مانند رعار الابل و خوار البقر و صہال الفرس و نواح الختیس و یعار المعز و نہق الحمار و نہاح الکلب و بدیر الحمام و مانند جرد الکلب و جرد الفنا شبل الاسد و فصیل الابل و جدی البقر و عناق الشاة در لغت فارسیہ لفظی کہ باز این خصوصیات مستعمل نباشد بے تکلف یافتہ نمی شود و همچنین در اصل افعال اختلاف بسیار واقع است الی غیر ذلک ممالہ مخفی علی المتفطن البلیب و در طریق ثانی نیز ضلالت بہت بسا است کہ کلام محتمل دو وجہ باشد مترجم متفطن نشد دیگر توجہی کہ مراد حکم و اگر حقیقت امر برسی اکثر تحریف و کتب سابقہ

عربی زبان میں یک ہی لغت کے لئے ایسی خصوصیات ملحوظ ہونی ہیں جن کا فارسی زبان میں فقدان ہے مثلاً حیوانات کی آوازوں کے لئے عربی زبان میں یہ امتیازات ہیں۔ رعار الابل، (اونٹ کا بھونکا)، خوار البقر (گائے بیل کا رینگنا)، صہال الفرس (گھوڑے کا ہنسانا)، نواح الختیس (میتھے کا بولنا)، یعار المعز (کبری کا میں میں کرنا)، نہق الحمار (گدھے کا ہینچنا)، نہاح الکلب (کتے کا بھونکنا)، بدیر الحمام (کبوتر کا غرغور کرنا) اور اسی طرح جرد الکلب (کتے کا پلٹا)، شبل الاسد (شیر کا بچہ) فصیل الابل (اونٹ کا بچہ)، جدی البقر (گائے کا بچہ)، عناق الشاة (کبری کا بچہ)۔

اور فارسی لغات میں چونکہ ان خصوصیات و امتیازات کے لئے علیحدہ علیحدہ لغات مستعمل نہیں ہیں اس لئے ان عربی لغات کے ترجمہ میں جدا جدا خصوصی اور امتیازی لغت بے تکلف حاصل نہیں ہو سکتے۔ پھر ان اختلافات کے علاوہ اصل افعال میں بھی بہت سا اختلاف موجود غرض اس قسم کے اختلافات میں جو مختلف زبانوں اور لغتوں میں پائے جاتے ہیں اور ایک عاقل و ذہن انسان پر یہ حقیقت بخوبی روشن ہے۔

دوسرا عریضہ بھی غلط و غلط فہم نہیں ہے اس لئے کہ اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ کلام میں مستقل وجوہ کی نجائیت ہے اور مترجم اس درجہ عاقل اور ماہر نہیں ہے کہ ان ہر دو وجوہ میں سے متکلم کی مراد کو پاسکے۔ نتیجہ یہ نکلتے گا کہ مترجم مراد متکلم کے خلاف ترجمہ کر دے گا اور اگر

ازیں سبب راہ یافت۔ پس لازم در ترجمہ کلام الہی بقا بر آں نظم است کہ اگر مترجم را در بعض مواضع لغزشی پدید آید باشد من بعد کسی تدارک آن نماید، قرب مبلغ ادعیٰ لہ من سامع و در توجیہ مواضع مشککہ و تاویل مشار بہامات و امثال آن علماء مذاہب مختلفہ دارند و اگر بنظر تحقیق بنگریں ایں ہمہ مذاہب اصل شرع نیست بلکہ نوعی از موشگافیت در شرع باستعانہ عقل پس اگر ہر یکے حسب فہم تاویل میکرد و آں نظم باقی نمی ماند اصل شرع کم می شود نیز جو قرآن ب لغت عرب نازل شدہ و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ لغت عرب سخن فرمودہ اند امر است بدون معرفت لغت عرب مستقیم نشود پس بر امت مرحومہ معرفت لغت عرب واجب

حقیقت امر بویچتے ہو تو کتب سابقہ میں تحریف نے اکثر اسی سبب سے راہ پائی ہے۔ پس کلام الہی کے ترجمہ میں یہ از بس ضروری ہے کہ کتاب الہی کا نظم بحالہ باقی رہے (یعنی کلام الہی کے ترجمہ میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ اصل کلام الہی کا مکتوب ہونا فرض و لازم ہے تاکہ تحریف سے محفوظ رہے) اس کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اگر اصل نظم کلام باقی ہے اور مترجم سے بعض مواقع میں لغزش ہو گئی ہے تو دوسرا شخص بغولائے حدیث "قرب مبلغ ادعیٰ لہ من سامع" پس بساوہ شخص جس تک بات پہنچائی گئی ہے براہ راست سننے والے کے مقابلہ میں اس بات کو محفوظ رکھنے اور اس کی تک پہنچنے میں زیادہ محافظ مآب ہوتا ہے۔ اس غلطی کا تدارک کر سکتا ہے پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مشکل مواقع اور بہامات و مجملات کے مشار کی توجیہ اور اسی قسم کے دوسرے امور میں علماء اسلام مختلف مسلک رکھتے ہیں اور اگر بہ نظر تحقیق دیکھا جائے تو علماء کے یہ تمام مسلک اصل شرع نہیں ہیں بلکہ عقل و خرد کی استعانت سے شرع کے مسائل میں ایک قسم کی موشگافی ہے پس اگر ہر ایک عالم اپنے فہم و تدبیر کے مطابق توجیہ بیان کرے اور اصل نظم کلام الہی باقی نہ رہے تو اصل شرع میں کمی آتی چلی جائے گی۔

نیز جبکہ قرآن عظیم لغت عرب پر نازل ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی

بالکفایہ شد و ہر کے را معرفت آن منون و مندوب آنکہ بہ لغت عربی آشنائیت، باعتبار معرفت دین محمدی اور اعداد و زندگانی نتوان ثمر و در حساب مردیاں نتوان آورد ملحق بجمادات و داخل در اعداد اموات و عجزی بر خود لازم کردہ است کہ شرع آنرا مرحوم نکر دو ہولے بر خود تجویز نمودہ است کہ شرع آنرا سر بلند نہ ساخت و ایندادر تلاوت قرآن و ذکر خدا تعالیٰ و خطبہ عید و جمعہ لغت فارسیہ جائز نہ داشتند ہر چند مقصود از میں تدبیر و احفاظ است نہ خصوصیت الفاظ پس مقصود اہم از ترجمہ قرآن عظیم آنست کہ خوانندہ را ندرستے حاصل شود در معرفت

لغت عرب ہی میں گفتگو فرمائی ہے۔ پھر امت مرحومہ کا معاملہ (دینی و دنیوی) لغت عرب کی معرفت کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ اس لئے امت مرحومہ پر لغت عرب کی معرفت واجب بالکفایہ ہوئی اور ہر فرد مسلم کے لئے اس کی معرفت منون و مستحب قرار پائی۔

جو شخص لغت عرب سے نا آشنا ہے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کے پیش نظر اس شخص کا شمار زندہ انسانوں میں بلکہ انسانوں میں بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کو عبادات کی طرح سمجھا جاتا اور اس کا مردوں میں شمار ہوتا ہے، اس نے خود پر اس عجز کو لازم کر لیا ہے کہ شرع نے اس کو رحمت سے محروم رکھا اور اپنے لئے اپنی خواہش نفس سے یہ تجویز کر لیا ہے کہ شرع نے اس کو سر بلندی نہ بخشی

بہر حال لغت عرب کی معرفت کا لزوم ہی اس حقیقت کا سبب بنا کہ تلاوت قرآن عظیم ذکر خدا سے برتر، اور خطبہ عید و جمعہ میں لغت فارسی کو جائز نہیں رکھتے۔ اگرچہ ان امور کا مقصد تحصیل عبرت و بصیرت اور پند و نصیحت ہے خصوصیت الفاظ نہیں تھے۔ پس قرآن عظیم کے ترجمہ کا اہم مقصد یہ ٹھہرا کہ پڑھنے والے کو نظم قرآن کی معرفت میں ندرت اور کلام اللہ کی عبارت میں غور و خوض سے ملکہ حاصل ہو تاکہ اس کی بدولت وہ قرآن عظیم کے فوائد عالیہ تک پہنچ سکے اور یہ معنی ترجمہ کے اس دوسرے طریقہ بیان حاصل معنی میں مفقود ہیں۔

آن و ملکہ بدست آید از خوض در عبارت آن و این معنی در بیان حاصل المعنی مفقود است
 میں خلل ہر دو وجہ ملاحظہ نمودند جمع کردند ترجمہ تحت اللفظ و تقریر حاصل معنی تا اگر تعقید
 کے تحت اللفظ حاصل شدہ باشد مقدار ک گردد بکلام دیگر کہ تقریر بدعا نماید بغیر تعقید
 کے و اگر در تقریر معنی باختیار احد الوجہیں یا بتاویل تشابہ خلل راہ یافتہ باشد یا طلاق تحت
 علاج آن کردہ و این طریق نیز بر نراق اصحاب ذوق سلیم بشاعتے دارد تشویش بتدی میدہد
 را بکار نمی آید و تطویل لازم میشود سخن از نسق طبیعی خود برمی آید و اگر نیک بگاہی منشا

پھر ایک جماعت نے ان دونوں رہوں سے جب ایک یسری راہ اختیار کر لی۔ انھوں
 نے دیکھا کہ مسطورہ بالا دونوں اسالیب میں خلل اور نقص پایا جاتا ہے تو ان دونوں کو ملایا
 جب سے دوسری وجہ کا جب نقصان ہو کر مطلب و مقصد حاصل ہو سکے۔ چنانچہ انھوں نے
 ”ترجمہ“ اور بیان حصول معنی“ دونوں کو اپنا لیا تاکہ جس وقت تحت اللفظ ترجمہ کی وجہ سے
 (گنجشک) اور رکاکت پیدا ہو جائے تو دوسرے طریق یعنی مفہوم و مراد کے بیان و تقریر کے
 اس کا تدارک کر لیا جائے اور اگر جملہ اور عبارت میں موجود دو وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کو
 یہ کی کسی خاص توجیہ کو اختیار کر کے مفہوم و مراد بیان کرنے میں خلل اور فساد پیدا ہو جائے
 کا علاج تحت اللفظ ترجمہ سے کر دیا جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ تیسرا طریقہ بھی اصحاب ذوق سلیم کے مذاق کو قطعاً خداف اور معیوب ہر
 طریقہ بتدی کے لئے تشویش کا باعث اور فتنی کے لئے بے کار اور بغیر غید نیز تطویل لا طائل
 سب ہے اور اس طرح کلام اپنے نسق طبعی سے خارج ہو جاتا ہے۔

اور اگر اس طریقہ کے اختیار کرنے کی حقیقت تک رسائی مقصود ہے تو صاف بات
 یہ اس طریق کار کے اختیار کرنے کا مقصد ہر دو لغات و زبان کے رسم کلام سے درماندگی اور
 ہے (یعنی وہ ترجمہ کی زبان اور عربی زبان دونوں کے رسم کلام اور فروق لغات کے

آں عجز است و جہل از رسم تکلم ہر دو لغت ایں فقیر چوں بریں طریق ثلاثہ مطلع شد و خلع کہ در بیان
آہا است ملاحظہ نمود حریص شد بر اختراع طریق رابع کہ جامع باشد میان نافع طرق ثلاثہ و خالی
بود از وصل آہا ترجمہ تحت اللفظ را بیک دست گرفت و ضلہا را یادداشت و تصرف در فنون آں
منظور نظر نمود و بیان حاصل معنی را ہر دست دست دیگر گرفت و مواضع صعبہ فہم مراد و طریق مخلص
از آہا بسہولت اورا ضبط کرد پس نخست بترجمہ تحت اللفظ مقید شد بہاں نظم کہ در قرآن مذکور
است و اختلاف صلاات فعل را بر خود ہوار نمود و در آنجا کہ تعقد و رکاکت آں ترجمہ فارسیہ

فہم سے عاجز و در اندہ ہونے کی وجہ سے بہ طویل راہ اختیار کرنے پر مجبور ہے۔

غرض ترجمہ کے لئے یہ تینوں طریقے ضل و فساد اور نقص و عیب سے خالی نہیں ہیں
یہ فقیر جب ان ہر سہ طریق پر مصع ہو اور ان میں جو ضل و فساد پایا جاتا ہے اس کو دیکھا تو جی
چاہا کہ ان راہوں سے جدا ایک چوتھی راہ ایسی پیدا کی جائے کہ جس میں مسطورہ بالا ہر سہ طرق کے
فوائد یکے لئے جامع ہوا۔ ان میں جو ضل و فساد کی صورتیں ہیں ان سے محفوظ ہو چنانچہ میں نے
ایک ہاتھ میں تو ترجمہ لغتی لیا اور ساتھ ہی اس کے مفاسد کو بھی پیش نظر رکھا اور اس سلسلہ میں مختلف
طریقہائے تصرف کو زیر نظر لایا اور بیان حاصل معنی (حاصل ترجمہ) کو دوسرے ہاتھ میں لیا اور فہم
مراد کے مثل میں کو در بسہولت ان سے رستگاری کے طریقوں کو منضبط کیا اور یہ سب کچھ
پیش نہ رہنے کے بعد ترجمہ دار غریب اس طرح ڈالی کہ اول اس طرح لغتی ترجمہ کیا کہ نظم
ڈالی کے ساتھ ہر طرح مطابقت قائم رہے اور ساتھ ہی لحاظ رکھا کہ افعال کے صلاات کا
جو اختلاف ہے اس کو اپنے فہم سے درست کیا جائے اور جس جس مقام پر فارسی کے ترجمہ لغتی میں
رکاکت اور عجز و خجک لازم آگئی یا لغت عربی میں ایسی ترکیب واقع ہوئی ہے کہ اس کے
تخیل و غیب و رک نہیں دیتی جتنی ہے تو ان موقع میں عربی زبان ہی سے ایسے مرادف الفاظ
و کلمات کے ذریعہ ترجمہ کر دیا ہے جو اصل کی قائم مقامی کر سکیں۔ مثلاً اسم فاعل استقبال کے لئے

لازم آمد یاد لغت عربیہ ترکیبی واقع شدہ است کہ نظیر آن در لغت ذہب یافتہ می شود
حرف مساوی آل از حروف عرب بجائے واقامت نموده ترجمان است نہ اسم فاعل
برائے استقبال باشد حرف مادی او فعل مستقبل معلوم است و مفعول برائے سبب
باشد حرف مادی او فعل مستقبل مجهول است مثلاً قل یا ایہا المؤمنین یا ہؤلاء المؤمنین
در یک حالت فمالہم من ناصرین فمالہم من ناصرین است نہ کہ ہا از دین
ایں جامعہ جموع مراد نیست بلکہ افراد است، لہذا در دین، رخصت و حسن سرور قرار است
قرآن بہفت حرف و صحابہ تفسیر لفظی بحرف موافق تجویز نمودند و ملاحظہ نمائید ہا تفسیریم
و تاخیر لاحقہ التاخیر و اظہار مقد ر و ترک مخم و تبیین نحو از دست نہ اندر رصوبہ فہم مراد از ہا
ہما اکن قصد نمود کہ بادی تصرف از تقدیم و تاخیر و زیادہ حرنی ہا خبر مقدری ہا ی دوعی

آئیمے تو فعل مستقبل معلوم اس کہ مساوی ہوتا ہے ہر اسم مفعول جو استعمال سکے نہ یا با ہر
تو اس کا مساوی فعل مستقبل مجهول ہوتا ہے جیسا کہ قل یا ایہا المؤمنون یا ہؤلاء المؤمنین
بملاحظہ معنی ایک حال میں ہیں (یعنی اے ایمان والو یا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو) دونوں
جملے ہم معنی ہیں۔ اور اسی طرح فمالہم من ناصرین اور فمالہم من ناصرین
کا ایک ہی نسق ہے اس لئے کہ اس جگہ ناصرین سے عموم جمع مراد نہیں بلکہ افراد مراد ہیں رہیں
ناصر اور ناصرین ہم معنی ہوئے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے دین حقہ میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ ہم سات حروف
(لغات عرب) میں سے جس حرف (لغت) میں چاہیں قرآن حکیم کی قرأت کر سکتے ہیں اسی بنا پر
صحابہ رضی اللہ عنہم نے تفسیر لفظی موافق لغت کے ساتھ جائز رکھا ہے۔ میں نے ترجمہ قرآن حکیم
میں اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے کہ جس لفظ یا جملہ کا حق مقدم یا مور ہوئے کا ہر
وہ مقدم و موخر ہی رہے اور یہ کہ مقدرات کو ظاہر کر دیا جائے اور ترجمہ کا ترک اور نہیں

پر معطوف یا باظهار مضمری و اضمار منطہری آں صعوبت راصل نمود اگر طبیعت کلام ہا زیں تصانیف
ابامی کند بعد ادائے ترجمہ لفظ اصل معنی را بلفظ یا مراد آنست معلم نموده مذکور کرد و اگر ذکر قید
یا محمل کلامی یا اصل کنایتی یا کشف تعریفی یا تسمیہ مبہمی ضرورت آنرا نیز بلفظ یعنی مراد آنست
معلم نمود خوانندہ سعادتمند را باید کہ بعد ذکر انچہ در چیز یعنی واقع است اعادہ کند کلام
را با کلام مربوط نمایند یا بجمہ مواضع اختلاف لختین بسیار است از انجملہ آنکہ رسم عرب است
کہ نخست معنی را بتوعی از اجمال و اختصار بیان کنند بعد ازاں تفصیل و تبیین کنند و این تفصیل
بعد اجمال پیش ایشان لذت کم از ذکر کلام منہج تفصیل یافتہ نشود مثلاً گویند ضربت زید را
سہ حسن زید دارا ان احد استارک زید ا ضربت پس در ضربت زید را سہ و سبب زید

(اظہار) جیسے نحوی مسائل کو ہاتھ سے نہ جاتے دیکھو در اگر فہم مراد میں مشکل پیش آگئی تو حتی
یہ قصد و ارادہ کیا کہ تقدیم و تاخیر اور مقدمات کے اظہار میں ایک لفظ کا اضافہ یا معطوف پر عامل
اعادہ یا مضمر کا انجہ یہ منظر کا اختصار اس قسم کے دلی صرف کے ذریعہ سے اس صعوبت کو حل
کر دیا جائے اور اگر کلام کا مزاج اس قسم کے تصرف سے ابار (شکاف) کرتا ہے تو عقلی ترجمہ کے
بعد اصل معنی کو لفظ یا مراد آنست یا یہ مراد ہے کہ نشان دیکر ذکر کر دیا ہے۔ اور اگر کسی لفظ
قید کا ذکر کسی کلام محمل کی تفصیل کسی کنایہ کا حل کسی لفظ کے معرفہ ہونے کا کشف یا کسی
کا ازالہ ابہام ضروری معلوم ہو تو ان کو بھی "یا مراد آنست" کہلر بیان کر دیا ہے اس لئے
سعادتمند صاحب مطالعہ کے لئے از بس ضروری ہے کہ ترجمہ کے جب اس مقام پر پہنچے جہاں
لفظ "یعنی" مذکور ہے تو کلام سابق کا اعادہ کیے اصل کلام کے ساتھ اس کو مربوط کرے (اور معنی کو
شرح و وضاحت کی حیثیت میں مطالعہ کرے)

غرض عربی اور فارسی لغات (زبان) کے بین مواقع اختلاف اکثر و بیشتر ہیں منجملہ ان کے
ایک یہ ہے کہ اہل عرب کا دستور ہے کہ اول کسی مطلب کو اجمال و اختصار کے ساتھ بیان کرتے

ثوبہ مبادرت کنند باثبات حکم زید را و در حقیقت ثبوت حکم زید را بحال متعلق باشد پس عود کنند
و تدارک آن تسامح نمایند و همچنین حسن زید را اثبات کردند و حقیقت حسن زید ثابت است
بواسطہ متعلق او پس عود کردند و آن را در صورتی کہ نمودند و این را گفتند کہ میزان نسبت حسن
است از فاعل یا مفعول و در ان احد اضماع نمودند مستحق را و در زید ضمریت اضماع نمودند
ضمریت را بعد از ان تدارک فعلی کہ در اضماع حاصل شد و بتقدیم رسانیدہ اند و این صرف در زبان
عجم بالوف نیست و از ان جملہ آنکہ عرب قصد کنند بحد و آن را غبی و ہندو از سنن طبعی معدول

اور بعد از ان اس کی تفصیل و تبیین کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ ان کی فہم پر پانچویں جو در
اجمال اس سے کم ہدایت اند و نہ نہیں سہت کہ بتداری میں وہ تفصیل سے کہہ دے کہ وہ کہہ
کردیں مثلاً وہ کہا کرتے ہیں "ضمریت زید" اس میں نے زید کے سر پر "خسوف زید" اور "زید کا
گھر چھا ہے" ان احد مستحق رک۔ اور اگر کوئی تجھ سے پناہ پے ہے" پس نہ بنا زید را سے اور سہت
زید اپنے میں بعیت و زید پر حکم ثابت کرتے ہیں و در حقیقت مقصود یہ ہے کہ زید کے مقصود
پر حکم صادر کریں اس لئے اس تسامح کا تدارک کرنے کے لئے اس متعلق سے کہہ سکتے ہیں اس
طرح حسن زید کا اول اثبات کرتے ہیں و حقیقت میں حسن زید بہ ثبوت اس کے ضمن غنی
دار زید کے ذریعہ مقصود ہوتا ہے اس سے بھر جوڑا کرتے ہیں اس سے خود کہہ سکتے ہیں اس سے
کرتے ہیں یہی جب کہ کہتا چاہتے ہیں کہ زید کا بہت خوبصورت ہے اس سے کہہ سکتے ہیں کہ
زید حسین ہے اپنے گھر کے اعتبار سے اور اس بنا پر ان اضماع یہ ہے کہ میزان نسبت محول؟
فاعل یہ مفعول سے اور ان احد میں استیجاز کو مضمر اور و شیعہ اور ضمریت زید میں
"ضمریت" کو مضمر تسلیم کرتے ہیں و درجہ زید اضماع کی وجہ سے کہہ میں جو ضل پیدا ہوتا ہے اس
کا تدارک اس طرح کرتے ہیں کہ کلام کے شروع میں اس مقدر کو محفوظ رکھتے ہیں اور ظاہر
ہے کہ اس قسم کا تصرف عجمی زبان میں باتوں نہیں ہے۔

نمائند چنانکہ وعد اللہ وسیح اللہ وحق اللہ بود وروی تصرفی کردند بجائے فعل مصدر را اقام نمودند و آنرا بمعمول فعل خواہ فاعل یا مفعول باشد بواسطہ حرف جر خواہ بواسطہ مضاف نمود پس گفتند وعد اللہ حقاً و سبحان اللہ و سقیالک و زبان عجم بنظر اس تصرف آشنا نیست و از اہل جملہ آنست کہ منکر را در صورت معرف گویند و مفلوک من الاضافہ را در صورت مضاف بر من حصول تخفیف در لفظ و غرض ایشان بہاں معنی اہلی بود و از اہل جملہ آنست کہ خواہند کہ باک مضمون را دوبار عرض نہ بنویسند از سہولت ادای پس آن تکرار را از اول منقوت سازند گویند

از انجملہ اہل عرب جب ایک جملہ بولتے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس میں ایک خاص قسم کی تعبیر کرتے ہیں اور جملہ کو اس کے اصل مزاج سے ہٹا کر استعمال کرتے ہیں مثلاً "وعد اللہ" "سیح اللہ" "و سقیالک اللہ" (اللہ نے وعدہ کیا ہے) "اللہ پاک ہے" "اللہ تجھ کو سیراب کرے" ہے۔ پہلے اس میں وہ تصرف کرتے ہیں کہ فعل کی جگہ مصدر کو قائم مقام بنا دیتے ہیں اور پھر اس کو فعل کے معمول کے ساتھ خورہ وہ فاعل ہو یہ مفعول بواسطہ حرف جر یا بلا واسطہ مضاف کر دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں "وعد اللہ حقاً" "سبحان اللہ" "سقیالک"۔ مگر عربی زبان اس قسم کے تصرف سے مطلقاً آشنا نہیں ہے۔ اور منجملہ دوسرے تصرفات کے ایک تصرف یہ ہے کہ لفظ منکر کو (نکرہ) معرف (معروف) کی صورت میں بولتے ہیں اور جس جملہ سے ضافت محو کر دی گئی ہو اس کو مضاف کی صورت میں اس لئے بولتے ہیں کہ لفظ میں تخفیف حاصل ہو جائے دراصل لیکہاں تصرف کرنے والوں کا غرض ان تصرفات کے باوجود وہی معنی ہی ہوتے ہیں۔

در منجملہ تصرفات کے ایک تصرف یہ ہے کہ کبھی وہ یہ چاہتے ہیں کہ ایک مضمون کو دو مرتبہ پیش نظر لائیں۔ اور سہولت ادا بھی ہر گز سے نہ جائے پس یہ کرتے ہیں کہ اس منکر کو اول کے ساتھ منفق کر دیتے ہیں۔ مثلاً بعض کہتے ہیں ہوا علیہم علماً واحلمہم حلاً وازید ابولک عطوفاً وتبسم صا حفا وقام قائماً والذاریات ذروا والصفات

اعلمہم علما واحلمہم علما وزید ابوک عطفوا وتبسم ضحکا وقام قائما۔ و
 اریات خروا والصادقات صفاء۔ وای چیز یا در عجم مستعمل نیست وازاں جملہ آنست کہ قصد
 ہر جملہ تامہ و صورت آنرا تغیر دہند بتسلیط فعلی یا حرفے برابر جائے اس جملہ گویند ماکان زید
 فعل ہذا وانا ضرب زید و صنعت زید قائما و در فارسی آن عامل را برابر جزائی جملہ مسلط نکلند
 زوی جدا تقریر کنند گویند دانستم کہ زید قائم است نگویند دانستم زید را استادہ و جزیں نبود
 زید زد و ہرگز نیست کہ زید چنین کند وازاں جملہ کہ در عربی گویند قائم زید و در فارسی گویند
 پیرا استادہ و اگر گویند استادہ زید و یک باشد وازاں جملہ آنست کہ در فارسی حکایتہ حال
 ماضی بد داخل کردن حرف می بر ماضی متحقق شود گویند می کرد می زد و در عربی بدون استعاضا کان

صفاً اس قسم کا تصرف عجمی زبان میں مستعمل نہیں اور منجملہ تصرفات کے ایک تصرف یہ ہے کہ ہل
 رب جملہ تامہ کا ارادہ کرتے ہیں مگر اس کی صورت کو اس طرح بدل دیتے ہیں کہ کسی فعل یا حرف
 یا جزا جملہ پر مسلط کر دیتے ہیں مثلاً کہتے ہیں ماکان زید یفعل ہذا وانا ضرب زید و
 صنعت زید اقامما۔ اس کے برعکس فارسی زبان میں اس قسم کے عامل کو جو عربی زبان میں
 فعل یا وقت کی زبان میں نمودار ہوتا ہے۔ جزا جملہ پر مسلط نہیں کرتے بلکہ اس کو جہ لاتے ہیں
 عربیوں کہتے ہیں "دانستم کہ زید قائم است" اور یوں نہیں کہتے "دانستم زید را استادہ"
 اور از انجملہ یہ کہ عربی میں قائم زید کہتے ہیں اور فارسی میں زید استادہ کہتے ہیں پس اگر
 لغام زید کی طرح قاری بھی استادہ زید کہے۔ تو یہ جملہ رکب ہو جائے گا۔ اور از انجملہ یہ کہ
 ماضی میں حال ماضی کی اگر حکایت کریں تو ماضی میں ہی داخل کرنے سے معنی متحقق ہو جاتے
 ہیں اور یوں کہتے ہیں می کرد، می زد۔ مگر عربی زبان میں جب تک لفظ کان کو اپنے اصل حقیقت سے
 ہٹا کر مستعار نہ لیا جائے حکایت حال ماضی کے معنی درست نہیں ہو سکتے۔ مثلاً یوں کہیں گے
 کان یفعل۔

راست نیاید کہان یفعل وازاں جملہ آست کہ فعل مضارع در عربی خبری تواند واقع شدہ از جمل وکادو مثال آن بخلاف زبان عجم و همچنین در عربی جملہ خبری کی واقع شود۔ گویند زید قام ابوہ در فارسی بدون تکلف راست نہاید۔

اسی طرح یہ کہ عربی میں فعل مضارع جَعَلَ اور کاد کی خبر واقع ہو سکتی ہے برخلاف فارسی کے کہ اس میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی عربی میں جملہ اسم کی خبر واقع ہو سکتی ہے چنانچہ کہتے ہیں زید قام ابوہ و یہ صورت فارسی میں تکلف کے بغیر درست نہیں ہوتی۔
(باقی آئندہ)

قرآن اور تصوف

شہ کی بلند پایہ علمی اور تحقیقی کتاب

تالیف جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی بیرسٹریٹ لاء صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ
حیدر آباد دکن۔ رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین دہلی

ڈاکٹر صاحب نے اس گراں بہہ تالیف میں حقیقی اسلامی تصوف کو منطقی ترتیب و وضاحت کے ساتھ ایک خاص سلوب میں پیش کیا ہے۔ کتاب و سنت کے منشا و ماخذ کی روشنی کتاب کی جان ہے۔ قابل مطالعہ کتاب ہے۔ بڑے بڑے عنوانات ملاحظہ ہوں۔

عبادت و استقامت، قرب و معیت، تہذیب و استقامت، خیر و شر، جبر و قدر، یافت و شہوت
قیمت دو روئے۔ جلد تین، پے۔

مکتبہ ندوۃ المصنفین دہلی قزول باغ

ادبیت گل رنگیں

جذبِ آلم منظر نگری

لے گل رنگیں ازل سے گلستاں پرور ہے تو
ہے فضا کے گلستاں معمور موج نور سے
ری رنگینی کا منظر جلوہ عام چمن
راہِ اک برگ رنگیں اس طرح ہر جلوہ ترا
ندگی بخش گلستاں سے تری جلوہ گری
ہے شفق کی سرخیوں میں خستہ روشن جبین
ز حسن و عشق کا غماز ہے جلوہ ترا
ست رکھتا ہے تجھے صبا کے الفت کا خمار

لے رہا ہے لطف زخمِ غمزہ قاتل سے تو

آگہی رکھتا ہے شاید درد کی منزل سے تو

بلبل شیدا کے نالے ہیں فقط اک دل لگی
حسنِ کامل کیلئے اتنا بھی کیا لازم نہیں
عبرت آموز چمن ہے تالہ بر بادِ عشق
باغ کی خاموشیاں ہیں حاصلِ سدا سخن
تو شریکِ بزم بھی ہے بزم سے بیگانہ بھی

ہے یہاں جو بھی وہ سرگرم سخن ہے بر محل

ایک تو ہے صرف پابندِ سکوتِ مستقل

اس سو میں واقف ہوں اے جانِ ہمین جانِ بہار
 بزمِ عالم میں ہے جو ضبط و سکون کو آشنا
 میں تحمل کے نتیجے شرحِ تقدیرِ حیات
 بہ ترسبِ سچ ہے گراے نو بہارِ زندگی
 فصرہ فصرہ بکھر ہستی کا سکون آمیز ہے
 چپ ہی رہتی ہے کل اس کو صبا چھڑے ہزار
 مطربِ شام و سحر کے رگ میں سبے خل
 تو بھی اک تقریر کو ایسی چمن میں صاف صاف

التجارتِ ارم کہ اسے بیگانہ ذوقِ سخن
 شوقِ عینِ نالہ ہائے زارِ بلبل در چمن

نغمہ جاوید

جناب فرید جاوید

خیر نہ چہیز دی سنا بہ حدیثِ رند نہ
 میں رہی ہے فضاؤں سے مستقلِ مستی
 نگاہِ کھیل رہی ہے اک اور عالم سے
 نہ رنجہ جوں مری جانبِ اس آنکھوں سے
 ندیمِ چھکوسہ مستدام لازم ہے
 بھارتا ہوں وہ جذب کہ دلبری آجائے
 زورِ رحمت پروردگار ہے جاوید

مجل رہی ہے رگ و پے میں روحِ میخانہ
 نہ میکدہ ہے نہ ساقی نہ مے نہ پیمانہ
 نگاہ میں ہے یہ عالمِ تمام افسانہ
 گزارنی ہے تجھے زندگی جدا گانہ
 مرا شعارِ محبت ہے بے نیازانہ
 سنوارتا ہوں خدو خالِ حسنِ جانانہ
 غزلِ سرا ہے سرِ شام کون دیوانہ

تصنیف

ہمارے بینک | از جناب محمد احمد صاحب سبزواری ایم۔ اے۔ تقطیع متوسلہ ختم امت ۱۵۸
صفحات، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ۱۲ غیر مجلد ۱۲ پتہ۔ انجمن ترقی اردو (سمت دہلی) نمبر ۱
دریا گنج دہلی۔

فن معاشیات میں جو چند چیزیں بڑی پرہیزگار اور غور طلب ہیں، ان میں سے ایک بینک کا
مسئلہ بھی ہے۔ اچھے اچھے تعلیم یافتہ لوگ جنہوں نے اقتصادیات کا مطالعہ بحیثیت فن کے نہیں
کیا ہے ان کے لئے اس کا سمجھنا اور بھی دشوار ہوتا ہے۔ حالانکہ ہمارے دورِ برہ کی زندگی سے اب
اس کا جتنا قریبی تعلق ہو گیا ہے، بقا ہے۔ اس بنا پر انجمن ترقی اردو نے اردو میں یہ ہمہ گوشہ
ایک ایسی عمدہ کتاب شائع کر کے ہمارے ملکی اور قومی ادبیات میں بینک قابل قدر کتاب قرار دے کر اس
کتاب میں بینک کی تعریف، ان کے مختلف کام، ان کی ابتدا اور ترقی کی تاریخ اور اس کے
مشہور بینکوں کے نام اور ان کے حالات، مرکزی بینک کا مفہوم اور اس کی بنیاد، اس میں فنون
وغیرہ مسائل پر سلیس اور عام فہم زبان میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اصل میں اس کتاب کے علاوہ
ضمیموں میں رزرو بینک اور امیریل بینک وغیرہ کے گوشواروں کا جو ذکر آیا ہے وہ خوراک
مستقل افادہ حیثیت رکھتا ہے۔ چوتھے اور پانچویں ضمیمہ میں انگریزی اصطلاحات کے اردو
ترجمہ اور اردو کتابوں کا تذکرہ ہے جو اقتصادیات کے طالب علم کے لئے بڑے کام کی چیز ہے
کتاب پُر از معلومات اور مفید ہے اور اس لائق ہے کہ اسے غور سے پڑھا جائے۔

مقالات جمال الدین افغانی | از سید مبارک الدین صاحب رفعت ایم۔ اے۔ تقطیع

خور و ضخامت ۲۶۴ صفحات۔ طباعت و کتابت بہتر قیمت قسم اول ہے و قسم دوم ۱۲ پتہ

دارالاشاعت مسیاسہ حیدر آباد دکن۔

سید جمال الدین افغانی انیسویں صدی عیسوی کے نہایت پر جوش اور سرگرم انقلابی مفکر اسلام تھے۔ آپ کے حالات میں اردو میں ایک نہایت عمدہ کتاب آثار جمال الدین کے نام سے پہلے شائع ہو چکی ہے۔ اب اس کتاب میں ان کے چند فارسی مقالات اردو ترجمہ کے قالب میں یکجا شائع کر دئے گئے ہیں۔ قاضی عبدالغفار صاحب نے اس کا مقدمہ لکھا ہے۔ بقول قاضی صاحب کے یہ مقالات جناب سید مرحوم کے طوفانی سمندر کی چند موجیں یا ان کے فولادی افکار کی آتیں چنگاریاں ہیں۔

ان مقالات کے ساتھ شیخ کے بعض خطوط بھی شریک اشاعت ہیں جو نہایت دلچسپ اور اسلامی غیرت و حمیت کو ابھارنے والے ہیں۔ ترجمہ کی زبان سہل سلیس اور زور کے اعتبار سے اصل سے ملتی جلتی سی ہے۔

تسہیم | از جناب قیسی رامپوری۔ تقطیع خورد ضخامت ۳۹۰ صفحات کتابت و طباعت بہت عمدت قیمت ملحدہ پتہ: عبدالحق کیڈمی اشاعت نزل اردو گلی حیدر آباد دکن

یہ ایک دلچسپ ناول ہے جو بیک وقت رومانی ہے اور جاسوسی بھی پلاٹ بہت کچھ فیاض علی صاحب لکھنوی کے دو مشہور ناولوں "تسہیم" اور "نور سے ملتا جلتا ہے" لیکن اس میں ٹیکنک اور زبان کی متعدد خوبیاں ہیں جو اگر نہ ہوں تو ناول بحیثیت فن بھی بہت کامیاب ہوتا۔ رفعت کا اختر کے تعلق یہ یقین ہو جانا کہ اول درجہ کا بد معاش اور خوشخوار انسان ہے اور اپنے بھائی حمید کی کم شدگی کی حقیقت سے اس کا باخبر ہونا اور اس کے باوجود ایک مدت تک اس کا اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ پھر اختر کے زخم خوردہ ہو کر گرفتار ہونے پر اس کے ساتھ اس کی پرانی محبت کے جذبہ کا بیدار ہو جانا یہ سب ایسی چیزیں ہیں جنہوں نے ناول کو ایک بڑی حد تک افکار ما فوق العادت کا مجموعہ بنا دیا ہے۔ پھر آخر کا حصہ تو اچھا خاصہ طلسم ہوشربا کا کہانی باب ہی معلوم ہوتا ہے۔ تاہم قیسی صاحب میں کامیاب ناول نویس ہونے کی پوری صلاحیت نظر آتی ہے۔ اگر انھوں نے اپنے ناولوں میں "دہشت انگیزی" اور

حضرت آفرینی کے بجائے واقعہ نگاری اور حقیقت بیانی کا ہی ذکر اور زبان کی بھی صلاح کرنی تو ایک دن وہ یقیناً اردو زبان کے شہرثانی ہو سکتے ہیں۔ بہر حال بحیثیت جمہوری ناول نگار اور فرصت کے اوقات میں پڑھنے کے لائق ہے اور مصنف کا پرواز تخیل قابل داد۔

دکن کی سیاسی تاریخ | از سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی تقیہ خور رضی اللہ عنہ ۳۰۰ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت ۵ روپے دارالاشاعت سیاسیہ، شاعت منزل، اردو گلی۔ حیدرآباد دکن۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں دکن کی حکومت تحفہ کی تاریخ بیان کی گئی ہے کہ اس خاندان کے جد امجد نظام الملک آصف جاہ کون تھے، ان کے خاندانی حالات کیا تھے۔ بادشاہ عالمگیر اور اس کی وفات کے بعد مختلف شاہانِ مغل کے زمانہ میں دکن کے سیاسی حالات کیا رہے۔ اور آخر کار کس طرح دربارِ دہلی سے تعلق منقطع کر کے دکن میں ایک مستقل حکومت قائم کی گئی۔ دکن کے سبب و وجہ کیا تھے۔ ایک عام قاری کے لئے کتاب دلچسپ اور معلومات فراہم۔ لیکن مورخانہ حیثیت سے اس کے بعض برحق پر گفتگو اور بحث و نظر کی کافی گنجائش ہے۔ نثر مصنف نے ہر باب کے آخر میں مآخذ کی فہرست بھی دیدی ہے لیکن اچھا یہ تھا کہ وہ ہر دفعہ کے متعلق کتاب کا حوالہ بقید صفحہ دیتے تاکہ اس کی سہولیت حاصل ہو سکتی ہو اور کتاب علمی حیثیت سے بھی وقیع ہو سکتی۔

مشاہیر چین | از میرزا بدیع علی خاں بی۔ لے۔ تقیہ خور خجاست ۲۴۰ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت ۵ روپے دارالاشاعت سیاسیہ، شاعت منزل، اردو گلی۔ حیدرآباد دکن۔

اس مختصر کتاب میں چین کی نو مشہور شخصیتوں کے حالات، ان کے کمالات اور کارناموں کا تذکرہ ہے جو مختلف حیثیتوں سے چین کی تاریخ میں اپنا ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ یہ شخصیتیں چین کی قدیم تاریخ سے لیکر اس کی موجودہ زمانہ کی تاریخ تک سے منتخب کی گئی ہیں۔ آخر میں ایک ضمیمہ میں چین کے حکمران خاندانوں کی ایک فہرست مع ان کی

حکومت کی مدت کے بیان کے ہے۔ اور دوسرے ضمیمہ میں چینی جمہوریت کے مختلف ادوار کا ایک نقشہ ہے۔ اس کے بعد کتاب کے ماتخذ کی ایک فہرست ہے۔ کتاب عام معلومات کے اعتبار سے دلچسپ اور لائق مطالعہ ہے لیکن زبان بہت کچھ اصلاح طلب ہے۔

ہندوستان کے مصنفین کی مشہور کتاب

مکتب لغات القرآن

مع فہرست الفاظ

جلد دوم

جس کا مدت سے انتظار تھا شائع ہو گئی

اس عظیم الشان اور مفید ترین کتاب کی جلد اول جمع ہو کر اہل علم و اصحاب ذوق کے پاس پہنچ چکی ہے لغت قرآن پر ایسی جامع اور مکمل کتاب ہماری زبان میں آج تک شائع نہیں ہوئی۔ الفاظ قرآن کی مکمل تشریح متعلقہ مباحث کی ضروری تفصیل کے ساتھ قصص قرآن اور اہل قرآن یعنی قرآن مجید نے جن مقامات کا تذکرہ کیا ہے ان کا مفصل بیان بھی آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔

ہندوستان کے مشہور و معروف اخبار مدینہ نے کتاب کی جلد اول پر مفصل تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا "جو لوگ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب بہت مفید ہے۔ اس میں کلام پاک کے تمام الفاظ و کلمات کے معنی نہایت شرح و بسط کے ساتھ عام فہم اردو میں درج کئے گئے ہیں انہی اردو میں اس موضوع پر چند کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن یہ تبصرہ کتاب ہر لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتی ہے۔ طباعت و کتابت ندوۃ المصنفین کی روایتی شان کے مطابق اس گرانی و گراں جانی کے زمانہ میں بھی حیرت ناک طور پر بہت عمدہ اور دیرہ زیب ہے۔" قیمت غیر مبلد ہے۔ مبلد للعم

نیچر ندوۃ المصنفین دہلی قریول باغ

لمصنفین دہلی مطبوعات ندوۃ الدین کی

ذیل میں ندوۃ الدین کی کتابوں کے نام مع مختصر تعارف کے درج کئے جاتے ہیں تفصیل کے لئے دفتر سے فہرست کتب طلب فرمائیے اس سے آپ کو ادارے کی ممبری کے قوانین اور اس کے حلقہائے محسنین و معاونین اور اجراء کی تفصیل بھی معلوم ہوگی۔

مسئلہ ۱۔ اسلام میں غلامی کی حقیقت۔ مسئلہ غلامی پر پہلی محققانہ کتاب جدید ایڈیشن جن میں ضروری اضافے بھی کئے گئے ہیں قیمت ۷۰ مہلہ للغہ	غلامان اسلام۔ پچھتر سے زیادہ غلامان اسلام کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی بیان قیمت ۷۰ مہلہ للغہ
تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام۔ اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کا دہنیر خاکہ قیمت ۷۰ مہلہ للغہ	افدق اور فلسفہ اخلاق۔ علم الاخلاق پر ایک مبسوط محققانہ کتاب جس میں اصول اخلاق اور انواع اخلاق اور فلسفہ اخلاق پر مکمل بحث کی گئی ہے قیمت ۷۰ مہلہ للغہ
پروفیسر کارل ڈیل کی آٹھ تقریروں کا ترجمہ جرمنی سے پہلی بار اردو میں منقل کیا گیا ہے قیمت ۷۰ مہلہ للغہ	مسئلہ ۲۔ قصص القرآن حصہ اول۔ جدید ایڈیشن ندوۃ الدین کی مایہ ناز اور مقبول ترین کتاب زیر طبع قیمت ۷۰ مہلہ للغہ
ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ ۴	وحی الہی۔ مسئلہ وحی پر پہلی محققانہ کتاب قیمت ۷۰ مہلہ للغہ
مسئلہ ۳۔ نبی عربی صلعم۔ تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں سیرت سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص ترتیب سے یکجا کیا گیا ہے قیمت ۷۰ مہلہ للغہ	دور روپے مہلہ للغہ
قیم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم ضائع کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو مرتب کیا گیا ہے اس موضوع پر اپنے رنگ کی ب مثل کتاب قیمت ۷۰ مہلہ للغہ	بین الاقوامی سیاسی معلومات۔ یہ کتاب ہر ایک لائبریری میں رہنے کے لائق ہے قیمت ۷۰ مہلہ للغہ
	تاریخ انقلاب روس۔ ٹرانسکی کی کتاب کا مستند اور مکمل خلاصہ قیمت ۷۰ مہلہ للغہ

۳۲۔ قصص القرآن حصہ دوم قیمت للہر مجلد ص ۱۰
اسلام کا اقتصادی نظام۔ وقت کی اہم ترین کتاب
جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل
نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ تیسرا ایڈیشن زیر طبع
قیمت للہر مجلد ص ۱۰

خداقت راستہ ۱۔ تاریخ ملت کا دوسرا حصہ۔
جس میں عہد صفائے راشدین کے تمام قابل ذکر
واقعات صحف و جامعیت کے ساتھ بیان کئے
گئے ہیں۔ قیمت ۲۰ روپے مجلد للہر

مسلمانوں کا روح اور زوال۔ جدید ایڈیشن
زیر طبع قیمت ۱۰ روپے مجلد ص ۱۰

۳۳۔ مکمل لغات القرآن جلد اول۔ لغت
قرآن پر پہلی کتاب ہے۔ مجلد للہر
سرمایہ۔ کارل مارکس کی کتاب کمپنیشن کا مفصل ششہ
ورفتہ ترجمہ قیمت ۱۰ روپے

اسلام کا نظام حکومت: صدیوں کے قانونی مطالبہ
کا تاریخی جواب۔ اسلام کے ضابطہ حکومت کے
تمام شعبوں پر دفعات وار مکمل بحث۔ قیمت
چھ روپے مجلد سات روپے۔

خلافت نبی امیہ۔ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ خلفائے
نبی امیہ کے مستند حالات و واقعات کے مجلد ہے
۳۴۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت
جلد اول۔ اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب۔ انداز
بیان دلکش قیمت للہر مجلد ص ۱۰

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت
جلد ثانی۔ قیمت للہر مجلد ص ۱۰

قصص القرآن حصہ سوم۔ کتاب کے اس حصہ میں
نبیاء علیہم السلام کے واقعات کے علاوہ باقی
قصص قرآنی اور تاریخی واقعات کی مکمل تشریح
و تفسیر کی گئی ہے۔ قیمت ۱۰ روپے مجلد ص ۱۰

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد ثانی۔
قیمت ۱۰ روپے مجلد للہر

۳۵۔ کتابوں میں قرآن اور تصوف مولفہ
ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
طبع ہو چکی ہے جو رفتہ رفتہ حضرات محسنین و معاونین
کی خدمت میں روانہ کی جا رہی ہے

قصص القرآن جلد چہارم پریس کو جا چکی ہے
باقی دو کتابوں کا اعلان بعد کو کیا جائیگا۔

نیچر ندوۃ المصنفین دہلی قرول باغ

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

- ۱) محسن خاص۔ جو مخصوص حضرات کو کم یا کم روپے نیکیت و خدمت فرمائیں گے۔ ندوۃ المصنفین کے دائرہ مصنفین خاص میں یہی شمولیت سے عزت نہیں گے ایسے علم و ادب کے حاملین خدمت میں داریے اور کتب خانہ کی تمام مہجوعات ملکہ جاتی رہیں گی اور کتب خانہ و دکان کے قیمتی مسودوں سے مستفید ہونے میں آئے۔
- ۲) محسنین۔ جو حضرات کسی بھی روپ میں خدمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ مصنفین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے خدمت میں دہنے کے نقطہ نظر کو مدنظر رکھ کر بلکہ سبب سے اس کو نگارہ ادارہ کی طرف سے حضرات کی خدمت میں اس کی تمام مہجوعات کی تعداد و مدت حد پر جس پر اس کے ذریعہ ان کی بعض مہجوعات اور دوا کا رس نہ بن سکی۔ اس کے بعد پیش کر دیا جائے گا۔
- ۳) معاونین۔ جو حضرات اندازہ روپ میں ہفتی خدمت فرمائیں گے ان کا نام ندوۃ المصنفین کے صندوق میں لکھ کر ان کی خدمت میں اس کی تمام مہجوعات درجہ و رتبہ کے مطابق دی جائیں گی۔ یہ چھوٹے یا بچے (پچھلے) کے ہوتے ہیں یا بچے کے ہوتے ہیں۔
- ۴) اہل بیت۔ جو روپ سالانہ دیکھنے والے صاحب ندوۃ المصنفین کے ہوتے ہیں ان کی خدمت کو رسالہ باقیمت دیا جائے گا۔ اور ان کی طلبہ پر اس سال کی تمام مہجوعات و درجہ خدمت مقرر ہو جائیں گی۔

قواعد

- ۱) برہان ہر گزیری مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو ضرور شائع ہو جائے۔
- ۲) مذہبی علمی جمعیاتی اخلاقی مضامین بشمول طب و جراحی ادب کے میدان پر پورے اثریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔
- ۳) دو دو درجہ کے بہت سے رسالے ڈاکٹروں میں ضائع ہوتے ہیں جن میں صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۰ تاریخ تک دفتر کو حلال و دیروں کی خدمت میں رسالہ و باقیمت بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابل اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔
- ۴) جو بطلب مقرر کے سے اس کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا ضروری ہے۔
- ۵) قیمت رسالہ پانچ روپے سنہ بسا دو روپے بارہ آنے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۸۔
- ۶) منی رڈر دیکھ کر وقت کو پہنچا کر پورا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

موری محمد درسی صاحب پرنٹر و پبلشرز جید برقی پریس دہلی میں شائع کرانہ دفتر رسالہ برہان دہلی قریب باغ و شائع کیا

مَدَوَّةُ اَيِّينِ بِلَى كَا عِلْمِي دِينِي كَا هِنَا

بُرْكَاتُ

مُرَاتِبُ
سَعِيدِ اَحْمَدِ كَسْرِ آبَادِي

برہان

شمارہ ۱۵۱

جلد چہدہم

ذیقعدہ ۱۳۲۶ مطابق نومبر ۱۹۰۷ء

فہرست مضامین

۲۵۶	عبد بن رحیم علی	ت
۲۶۱	ڈاکٹر میر علی مدین صاحب یو ایس بی ایچ ڈی	تجدد و سبیت نمون کشن نقر
۲۷۸	جناب میر ولی اللہ صاحب ایڈوکیٹ ایسٹ آباد	نمون، وکیلیم: صخرہ و سوی
		نعت شہداء و انصار مدبری و
۲۹۳	مور، محمد عطاء الرحمن صاحب سیدہ رومی	مقدمہ ترجمہ اقدار
۳۰۱	میرزا محمد علی صاحب	ایک ذرا کھسن
۳۱۰	میری و فیروز شاہ احمد صاحب مدرسہ	طرس ابستانی
۳۱۷	جناب ماسعودی صاحب	دہلیات: نکتہ توحید
	جناب سید وزیر حسن صاحب عالمگیری ایم اے	دیار حیات
۳۱۹	م - ج	جہ

نظرات

کہتے ہیں دنیا کی سب سے بڑی جنگ ختم ہو چکی ہے جو فاتح قوم کے دعویٰ کے مطابق
 اس سے بڑی نہیں تھی کہ دنیا میں یہاں کا ہیں یا وہ سب لوگ من دعا فیت کی زندگی بسر کریں۔ اور کوئی
 حد قنور قوم بنی قوت کے ہیں کسی کمزور و رب وسیعہ و ذریعہ قوم پر ظلم و زیادتی نہ کر سکے، لیکن اگر یہ سچ
 ہے تو "مگر نہ جنگ نہ کج نہ عدل و مساوات انسانی کے علمبرداروں کی غیر مشتبہ
 بیس کے جن کو اس میں سب سے کمزور و دھما قنور اور کمزور کی کشمکش جاری ہے۔ ورنہ کے
 اندک ہر طرح پہلے فہم و نہ اندازی کا شکار رہتے۔ اب بھی ہیں۔ فلسطین کی مقدس سرزمین پر دنیا
 کی سب سے بڑی سہارہ در قوم بنی قوت کے غریب عیوب کو کون کے کعبہ ولایت اور اس
 فضل باریک سے جس دن کے خیمہ برقی کے سفر معراج کی منزل اولیں بننے کا طبعی اور قدرتی ترقی
 حاصل ہے بے دخل کہ پیش رفتی ہوئی ہے۔ در اس نیا مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے اپنے سر یہ
 کی بدست یہ قسم کی جب زور و تہمت و تشدد نہ ورنہ کا نہ حرکات کر رہی ہے۔ فلسطین کی جملہ ہادی
 کے در کی دشمنی آج عہدہ سہارے ہر گوشہ میں سنی جا رہی ہے ہر طرف احتجاج پر احتجاج ہو رہا
 ہے۔ سندیہ و رقبہ و رشام و عن کے بام و درن فغان سخیوں سے گونج رہے ہیں۔ لیکن
 جس فوج دی خیمہ نے جان و جسمانی جیت و قنور حریفوں کو جنگ کے اکھاڑہ میں پچھاڑ دیا وہ فلسطین
 کے معتمد ہیں بیک زبردستی ہی ہے۔ بہ حریف پنجہ شکن کی نگاہیں صاف بتا رہی ہیں کہ بجلی
 کہہ کر زچوں سے بڑی تباہی کا مدد درمیں ہے۔ گریب ہو گیا تو کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانان
 عہد کا یہ عقد مقدس حریفان بہ وہ جو کی موسیٰ مقدس پندی کا، جگہ بکر پھیلتی جنگ کے شعور
 کو نہیں جھڑک دے گا۔ وہ نیا برسر کی یہ پاک آرام گاہ تولیوں و دشمن گنوں کی رعد آسا گرج سے
 دفنان زرنہ بن جائے گی۔ سب غائبانہلی جنگ عظیم کے ذریعہ خوردہ عربوں پر بھی یہ حقیقت ظاہر ہو گئی

گی جس کا نثار عہد اکبر ہی کے مشہور شاعر عربی نے ان بلیغ غنوں میں یہ تھا ہے

من از فریب امارت گدازم دره

ہزار گنج پویرائے دل افتادہ است

پہلے مصر میں کھائے، اترتے تھے ریاست کو اور بعد کیج وہ یہ جو عربوں کے ہاں

ترجمان بن جانا ہے۔

فلسطين، ورمص کے علاوہ جزائر شرق ہند، و چین و دیگر نووے سبھی کی کشمکش جاری ہے۔

جنگ آزادی اور اپنے حقوق کو حاصل کرنے کی جنگ بڑی عرصے سے اور دوسری طرف غارت

آگے بھڑک کر سامے ملک کو پھر زبردستی شعور میں میٹھ پڑے۔ غمی و درد کو کچھ بے تک و پستی نہ

۱۰۔ سر۔ پیر کی جمع ہتھکڑی کا بھوت یا بھی سی طرح یا بھیجنگ وڈرونا نہ ہو سکتا ہے۔

بہت اور نسل کا اختلاف بہ بھی قوموں کے لئے منافقت و جھگڑا پیدا ہو رہا ہے۔

ہذا کہ پنی ، فیت و من کے لئے س نے بار بار کہنے فرستے ، مذہب سے مناسبتیں ورج مضہ س

وہودی ان نقشوں کو مٹایا ہے اور جان سکا کہ من کے آب حیات سے یہ سن کی صحت دشوکت

میں نے نہیں جاکہ وہ فتنہ حقیقت کی پیروی سے ہی دینی بھروسہ ہے۔

پچھلے دنوں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے ساتھ جو سہ روزہ اجتماع تھا۔ اس میں سب نے شرکت کی۔

یہ رہا شمسۃ معاملہ کیا گیا ہے اس کی تفصیلات خبروں میں ملتی ہیں۔ اس کے بعد دینی مسلمانوں کو ب۔

یہ تمہیں سنان بھی یہ نہ ہوگا جو رنج و غم و اندیشہ سے بے نیاز ہوگا۔

اور ان کی سی سی رہتے تھے کہ کیا جا سکتا ہے اور کیا جا رہتا ہے میں درج و نفوی غم و غم

ہذا کا ری وایشا رہیگی تو مومن کی وہ روشن صفات ہیں جن سے نیک بڑے سے بڑے سدید بھی غافل ہو جی

انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی وہ بے شبہ ہندوستان کے علمدار ہیں جس کی وجہ سے وہ بے شک و رنج و غم رہے

میں۔ میں سنا پہلے لوگوں نے مولانا کی توہین اور ذلت رسانی کر کے اپنی وحشت و بربریت کا ثبوت دیا۔ کوئی تک نہیں کہ انھیں نے اپنے میں فعل سے پوری قوم کو رسوا اور ذلیل کرنے کی کوشش کی۔ ہر جمعہ و رسم شخص کو اپنی رائے آزادی کے ساتھ ظاہر کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ لیکن لاشعوبوں حملہ کرنا اور توہین کرنا کر کے جلد ڈالنا تو ایک ایسی کمینہ حرکت ہے جو کسی ایک معمولی درجہ کے انسان کے حق میں بھی نہیں رکھی جاسکتی۔ چہ جائیکہ ایک عالم جیسے اقدار اور وارثِ صوم کے لئے اگر خدائی جس کی آخری رقع بھی بندوستان کے تیرہ نصیب مسلمانوں سے سلب کر لی گئی ہے تو انھیں سوچنا چاہئے کہ جس قوم کو استغظ و غضب میں بھی بدگواہی اور رستہ کشی سے منع کیا گیا ہے۔ اگر وہ اپنے کسی نہ بر آوردہ رہنمائی کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرتی ہے تو اس کا مصدب یہ ہے کہ وہ اپنے دین و تہافتِ انسانی سے میزاری کا ہی اعلان نہیں کرتی۔ بلکہ دوسرے قوموں کو اپنے ویرہنے کی دعوت بھی دیتی ہے۔ درجہ کوئی قوم اخلاقی اعتبار سے اس درجہ پرست سطح پر ترقی کرے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ عذاب ہی میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس کے فوز و فلاح کی اب کوئی صورت باقی نہیں رہی ہے۔

حضرت علیؑ کا حکم ہے کہ دوسری قوموں کے بڑے آدمیوں کا بھی عز و کرامت بچھڑ سنا نور کے لئے اس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ وہ خود اپنی ہی قوم کے کسی بزرگ کے حق میں وہ کسی بات سے متعلق رکھتا ہو۔ سب و شتم کریں اور اس کی توہین و ذلت رسانی کے درپے ہوں۔ مسلمانوں نے مویہ کھانی دور میں گرسا ارشادِ نبویؐ کا پاس اور نظر رکھا تو وہ دوسروں کے لئے مطلقاً ایک نیک و نونہن سہکتے و رہبت آفات و مصائب سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

توحید الہیت

(5)

ازخدا ڈاکٹر میہ ولی مدین صاحب ایم سے بی ایچ ڈی پریسٹ میٹ لار

صدر شعبہ فلسفہ جاسعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

کیا غضب ہے؟ ہر مومن کے سر پر زندہ خد کو چھوڑ کر مدد دل سے سعادت رستہ میں شہادت
اور اپنی بے شرمی کو رفع کرنے کے لئے کتاب و سنت سے رہنمائی کی فکر میں رہتے ہیں! لیکن
کتاب و سنت سے تو وہیں یہی ثابت ہوتا ہے کہ مائیکرو من دون اللہ من دوی ولا یصلہ یغزوہ، یہ کچھ وقت
جہاں نے کسی بات کو کس خوبی سے دیکر دیا ہے۔

حق فاعل و مفعول به جز حق نیست بود تیز است نرمی است بود

مہنی کہ موثر تھیں بہت یکے سن باقی مہیا اوہام و خیالات بود

[illegible]

اس حدیث کی تحقیق یہ ہے۔

۱۔ مروی ہے کہ ایک بندہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ میرے لئے حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے اس مرض سے شفا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں دعا کروں اور چاہے تو نہ مینا ہی یہ صبر کر کہ تیرے حق میں یہی بہتر ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا ہی کیجئے۔ آپ نے خود دعا نہیں فرمائی بلکہ حکم دیا کہ وضو کرے اور بھر رشتہ فرمایا کہ یہ دعا پڑھے۔ اللہم اِنی اسئلك و اتوجه الیک بنیث نبی الرحمة محمد انی اتوجه الی ربی فی حاجتی هذا مقتضی لی فتعصم فی (ترمذی، نسائی بن ماجہ حاکم نے روایت کی، سنن ابی یزید و ابن ماجہ و کذا فی مشکوٰۃ)

(۲) یہ حدیث غلط ہے اس کے بارے میں قارئین سندیں نہیں کیونکہ اس کا ایک روایت عثمان بن خالد متروک محدث ہے۔ فقہ و محدثین کے نزدیک ایسے روایت کی نقل قارئین حجت نہیں۔ چنانچہ خودی کی تقریب و اس کی شرح تدریب اردی میں یہ مسئلہ صریح ہے۔

(۳) اگر ہم اس حدیث کو بغرض محال و بن سندیں بھی ان میں توسل سے محض توسل ثابت ہو تو یہ غلط ہے۔ آپ کوئی مندر و خطب سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ بارگاہ بند و بندگی میں پیش کرتا ہے تو آپ اس کی توسل سے نہیں جیسا کہ بن سند و ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ توسل میں کیا ہوتا ہے؟ توسل کرتا کیا ہے؟ وہ طلب حاجت کرتا ہے کسی ذات سے جو عرف و معنی میں منفرد ہے جو صاحب مروتی ہے جس کے ہاتھ میں ہر شے کا سکوت ہے اس نے وہ طلب سے پہلے ایک سبب و بہت کو مانگ کر دیتا ہے۔ جب کہ عجمیہ میں قصہ ن تین آدمیوں کا آیا ہے جو ایک غار میں بند ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر شخص نے اپنے سب سے اچھے عمل کے ساتھ توسل کیا و وہ پھر غار کے منہ سے ہٹ گیا۔ اگر یہ توسل بہ عامل فاضلہ جائز نہ ہوتا یا شرک ہوتا تو حق تعالیٰ ان کی دعا کو قبول نہ فرماتے، ورنہ حضور انور اس حکم سے بعد سکوت فرماتے۔

۴۔ یہاں میں تجھ سے، گناہوں کی تہمت و تیری عفت منوجہ ہوں، ہوں بذر یہ تیرے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہی حریف ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں منوجہ ہوں، ہوں اپنے پروردگار کی طرف آپ کے ذریعہ سے اپنی اس حاجت میں تاکہ میرے حق میں وحدت ردائی کی جائے۔ ہی تو ان کی مفاعلت میرے حق میں قبول فرما۔

لیکن اگر متوصل یہ سمجھے کہ انبیاء یا امام گم ہوا واسطہ دروسیدہ ہیں کہ جن کو بکارنا دران پر بھروسہ کرنا ضروری ہے اور جلب نفع اور دفع ضرر کے لئے ان کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور ان کی تعظیم کیا جانا چاہئے تو یہ سب سے بڑا شک ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کے رد میں بہت ساری آیتیں نازل فرمائیں۔
 کفار و مشرکین کہ نے ان کے سوا دوسروں کو پناہ بخش دی کہ ان کے رخصتہ رکھا تھا ان کے صلہ کرنے اور ضرر کے دفع کرنے کے لئے ان ہی کی طرف رجوع کرتے تھے منہ بہ من یہود و نصاریٰ شیخ و غیرہ ورنہ ان کو پکارتے تھے استغاثہ کرتے تھے جن لوگوں نے ان کے متعلق ساف طور پر یہ استناد دی کہ قدرہ یملکون کشف الضر عنکم ولا تخوید۔

دیکھو: شاہ درعیہ کے درمیان عرض معروض کے لئے جو پروردگار کی جوتے ہیں جو ہاتھ کے کانوں تک رعایہ کا درد کہہ چکے ہیں گرونی بنیاد ویا کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ یہ بھی متعالیٰ کی جناب میں خلق کی حاجتوں کو پہنچا رہے ہیں ان کے درد کو سہا رہے ہیں وحق تعالیٰ کی حاجت روائی کرتے ہیں ان کو رزق دیتے ہیں ہدایت کرتے ہیں تو ان ہی کے واسطے سے ہذا ذق کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان ہی سے حاجت طلب کریں ورنہ حق تعالیٰ سے عرض کریں جسے کہ عرض بھی بدن میں سے کرتے ہیں۔

ایسا عقیدہ رکھنے والا اتفاق ہر آدمی کے لئے کتب بعینہ ہی دین مہمکن ہے۔ جو بت پرست ہیں وہ اپنے بنوں کو بنیاد و صاحبین ہی کی صورتیں بناتے تھے ورنہ کوئی ورتی تھی کے درمیان واسطہ دروسیدہ قرار دیتے تھے جو ان کو ان سے قریب کر سکتے تھے۔ (کام ص ۸۰ دہ)
 ورنہ یہ وہ شرک ہے جس کی وجہ سے نصاریٰ خوب ہوئے۔ ان کے متعلق قرآن مبین نے صریحاً فرمایا ہے۔
 تَتَّخِذُوا الْحَاجَّارَ رُحَمَاءَ لَكُمْ وَذُرِّيَّاتَ بَنِي إِسْرٰءِیْلَ وَرُحَمَاءَ بَنِي إِسْرٰءِیْلَ لَا یُعْبَدُونَ وَكَذٰلِكَ یُفَصِّلُ

لَهُمْ مِنْ جَمَلِ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ یَوْمَئِذٍ یَتَوَكَّلُونَ عَلَىٰ حُجَرٍ مَّعْبُودَةٍ غَافِلُونَ ۚ لَٰنْ ذٰلِكَ کُفْرٌ عَنِ
 عَابِدِیْ اِلَّا صَٰلِحُ قَٰتِلِیْنِ مَا تَعْبُدُوْهُمْ لَا یُفْرِیْضُوْنَ اِلٰی اللّٰهِ زُلْفٰی

(افادہ اور اس کی شرح دیکھو)

لا انا لاهود سبحانک انت ربنا (۱) عرض حق تعالیٰ نے اس توحید کو قرآن کریم میں جا بجا بیان فرمایا ہے
ورثہ ک کو بیٹے و بیاد سے کھانز بھینکا ہے و اس کی صل صرف تنہی سے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی سے خوف
نہ کرے و نہ کسی سے امید رکھے و نہ کسی کو ان کے سوا اپنے کاموں میں کافی جانے سے

موسکہ دریای زریز زرش و زره می نہی بر سرش

میر و سسش نہ ہند زس ہیں است بنیاد تو حید و ہیں

ذرا اس واسطہ سے کہ مسدیر عظمیٰ پہلو سے بھی غور کر لو، عام خارجی کی بادشاہت پر نظر ڈالو، وہ
یہاں بادشاہ اور رعایا کے درمیان واسطہ بینائی قسم کے ہوتے ہیں (۱) چونکہ خود بادشاہ اپنی تمام رعایا کے
احوال کی خبر نہیں رکھ سکتا اس کو یہ واسطہ کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کو رعایا کے حال کی خبر دینے
پر ہے۔ یہ ہے کہ اس قسم کا کوئی واسطہ نہ و بندوں کے درمیان فرض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حق تعالیٰ پر
کوئی جزئی منفی نہیں ہے زمین و آسمان کا کوئی ذرہ ان کے عظیم محیط سے باہر نہیں، وہ "یس" و "بصیر" و "عظیم
ہیں و ہوتے ہو کجائی حلیم ہر شے سے و نفی!

۱۔ چونکہ بادشاہ کبڈ سارے ملک کا انتظام نہیں کر سکتا، ورنہ ہی تنہا اپنے دشمنوں سے جنگ
کر سکتا ہے، لہذا اس کو احوان و نصاریٰ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن حق تعالیٰ کو نہ کسی ناصر و مددگار کی ضرورت
ہے، نہ کسی معین، ظہیر کی وہ کائنات کے تمام باب و اہل کے خالق رب، مالک ہیں، ان کی ذات
بامقصد استغنی، نہ نیاز ہے سارے عالم ان کا فقیر و محتاج ہے، مہوک و مروبوب ہے۔

۲۔ چونکہ بادشاہ اپنی رعایا کی نفع رسانی و زخیر گیری میں سستی و غفلت کر سکتا ہے، لہذا اس کو
کسی سیت و محکم کی ضرورت ہے جو اس کو سب اعتراض کی وئی پروا نہ کرے لیکن اس قسم کے کسی محرک کی
حق تعالیٰ کو ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود غنی و یوں باپ سے زیادہ رحم میں۔

عقائد کے تہذیبات کے بارے کے جدیگر کوئی یہ خیال کرے کہ حق تعالیٰ اور ان کے بندوں کے

سے انھوں نے خود کو چھوڑ کر اپنے بندوں کو رب بنا رکھا ہے و مسیح بن مریم بھی جانتے تھے کہ ان کو صرف یہ حکم کیا گیا ہے کہ فقط
ایک معبود کی عبادت کریں جس کے و کوئی نہیں عبادت نہیں، وہ ان کے سرگرم سے پاک ہے۔

بیان ان وسائل کی ضرورت ہے جو سلطین اور رعایا کے درمیان ضروری ہیں وروہ وسائل جیسا کہ ولیا
 ملک یا اور موجودات ہیں تو وہ کھلا بت پرست ہے جو اپنے اہنام اور اونیا کو حق تعالیٰ کے دربار میں شفعہ دیکر
 جتنی مقرب سمجھتا ہے اور سی خاطر ان کی عبادت کرتا ہے وہ خالق کبر کو مخلوق حقیر کے مشابہ سمجھتا ہے جو بغیر
 اپنے اعوان و انصار کے بغیر اپنے معین و ظہیر کے کائنات کا انتظام ہی نہیں کر سکتا۔ فلا تصبروا قدر
 تعالیٰ تعالیٰ عن ذلک علوا کبیرا۔ ۵

عت | اسی سلسلہ میں شفاعت کا صحیح طور پر علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ شفاعت کے معنی میں سفارش
 میں سفارش یا شفاعت کئی قسم کی ہوتی ہے۔

۱۔ شفاعت وجاہت :- بادشاہ کے دربار کا ایک امیر بادشاہ کے پاس ایک چور کی سفارش کر رہا ہے
 اس کی چوری ثابت ہے، بادشاہ منکرینا چاہتا ہے لیکن اس امیر کی سفارش سے وہ بکرمس چور کی تقصیر کو معاف
 دیتا ہے تاکہ امیر کی ناخوشی کی وجہ سے مور سلطنت میں فتنہ نہ پڑے۔

ظاہر ہے کہ جو شخص کہ کسی فرشتے یا نبی یا ولی کو حق تعالیٰ کی جانب میں اس قسم کا شفعہ سمجھتا ہے
 سخت جاہل و دکھلا مشرک ہے۔

(۲) شفاعت محبت :- اس چور کی سفارش بادشاہ کا کوئی معشوق یا عورت کر رہا ہے ورنہ بادشاہ
 اس کی محبت سے ناچار ہو کر چور کو معاف کر دیتا ہے ورنہ اپنے غصہ کی بات ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی بھی شفاعت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں خور نہیں کی جاسکتی۔ بندہ اپنی غیبت
 مدد سے آگے نہیں بڑھ سکتا!

(۳) شفاعت بالذن :- اس چور کی سفارش بادشاہ کی مرضی پا کر اس کی اجازت سے کی جاتی ہے
 اس وجہ سے کہ سفارش کرنے والا اس کا قریبی یا آشنا یا حمایتی اس پر ایک سزا سنائی تو اس کی
 بارگاہ میں ممکن ہے۔ اسی کا ذکر قرآن کریم و احادیث نبوی میں آیا ہے۔ شفاعت بالذن کے متعلق

۵۔ ان امم کی مزید توضیح کے لئے دیکھو ابن تیمیہ کا رسالہ قاعدہ و سطیہ جو توسل پر کب بے خیر رسالہ ہے۔
 اس سے ہم نے یہاں استفادہ کیا ہے۔

مذہب میں مذکور دس ترخصہ درجی ہے۔

۱۔ عتقہ: یعنی تعلق کے ذریعہ ان آیات سے اس کی توفیق ہوتی ہے۔

۲۔ مہرہ: یعنی خدا کا نام لے کر کھنڈ و زخمی نہ قولا (پہلے) میں

۳۔ عتقہ: یعنی تعلق کے ذریعہ ان آیات سے اس کی توفیق ہوتی ہے۔

۴۔ مہرہ: یعنی خدا کا نام لے کر کھنڈ و زخمی نہ قولا (پہلے) میں

۵۔ عتقہ: یعنی تعلق کے ذریعہ ان آیات سے اس کی توفیق ہوتی ہے۔

۶۔ مہرہ: یعنی خدا کا نام لے کر کھنڈ و زخمی نہ قولا (پہلے) میں

۷۔ عتقہ: یعنی تعلق کے ذریعہ ان آیات سے اس کی توفیق ہوتی ہے۔

۸۔ مہرہ: یعنی خدا کا نام لے کر کھنڈ و زخمی نہ قولا (پہلے) میں

۹۔ عتقہ: یعنی تعلق کے ذریعہ ان آیات سے اس کی توفیق ہوتی ہے۔

۱۰۔ مہرہ: یعنی خدا کا نام لے کر کھنڈ و زخمی نہ قولا (پہلے) میں

۱۱۔ عتقہ: یعنی تعلق کے ذریعہ ان آیات سے اس کی توفیق ہوتی ہے۔

۱۲۔ مہرہ: یعنی خدا کا نام لے کر کھنڈ و زخمی نہ قولا (پہلے) میں

۱۳۔ عتقہ: یعنی تعلق کے ذریعہ ان آیات سے اس کی توفیق ہوتی ہے۔

۱۴۔ مہرہ: یعنی خدا کا نام لے کر کھنڈ و زخمی نہ قولا (پہلے) میں

۱۵۔ عتقہ: یعنی تعلق کے ذریعہ ان آیات سے اس کی توفیق ہوتی ہے۔

۱۶۔ مہرہ: یعنی خدا کا نام لے کر کھنڈ و زخمی نہ قولا (پہلے) میں

۱۷۔ عتقہ: یعنی تعلق کے ذریعہ ان آیات سے اس کی توفیق ہوتی ہے۔

۱۸۔ مہرہ: یعنی خدا کا نام لے کر کھنڈ و زخمی نہ قولا (پہلے) میں

۱۹۔ عتقہ: یعنی تعلق کے ذریعہ ان آیات سے اس کی توفیق ہوتی ہے۔

۲۰۔ مہرہ: یعنی خدا کا نام لے کر کھنڈ و زخمی نہ قولا (پہلے) میں

خداے تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔

(۳) کسی کا قول و فعل پسند نہ ہو گا مگر توحید و اتباعِ رسول۔

ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ من یسئل عنہا الاولون والآخرون، فاذا انکم تعبدون وما ذاک
اجنبہ امر سلین یعنی دو باتوں کا نام اولین و آخرین سے سواں کیا جائے گا، تم کس کی عبادت کرتے تھے
اور تم نے رسولوں کی کن کن باتوں پر عمل کیا؟ حدیث ابو ہریرہ میں یہ ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے پوچھا کہ من اسعد الناس بشفاعتہ یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا من قال لا الہ الا
اللہ حصہ من فبہ من سے معنوم۔ تو یہ ہے کہ شفاعت میں خدا ص کے لئے ہوگی جنھوں نے کوئی شرک
نہیں کیا۔ بخاری نے ابو ہریرہ سے جو روایت کی ہے اس سے غلط یہ ہے کہ شفاعتی لمن قال لا الہ الا اللہ مخلصاً
لصلوات فیہ لسانہ ولسانہ فبہ۔ اس کو یام احمد نے صحیح کہا ہے۔ مسلم نے جو روایت ابو ہریرہ سے کی ہے
اس کے لحاظ سے ہے۔ انی اختصت دعوتی شفاعۃ لا منی بوجہ القیامۃ ففی نائلہ ان شاء اللہ من مات
لا یشرک باللہ سیئ۔

شفاعت کے متعلق ان تین اصول کو سمجھتے جانے کے بعد شرک کا استیصال ہو جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر
جس نے یہ سمجھ لیا کہ شفاعت حق تو ہے ہی کے حکم و اجازت سے ہوگی اور اسی کے لئے ہوگی جس کے
قول و فعل کو وہ پسند کرتا ہو گئے ورنہ ہی تو اس فعل کے بند ہو گا جو شرک و بدعت سے منزہ اور توحید
سنت کے مطابق ہو تو بوقتِ حق تو ہی کے سو کسی کو پناہ شیعہ کیسے ٹھیرا سکتا ہے و شرکین کی طرح ہوا
شفعاً ونا عند اللہ کا سب فاش ہو سکتا ہے حق تو لی کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف کس طرح اپنا قلب کو رجوع
کر سکتا؟ وہ جانتا ہے کہ فضل ترین مخلوقات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہوں گے،
سچے رب اپنے موی و نامک کی حمد و ثنا میں مطلب ممان ہوں گے۔ لیکن سجدہ سے سر نہ اٹھائیں گے
و شفاعت کے لئے اس وقت تک زبان نہ کھولیں گے جب تک کہ حق تو ہی کی اجازت نہ ہوگی کہ قتل
سمعوا و اسمعوا تشفعوا و سل تعصبہ۔ پھر آپ نے تصریح فرمادی کہ فیحدلی حدیث کہ میرے لئے ایک حد
نہ متعلق عید۔ کہ سنائے گا۔ شفاعت کر قبول کی جائے گی۔ مانگ دیا جائے گا۔

مقرر کر دی جائے گی، یعنی آپ شفاعت ان ہی کی فرمائیں گے جن کا قول و فعل حق تعالیٰ کو پسند ہوگا، یعنی جو مشرک نہ ہوگا، جس نے صدق دل سے توحید، الوہیت کا قرا لیا ہوگا، سی کی شفاعت کا ذن ہوگا اور سی کی شفاعت کی جائے گی ورا سی پر حق تعالیٰ رحم کرنا منظور فرمائیں گے، سی کی بات خراجات ہوگی، جب اذن شفاعت دینے والے حق تعالیٰ ہی ہیں، و رقبوں کرنے والے بھی وہی ہیں، مشغور لہ کو ایسے کاموں کی توفیق دینے والے بھی وہی ہیں جس کی وجہ سے وہ مستحق شفاعت ٹھیرتا ہے تو پھر صاف ظاہر ہے کہ شفاعت درحقیقت حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے! قل لله الشفاعة جمیعاً کے ہی معنی ہیں ایہی وجہ ہے کہ جس شخص نے اپنے اللہ ہی کو معبود ٹھیرایا، اسی کے لئے ذن شفاعت ہوگا، اور جس نے غیر اللہ کو معبود ٹھیرایا اس کی نہ کوئی شفاعت کرے گا ورنہ کوئی شفاعت اس کے لئے مفید ہوگی۔ ان ہی متخذین شفعاء کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: قل انتمون الله، لا یعلم فی السموات ولا فی الارض سبحانه وتعالیٰ عما یشرکون۔ یعنی کیا تم خدا کو کسی چیز کی خبر دیتے ہو جو خدا کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور بزرگ ہے ان لوگوں کے شرکست (بے ایمان) میں سے ان کے، فترا و شرک کو ظاہر فرما دیا!

نذر غیر اللہ | مشرکین کی عبادت کا آخری عمل جس پر ہمارے مقام میں بحث کرنی باقی ہے وہ نذر غیر اللہ ہے۔ مشرکین نے مال کا ایک حصہ غیر اللہ کی نذر دنیا کے لئے صرف کرتے تھے، ان کے لئے جو نذر دے رہے تھے، اس طرح ان کی تعظیم و تکریم کرتے تھے: وجعلوا لله قاضراً من الخیر والاعمال نصیباً فقالوا هذا لله بزعیمہم و هذا للشرکاء (پ ۳ ع ۲) اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ چاہا، اور ان کے لئے ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعیم خود کہتے ہیں کہ یہ تو ان کا ہے اور یہ ہمارے معبود کا ہے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

و یجعلون لما لا یعلمون نصیباً مما یرزقون
 یرزقناهم تاساہ لتسئلن عما کنتم
 تفعلون (پ ۳ ع ۱۳)

یہ لوگ ہماری دی ہوئی چیزوں میں ان کا حصہ لگاتے
 ہیں جن کے متعلق ان کو کچھ علم نہیں قسم جو خدا کی قسم سے
 تبارک ہی ان فقر پر دانیوں کی ضرورت پر نہیں ہوگی۔

حضرت شاہ عابدؒ کی بات کی نفی میں صراحت فرماتے ہیں کہ کافر نبی کھیتی اور فواشی کے بچوں میں اور تجارت میں سے منہ کی نیاز نکالتے اور بتوں کی بھی نیاز نکالتے تھے جنہیں وہ اپنی جہالت اور بے خبری سے معبود بہ ملک نفع و ضرر سمجھتے تھے حق تعالیٰ نے ان کے اس ظلم و بے نصافی و رقت پر ان کی مذمت فرماری ہے۔

نذرینا کارواج اسد م کی غربت کے زمانہ میں اس کثرت سے ہو گیا ہے کہ ہمیں یہاں اس کی تحقیق ضروری نظر آتی ہے۔ زمانہ کشرکین کے قلوب میں ایک نمایاں تشابہ ہوتا ہے وہ وہی بات کہتے ہیں ورواقی کرتے ہیں جو ان سے پہلے گرنے والے مشرکین نے ہی تھی اور اس پر عمل کیا تھا مگر ان کے دلوں میں بدعتوں اور بدعت بہت ہو گئے۔ (بخاری ص ۴۲)

نذر (خارج سنت میں وعدہ کرنے سے نکلنے کا ہو یا بدی کا اور شرع میں لازم کرنا ہے ایک ایسی بات کا جو لازم نہیں۔ نذر تعریف علیٰ نفسہا تہیٰ تہیٰ من عبادة وصدقہ اور غیر ذلک (بہا) عام فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ نذرانہ کی قربت اور عبادت ہے چنانچہ وصی بن درہم متوفی درہم کے دوسرے علماء شافعیہ درہم بن الدین بن اہم اور علامہ قاسم وغیرہ علمائے حنفیہ نے اپنی تصانیف میں اس کی وضاحت کی ہے اور

وَدَّ الْعَقْدُ مِنْ مَعْقِدٍ أَوْ نَذْرًا مِنْ أَوْ تَمَّ رُكْعًا جَوْشِي قَدْ كُفِّرَ بِهِيَ كَيْسِي طَرَحَ كِي نَذْرًا

نذورات اللہ بعد رب عہد متے ہوو جن لوں کو سب کی بقیہ حد عہد سے۔

سے بھی بات سرچ ہوئی ہے۔ چنانچہ شیعہ و مومنین و منافقین کی گئی ہے کہ اگر نذر نہ نذر عفو نصہا علیٰ سی و ہر ماہ حتیٰ نذروں میں کسی چیز کا ادا کرنا اور اس کو لازم کرنا ہے۔

سبب نذر عبادت تو وہ نذر ہے جس میں عبادت کا بھاننا ضروری ہے۔ عوام ان اس بزرگوں کی جو نذر دہا کرتے ہیں وہ جہت برائی کے خیال ہی سے کرتے ہیں یا تو کسی مقصد کا حصول میں نظر ہوتا ہے یا پھر کسی بدکارانہ خیال سے اس طرح وہ نذرگوں کو رشوت دینا چاہتے ہیں اس خیال سے تو

سے نذر کرنا ہی حرام ہے۔ اور نذر الخبیث لایحوز لاند عبادة والعبادة لا تكون للمخلوق۔

تو ان کی نذر بھی رو نہیں کہ وہ ذات مقدسہ میں خیرِ توت سے پاک ہے چنانچہ حضرت بوہرہ اور
حضرت ابنِ عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لا تذروا ذن النذر" یعنی میں
مذکرِ شمس وانیہ سے تخریج بہ منہم (یعنی عید) نذر نہ مانو اس لئے کہ نذرِ قدر کے نذر کو نہیں
سکتی اس کے درجہ و فقط بخیل کا اس کا جائزہ ہے، جیسا کہ حدیث کی تخریج میں وضاحت
دی ہے کہ جس نذر سے روکا گیا ہے وہ نذرِ عقیدت جس کا سن و رو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ قدر کے
سے ہے جیسا کہ جب بہت لوگوں نے سمجھ رکھا ہے وہ ہم سب زمانہ کی کتنی جماعتوں کو اسی
قادرِ پات میں۔

غرض عوام جو بزرگوں کی نذر کرتے ہیں ان سے یہ چاہئے کہ تمہاری اس نذر کا مقصد کیا ہے؟
۱۔ "قرب" مرعیت؟ یہ تو صریحاً شرک ہے۔

۲۔ مقصود مالی وراثت بڑی ہے۔ یہ بھی شرک و حرمت دونوں پر مشتمل ہے۔

۳۔ اجمالِ ثواب، ہر چیز ہے لیکن یہاں نیت کی صحیح سنت ضروری ہے، غور کرو تمہیں خود
نجات کی فکر کرنی چاہئے، خودِ ثواب کمانے پر اٹھنا چاہئے اس کا حصول تمہیں دوسروں کو ثواب
سنے کی فکر زیادہ ذہن گیر معلوم ہوتی ہے، درجہ تمہارے ہر درجہ میں مسک زید، مسخیر ہیں کہ تم بھی
بہرہ منی و اس کا تم کو زیادہ خیال نہیں ہونا، پیروں و پیروں کی نذر زید نہ ہے، مسک کا ہر گز
اور اپنے قلب کی طرف یا ان کی روشنی میں، کچھ کہہ سکتی ہو، یہ غرض یہ کہ یہاں کوئی چیز
میں برکت ہوگی، اس کے نذر سے درجہ فیتہ میں گئے، تجارت میں خرد نہ ہوگا، زمانہ کے
ثواب سے نجات ہوگی۔ اگر تم اس غرض سے نذر دینا نہ چاہو گے تو کیا کرے؟ مذہب پر یہ کہ
ہویں یا سندوری دسترخوان، نہ منی، نہ تہ منی، نہ نذر بزرگوں کا، نہ ہو، نہ است ہو، نہ کو
نذر کا، کچھ سمجھ رہے ہو، یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسخیر، نہ حدیث سے و تفصیل کے ساتھ
یہ ہے، علامہ قدس شامی درر کے میں بیان بخیر کر رہا۔

"لا تذروا الذی یبذروا لکم لعلکم یقنوا یا سیدی عثمان عقی، وینا اذینا ان ردنا بھی

اور عوفی مریضی اور قضیت حاجتی فنت من الذهب والعصا والطعام والشراب والنزیت کذا فہذا
باطل بالاجماع لانہ نذر مخلوق وهو لا يجوز لان النذر عبادة والعبادة لا يكون لمخلوق والمنذر له میت
وامیت لا یملک وانما ان ظن ان المیت یتصرف فی الامر کفر الا ان قال: یا اللہ انی نذرت لک ان
فعلت معی کذا ان اطعم الفقراء الذین بہا ب السدہ النقیستہ والا امام انشأ فی ونحوہ فیجوز حیث یكون
فیہ نفعاً للفقراء واستدريته۔

یعنی وہ نذر جو عوام الناس کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ اے میرے بزرگ (کسی ولی یا نبی کو مخاطب
کر کے) اگر میرا غائب ویس جائے یا بیمار اچھا ہو جائے، یا میری حاجت برائے تو آپ کے لئے اتنا سونا یا چاندی
یا طعام و شربت یا تیل بطور نذر پیش کر دوں گا۔ سو یہ یا اعلیٰ ہے بالاجماع اس لئے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے
اور یہ جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے، اور عبادت مخلوق کی روا نہیں، جس کے لئے نذر مانی ہے وہ میت
اور میت کسی چیز کا مالک نہیں، اور گزس کے ساتھ ساتھ وہ نذر ماننے والا یہ بھی خیال کرے کہ میت کو
کہ مومن میں اختیار حاصل ہے تو وہ کافر ہو جائے، اس اگر وہ یہ کہے کہ یا اللہ میں نے تیری تندرکی کہ اگر تو
میرے ساتھ یہ مومن کرے تو میں سترہ غیسہ دے فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا، یا امام شافعی کے دروازے
دوں کو کھانا دوں گا، تو یہ جائز ہے کیونکہ اس میں نفع ہے فقیروں کا اور وہ نذر ہے، نذر عروصل کی۔
دیکھو اس بیان کا تجزیہ کرنے سے سامنے مندرجہ ذیل امور واضح طور پر پیش ہو جاتے ہیں۔

۱۔ عوام کا نعام جو نذر پہنچے یہ وہ بزرگوں کی حاجت برائی کی خاطر کرتے ہیں وہ بالاجماع باطل ہے
در قطعاً شرک ہے، کیونکہ

(۲) مخلوق کی تندرکی معنی میں جائز نہیں اس لئے کہ وہ عبادت ہے اور سوائے خالق کے کسی کیلئے نہیں

۳۔ عوام کی غرض بزرگوں کی نذر و نیاز ہے ہی ہوتی ہے کہ کفالت و بیات سے وہ محفوظ رہیں، مال و

دوست میں ضابطہ ہو، صحت و عافیت حاصل ہو، اگر وہ زبان سے اس امر کا اقرار بھی کریں کہ میں صرف
بیمال ثواب ہی منظور ہے تو بھی وہ اپنے نفس کو دھوکہ دے رہے ہیں، انھیں ایمان داری کے ساتھ اپنے نفس کا
محاسبہ کرنا چاہئے۔

۰ (۴) یہ بھی کہنا درست نہیں کہ یہ فلاں ولی یا نبی کی نذر ہے بلکہ انھیں یہ کہنا چاہئے کہ یہ اللہ کی ہر
 رُبوب اس کا فلاں کو پہنچے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ کسی نبی یا ولی کی نذر نہ ہونی چاہئے تو وہ منعقد نہیں ہوتی
 تاکہ لا وفاء لنذر فی معصیۃ^۱ یعنی نذر معصیت کی دفعہ ضروری نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عبادت غیر اللہ
 معصیت ہے اور نذر منجملہ عبادت ہے۔ ام، مومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ من نذر ان یطیع اللہ
 لیطعہ ومن نذر ان یعصیہ فلا یعصیہ جس نے نذر کی طاعت کی نذر کی اس کو چاہئے کہ اطاعت
 کے اپنی نذر پوری کرے ورنہ اللہ کی نافرمانی کی نذر کرے وہ نافرمانی نہ کرے۔

توحیدِ الوہیت کی جو تفصیل اوپر پیش کی گئی اس کا خلاصہ صرف تناسیب کے دعوتی کلمہ لا الہ الا اللہ
 بند رسول اللہ کی روئے اللہ تعالیٰ ہی ہمارے الہ قرار پاتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں معبودِ رب یعنی اللہ تعالیٰ
 ہی ہمارے معبود ہیں اور ہمارے رب، اللہ تعالیٰ کے سوا ہمارے کوئی معبود ہے اور ہمارے کوئی رب یا مندوب
 و حیدر الوہیت میں یہی توحیدِ معبودیت و توحیدِ ربوبیت شامل و داخل ہیں۔ شرک واقع ہوتا ہے عبادت
 و استعانت ہی کی رہے یعنی اگر غیر اللہ کی عبادت کی جائے یا اس سے استعانت کی جائے تو شرک
 پیدا ہوتا ہے۔ دیکھو قرآن انا ہوالہ واحد و انہی بری ما أشکرون^۲۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تعالیٰ ہے کہ
 نہ کہ الوہیت ہی کی راہ سے پیدا ہوتا ہے۔ واعبد^۳ اللہ ولا تسروا بہ مباح سے معبود ہوتا ہے کہ غیر اللہ
 کی عبادت شرک ہے، و قد انما ادعونی ولا تشرکوا بہ احد^۴ سے واضح ہوتا ہے غیر اللہ کو نہ دیکھو و لا تدعوا
 شرک ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تعلیم دے کہ عبادت و استعانت کو بس اللہ ہی
 کے لئے مخصوص کر دیا گیا ورس طرح توحیدِ الوہیت کی کامل حفاظت کر دی گئی۔

توحیدِ الوہیت کے اس معنی کو پیش نظر رکھ کر مشرکین و کافروں کی عبادت پر غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ یہ
 اپنے اصنام و وثان (غیر اللہ) کو مقرب و شفیع جان کر ان سے وقت و جہت فدا دہری چاہتے تھے درحقیقہ

محبوبِ حق قرینِ یاس ہے سورۃ ندام میں شاعرِ پیغمبروں کے نام لے کر رشاد ہوتا ہے کہ ولواشر کوا
 لحد غنم و کواشرین کسی گنہگارِ حضورِ نور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہے لئن اشرکت لیعبدن
 عمت یک جہل میں سے کسی جہل میں جہل کی گئی ہے کہ وہاں میں اکثر ہمدان اللہ لا وہم مترون
 ہر سے میں زمانہ کے میں مشرک بنوئے حدیث لستبعن سنن من قبلکم اپنے پیشرو متکریم
 عرب و روم و نصاریٰ کے میں نہ بد تو تیر و ہیت ہی کا انکار کر رہے ہیں یعنی وہ اس امر کے قائل
 نہیں رہے کہ میں خدا کے سوا کوئی تبارک و تعالیٰ دعا و عبادت خوف ورجا، ستاعت و استغاثہ نہیں جس
 کے لئے جان و مال کا قربان ہو سکتا ہے۔ نہ ان کا عقیدہ یہ ہو گیا ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا ان کے
 نبی و پیغمبر بھی نہ ہو سکتا۔ وقت و بہات میں ان کی فہر یاد میں ان کی حالت سے مطلع
 اور وقت ہو کر ان کی کھڑکتے ہیں، کشف ضرر کرتے ہیں۔

یہ نئے نئے میں نہ دیکھ ہی سکی غلی لعدن حیم کرنے لگے ہیں کہ عامت درد و مصیبت میں
 پھر نہ چاہتے، حضرت موقوف کرنی کو حضرت شیخ عبد الغفار جیلانی کو، حضرت سید مسعود کو، حضرت تاج
 بدیع مدین، کو حضرت شیخ معین مدین حسینی کو، حضرت قطب الدین کاکلی کو، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ
 ان کے وہاں درد و غم و فزع و فزع سے اس طرح ستانت ہر مصیبت کے وقت کرتے ہیں، ان کے لئے
 مرغ و بکری، گائے ذبح کرتے ہیں، تدر و نیاز کرتے ہیں، منت مانگتے ہیں، چہرہ روشن کرتے ہیں،
 ان کی قبروں کا عوف کرتے ہیں سجدہ کرتے ہیں، وہ ان بزرگوں کو اپنے پیش روؤں کی طرح اللہ کی
 ذات میں ترک نہیں کرتے۔ نہ کوئی نہ کہ محکوم ہی مانتے ہیں، اللہ ہی کو حاکم و مالک و رب سمجھتے
 ہیں، مستقل معبود تبارک و تعالیٰ کو جانتے ہیں ورنہ ان بزرگوں کو اللہ ہی کی ملک سمجھتے ہیں۔ لیکن پھر اپنے
 میتوں کی طرح ان کا عقیدہ بہت ہے کہ ان کے یہ بزرگ، یہ صلحاء، مقرب ہی ہیں وہ ان کی تدر و نیاز
 نہ سہا و توجہ و سودا سے کرتے ہیں کہ ان کی دعا بہت و شفاعت و قرب سے اللہ کے
 فیض و رحمت و نصرت سے ان کی دعا بہت و شفاعت و قرب سے اللہ کے

میں غصہ معانہ میں یہ بدعت کی کوشش کی گئی ہے کہ جینہ یہ عقیدہ و شرک فی الہ و ہیت ہے

یہی مذہب ابوجہل اور ابولہب کا ہے سوار سوار حضرت عیسیٰ و حضرت عذیر و ملائکہ و انبیاء کے پکارنے والے
 بعینہ اسی مسلک پر قدم زن تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ و اند من اتخذوا من دونہ اولیاء و تعبدہم الا
 لیقر بونا الی اللہ زلفی، و قد لہ تعالیٰ و یجیدون من دون اللہ ما لا بضربہ ولا تنفعہم و قیرون ہوا
 شفعاءنا عند اللہ!

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (فرزند ابی و امی) نے دین حق کا بیج ملا لایا اللہ پیش فرما کر
 افر و عبادت اللہ کی طرف دعوت دی ساری عبادت کو نہری کے لئے مختص کر دیا خود استعانت
 ہو یا استغاثہ، ذبح ہو یا نذر دعا ہو یا غلو ف، خوف ہو یا کوئی عبادت، قبی ہو یا قبی ہی، مشرکین نے
 جن وسائل کو تقب الی اللہ کا وسیلہ قرار دیا تھا ان کی نفی ذاتی و ضاحت فرمادی کہ تو سب ن، ویا
 و نبیاء و شہداء و ملائکہ کا سب عقدا فاسد و زعم ہے کہ وہ ن کی شفاعت کریں گے خذ
 و مرضی حق کے کار آمد نہیں ہوگا جو چیز کہ غف دی و دی عبادت خاص و توحید مفرد ہوگی جو کلمہ
 استھدان لا الہ الا اللہ و استھدان محمد عبدہ و رسولہ سے ثابت ہے جو شخص اس کلمہ کے معنی پر
 چلا، اس کے مقتضی پر عمل کیا، وہی مومن موحد و محسن منحصر کہہ دیا و جس کا قور و فعل خاص و خاص
 اس کے معنی و مقتضی کے خلاف ہو وہ مشرک کا فریب و بہتان خاص، مَن یَا تھ لَکُم مِّنْ رَّبِّکُمْ فِی
 شَیْءٍ مِّنْ دِیْنِیْ قَدْ لَکُمْ اَعْبَادُ اَنْبِیَآءٍ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِیْ سِوَ رِیْکُمْ عِبَادُ اللّٰہِ اَنْبِیَآءُ یَتَوَقَّعُ
 وَاُفِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ وَاَنْ یَقْرَءَ تَحْتَ رِیْءِیْ حِنْفٌ ؕ وَاَنْ یَاْمُرَ مِّنْ سِیْرِیْ
 وَلَا نَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ ؕ وَاَنْ تَعْبُدَ فِرْدَیْنِ صَیْبِیْنَ ؕ وَاَنْ
 یَمْسَسَ اللّٰہُ بِضُرِّکَ لَا کَاشِفَ لِّہٖ لَا ہُوَ ؕ وَاَنْ یُرِیْکَ بِخَبْرٍ قَدْ رَزَقَ بِفَضْلِیْ بَصِیْبٌ یَّعْرِضُ
 مِنْ عِبَادِہٖ ؕ وَاَنْ یَخْفُوَ الرِّجِیْمُ قَدْ یَاْتِیْکَ لَکَ قَدْ جَاءَ لَکَ اَنْحُوْ مِنْ رَّیْکُمُ فَمِنْ اَهْتَدٰی
 فَرَمَّ یَهْتَدِیْ لِیَقْصِبُ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَصِیْبُ عِیْبَہٗ ؕ وَاَنْ عَسَیْکُمْ یَرِیْبُ ؕ وَاَنْ یَتَّبِعَ مَا یُوحٰی رِیْبُکَ
 وَصِیْرَ حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ ؕ وَاَنْ یُخَیِّرَ خَیْرَیْنِ ؕ

قانونِ شش فصل

نیوٹن اور حکیم ناصر خسرو عسوی

اَللّٰهُ اَعْلٰی رَفَعَ اَسْمٰوَتِیْ بِحَبْرِ عَمَلٍ تَرَوٰهُ (۲-۱۲)

ازخواب مہر دلی اند صاحب یزدکیٹ، بمبئی، ۱۹۰۷ء

ساتھ ہی نے فنِ کریم میں پنی ہستی و توحید و رحمت وغیرہ کے حق میں ایسی سیدھی سادی
درمان دہیں پیش کی ہیں جن سے ہر ایک نازہ اور سادہ لوح ورجا ہیں انسان بھی مستفید ہو کر ایمان
و رحمتان کی غمخوار سے۔۔۔ میں سو سکتا ہوں کہ ان درجہ کی کوشیت انسانی کتنا ہے ورنہ ایسا واقعہ
ہو دلائل سے نشان ہیں جنہیں دیکھ کر انسان آسانی سے مقرر مقصود پر پہنچ سکتا ہے۔

یہ آیات زیادہ ترین خیر قدرت کی نشانیاں ہیں۔ یہی نشانیاں جو ہم وقت ہمارے سامنے رہتی
ہیں۔ درجن کا وجود ہم وقت ہمارے دلوں اور دماغوں پر نذر نہ ہوتا رہتا ہے۔ سورج چاند ستارے
دریا سمندر بادیں ہوائیں درخت پودے سبزہ جھل پھول اور چنڈا پرند وغیرہ ہمیشہ ہماری آنکھوں
کے سامنے۔ ہمارے تصور کے اندر رہتے ہیں۔ وہ کون سا انسان ہوگا جس نے روز نہ کسی نہ کسی وقت ان چیزوں
کی سب کیفیت ورنہ کے تغیرات پر غور نہ کیا ہوگا۔ اور جس کا ذہن اس غور و فکر کے ضمن میں کسی حکیم و علیم
پر قدر و تعظیم نہ ہوگا۔

خدا کی بات بتاتے ہیں کہ یہ ایک جہاں ہی غور کرتا ہے اور اپنی استعداد کے مطابق مستفیض ہوتا ہے
اور بک عام حکیم و فلسفی بھی ان باتوں میں گہری سوچ بچار کرتا ہے حتیٰ کہ بعض دفعہ اپنے فکر کی
بہ نیوں میں کھوی جاتا ہے۔ لیکن ان گہرائیوں سے وہ علم و حکمت و معرفت کے انمول موتی بھی

نیکال لانے میں گاہ بگاہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

شرح السنن میں عبد الرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے متعلق فرمایا کہ "لَمْ يَطْرُقُوا بَطْنَ" یعنی قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی قرآن کا ظاہر وہی ہے جس سے ایک سادہ مزاج انسان پڑھ دیکھوں خود اندہ آدمی فیض حاصل کرتا ہے۔ اور باطن وہی ہے جس سے ایک عالم و حکیم علم و حکمت کے بیش بہا ثمرات دریافت کرتا ہے۔

اسی طرح ترمذی و دررمی نے عورت سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "هُوَ الَّذِي كَرَّمَ الْحَبْلَ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ وَلَا يَتَّبِعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ"۔ وَلَا يَتَّبِعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ یعنی قرآن مجید حکمت و سیدھا راستہ ہے۔ علم والے لوگ اس سے کبھی سیر نہیں ہوتے ورس کے عجیب کبھی ختم ہونے میں نہیں آتے۔ مطلب یہ ہے کہ عوام کے لئے قرآن مجید ایک سیدھی راہ ہے جس پر چل کر وہ منزل مقصود درپے درپے آسکتے ہیں ورنہ اس کے لئے اس میں حکمت و معرفت کے تین بڑے خزانے ہیں کہ کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔

قرآن مجید کے مطالعے میں صاحب بصیرت پر یہ مروت و روشن کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ اس کتاب کا صرف ایک جہن نہیں بلکہ بطن در بطن اور بطن در بطن دور تک جیسے بات ہیں ایک آدمی اس کے ظاہر سے فیضیاب ہوتا ہے دوسرے اس کے بطن سے تیسرے اس کے بطن در بطن سے اور چوتھا بطن در بطن در بطن سے اور سی قیاس پر یہ بھون سسہ در سسہ غمخورد مندویں اور بذات گہرائیوں تک چلے جاتے ہیں۔

یقیناً یہ بات بار بار آپ کے تجربے میں آئی ہوگی کہ انسان قرآن مجید کی یہ درپے تلاوتوں کے دوران میں ہر بار کوئی نہ کوئی نیا نکتہ دریافت کریتا ہے۔ بہت سی دفعہ ایک آیت کو پڑھتا ہے مگر جب پھر ہم اسی آیت کو پڑھتے ہیں تو ایک عجیب و غریب اور دلچسپ نئی بات ہمارے ذہن میں آجاتی ہے۔ مثلاً دیکھئے کہ قرآن کریم خلاف میل و انہار و متعاقب کی نشانیں رکھتا ہے ورنہ صریحاً جو یو کج اللیل فی النهار و یو کج النهار فی اللیل کہہ کر خدا کی آیت بنیت کا ذکر کرتا ہے۔ ان آیات کا ذکر

تو یہ ہے کہ ایک معمولی سے معمولی آدمی بھی دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ نل و نہار کے یہ اختلافات کیا ہیں سورج نکلتا ہے۔ دوپہر ہوتی ہے۔ شام ہوتی ہے۔ سورج غروب ہوتا ہے۔ اندھیرا ہو جاتا ہے اور پھر صبح ہو جاتی ہے۔ یہ سلسلہ ہمیشہ سے چل رہا ہے اور چلا جا رہا ہے۔ ان مناظر کے۔ دقات میں کبھی ایک لمحہ یا ایک لمحہ کے ہزاروں حصے کا فرق بھی نظر نہیں آتا۔ کبھی دن بڑھتے چلے جاتے ہیں اور راتیں گھٹتی چلی جاتی ہیں۔ اور کبھی اس کے برعکس راتیں بڑھتی چلی جاتی ہیں اور دن گھٹتے چلے جاتے ہیں لیکن اس بڑھنے و گھٹنے کے موسم اور دقات ایسے منظم و مرتب۔ و ریاضا بطلہ ہیں کہ ان پر غور کرتے ہوئے بے ساختہ و ناخوستہ کسی حکیم قادر و مطلق کا خیال دل میں آ جاتا ہے۔

یہ تین آیات کا ظاہر تھا۔ لیکن حقیقت اور حقیقت کے ایک طالب علم کو ان آیات میں ایک باطن بھی نظر آتا ہے وہ دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ دن اور رات کے گھٹنے، و بڑھنے میں بھی بعض اختلافات اور اختلافات درتفاوت موجود ہیں۔ وہ دن اختلافات میں خدا کی قدرت کی رنگارنگ کرشمہ طرازیوں دیکھتا ہے ورنہ میں غور و فکر کرتا ہوں و خداوند کریم کے عجیب و غریب زلی و ربی قوانین سرور شمس ہوتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ خطہ ستور کے تمام مقامات پر دن اور رات ہمیشہ برابر رہتے ہیں۔ سال بھر روزانہ بارہ گھنٹے کا دن و بارہ گھنٹے کی رات نہ یک سسکند دھر ورنہ ایک لمحہ دھر ورنہ دیکھتا ہے کہ مدرس میں بڑے سے بڑے دن ۱۰ گھنٹے ۵۲ منٹ کا و چھوٹے سے چھوٹا دن ۱۱ گھنٹے ۱۸ منٹ کا ہوتا ہے۔ پشاور میں بڑے سے بڑے دن ۱۰ گھنٹے ۲۳ منٹ کا اور چھوٹے سے چھوٹا دن ۹ گھنٹے ۴۸ منٹ کا ہوتا ہے۔ بیڑوگر ڈیس بڑے سے بڑے دن ۱۸ گھنٹے ۴۷ منٹ کا اور چھوٹے سے چھوٹا دن ۵ گھنٹے ۴۴ منٹ کا ہو سکتا ہے۔ درودہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ یہ اختلاف و تفاوت بعض مقررہ درجہ کی نہ ہونے والے قوانین ہی کے تحت ہو رہا ہے۔

پھر اس بحث کے اندر ایک ورطین درطین یہ کہ انہی خدائی قانونوں کے ماتحت قطب شمالی پرچہ ۶۰ کا دن ہوتا ہے و چھ ماہ کی رات۔ سی صرح قطب جنوبی پر بھی چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے و جب قطب شمالی پر رات ہوتی ہے تو قطب جنوبی پر دن ہوتا ہے اور جب

طب تہالی پردن ہوتا ہے تو قطب جنوبی برت ہوتی ہے۔ یہ سب ہی کے سس کی استعداد کے مطابق خلاف ملیں و نہار کی یہ بات کی بصورت کھتی ہیں۔

ایک اور مثال لیجئے۔ قرآن مجید میں انہی آیات میں سے خدا کی ایک نشانی کی طرح بیان ہوئی ہے
وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَخَرَجَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ نَهْرٌ مِّنْ مَّاءٍ عَذْوٍ لِّشَرَابٍ ۚ

بمازواجاً من نبات شتی (۵۲:۲۰) قد ہر مختلف کے نباتات پر کے۔

اس نشانی کا ظاہر تو یہی ہے جو ترجمے سے ظاہر ہو رہا ہے، ہر کہ درمیان خاص و عام و چاہیں اور برقص و کامل انسان وقتاً فوقتاً دیکھتا رہتا ہے کہ بدل گئے ہیں دریاؤں بہتی ہے خشک و مردہ زمین میں پھر سے زندگی اور زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں اور قسم قسم کے نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور غیظان نباتات میں ایک ہاں حسن انہی القین کے متعلق بھی ہوتا ہے۔ پس قدرت کا یہ منظر بھی خدا کی آیت میں سے ایک آیت ہی۔ لیکن اس آیت کا ظاہر ہے و فقط ظہر۔ اس آیت میں ہم زواج کا غلط دیکھتے ہیں تو معاً ہمارا ہن اس غلط کے عام و مصدق معنی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن ہم درست کرتے اس آیت کا ترجمہ پڑھ کر کہ ہم نے مختلف قسموں کے نباتات پیدا کیے۔

لیکن نباتات کا ایک طالب علم جب قرآن کریم کی بہ آیت برمتاب ورس میں نباتات کے خلق مطلق ازواج لکھا دیکھتا ہے تو عظیم نباتات کے عجیب و غریب خالق اس کے سامنے جاتے ہیں اور جانتا ہے کہ جس طرح انسانوں اور حیوانوں میں نر و مادہ ہوتے ہیں، وزن کے جمع ہونے سے سلسلہ تولید جاری ہوتا ہے۔ اسی طرح نباتات میں بھی نر و مادہ کے جوڑے (ازواج) ہوتے ہیں اور اسی طرح ان میں بھی تولید و تناسل کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ نباتات کی کوئی کسٹ بک ٹھائیں۔ ورس کی دیکھ کر دینی ہیں تو آپ پر روشن ہو جائے گا کہ نباتات میں بھی زوج ہوتے ہیں۔ وزن میں بھی عضائے تولید وجود ہیں۔ نباتات کے انہی عضائے تولید کے بیج پیدا ہوتا ہے جن بیجوں میں نر و مادہ دونوں اعضا موجود ہوتے ہیں۔ ان کو دو عضوی (یا دو جنسی) کہا جاتا ہے۔ جن جن جن میں یہ اعضا مختلف

پھولوں میں ہوتے ہیں۔ یعنی ایک بھوں میں عضو مذکر اور دوسرے پھول میں عضو مؤنث، ان پھولوں کو
 ایک عضوی (یا ایک جنسی) کہا جاتا ہے جس پھول میں عضو مذکر ہوتا ہے اُسے نر اور جس میں عضو مؤنث ہوتا
 ہے سہ مادہ کہتے ہیں۔ بعض درخت سے ہوتے ہیں جن پر زیادہ دو دو پھول ہوں موجود ہوتے ہیں۔
 بعض درخت، رقبہ کے ہوتے ہیں کہ ایک درخت پر نر پھول ہوتا ہے اور دوسرے درخت پر مادہ
 پھول۔ کچھ اور سی نوع کے کئی درخت سی ۳۳ رقبہ کے درخت ہیں جن پھولوں میں عضو مذکر
 اور عضو مؤنث دونوں تباہ ہو گئے ہوں انھیں مختلط کہتے ہیں۔

نباتات میں نسل کے کئی طریقے ہیں۔ لیکن سب سے اہم طریقہ وہ ہے جو نسل کے ذریعے ہوتا
 ہے۔ اس طریقے سے نسل کی طاقت قائم رہتی ہے ورنہ نسل میں زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ اس
 طریقے میں نسل میں تولید کے نام سے نوری مہربانی جراثیم کے عمل توئی کے مراتب کے عین مطابق
 ہوتے ہیں۔ نسل کے اس جنسی طریقے میں، جراثیم مذکورہ جراثیم مؤنث علیحدہ علیحدہ کوئی تولید نہیں
 کر سکتے جب وہ جمع ہوجاتے ہیں تو تولید عمل میں آتی ہے۔

یہ آیت مذکورہ کا بیان ہے۔ اور اس آیت کے اندر کئی بطن در بطن ہیں۔ لیکن میں چونکہ علم
 نباتات سے بہرہ ہوں اس سے فہم ہوا کہ میں ان بطنوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی
 اہلیت نہیں رکھتا۔ نسخہ سعدی علیہ رحمۃ نبالی آیات کے ہی بطون کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں سہ

برگ درختان سبز در نظر پوشیار

ہر ورقے دفتر لب معرفت کردگار

آیت خداوندی میں سے اس آیت کے متعلق میں خاص طور سے لکھنے بیٹھا تھا اس کے متعلق
 بھی تک میں نے ایک خط بھی نہیں لکھا۔ لیکن یہاں تک جو کچھ میں لکھ چکا ہوں وہ مضمون زیر کار کے
 تعارف کا کام ضرور دے گا۔ آیت زیر عنوان کو ایک دفعہ اور پڑھئے۔ اللہ الذی رفع السموات
 بغیر عمد تروخہ۔ بغیر ایک دفعہ استثنائے تمام مترجم اور مفسر اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ اللہ وہ

حرف نے آسمانوں کو بغیر عمد تروخہ کے بلند کیا۔ اور زمین کو بغیر عمد تروخہ کے پھیلا دیا۔

(۱) اندر وہ ہے کہ جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کر کے نہیں دکھا رکھا ہے۔

(۲) خدا اس است کہ برداشت آسمان ہمارے ستون سے بنیڈا تھا۔

(۳) اندر وہ ہے جس نے اپنے بنائے آسمان میں ستون رکھنے ہو۔

(۴) خدا اس است کہ برداشت آسمان ہمارے ستون سے بنیڈا تھا ہمارے ستون سے۔

(۵) یہ اندر ہی ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر دیا وہ دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون نہیں تھا ہے ہوئے نہیں ہو۔

(۶) اندر ایسا ہے کہ اس نے آسمانوں کو بیرون ستون کے دیکھا کھڑ کر دیا چنانچہ تم ان کو دیکھ رہے ہو۔

(۷) اندر وہ ذات ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے دیکھتے ہو تم اس کو۔

(۸) اندر یہ ہے کہ اس نے آسمانوں کو بیرون ستون کے اونچا کر دیا چنانچہ تم ان آسمانوں کو

(۹) دیکھ رہے ہو۔

۹۔ اندر وہ ہے جس نے اپنے بنائے آسمان بغیر ستون دیکھتے ہو۔

ان ترجموں کا، حاصل یہ ہے کہ تم دیکھ رہے ہو کہ خدا نے آسمانوں کو بغیر ستون کے کھڑا کر رکھا ہے

اب اس آیت کا وہ ترجمہ دیکھئے جو میں نے مضمون کے عنوان پر لکھا ہے۔ اس ترجمے کا حاصل یہ ہے

کہ خدا نے آسمانوں کو بغیر اسے ستونوں کے جو ہمیں نظر آسکیں کھڑا کر رکھا ہے ان آسمانوں پر

کھڑے ہیں جو نظر نہیں آسکتے۔ ستون میں تو ضرور مین وہ غیر مری ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جو ترجمہ اس آیت کا کیا ہے وہ

یہ ہے کہ ترجموں سے ملگ و عنوان مضمون دے ترجمے کے ایک ساتھ ساتھ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ

خدا اس است کہ برداشت آسمان ہمارے بغیر ستون ہا کہ بنیڈا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اس آیت کے بعد

جو لفظ لگا دیا ہے۔ اس نے اس ترجمے کو تمام ترجموں سے ملگ کر دیا۔ یہ ترجمہ بنی ہے بعض

روایات پر جن کا ابن کثیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ابیلے کہ ابن عباسؓ مجاہد حسن و قتادہ کا

قول ہے کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتے۔ ان ستونوں کے متعلق کہ وہ کہاں ہیں او

کیسے ہیں بعض روایات میں عجیب و غریب قصے بیان ہوئے ہیں لیکن وہ قابل اعتناء نہیں۔ البتہ

فوائد السوگ میں ان ستونوں کے متعلق ایک بامعنی بات لکھی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت باری تعالیٰ ستون عاظمہ و سطوح متصفہ و ات رابے قائمہ کہ درک تو نیرمود بر ذات و بے ستونے کہ تابدہ
توانید فرمود بلند بر داشت یعنی ستونے ہست، مخفی ہست و قائمہ موجود است و مکن غیر مئی ست و آن
عدمت تو نیرود کہ با عدل و است سادات و ریش۔ جینی آسمان و زمین عدل بر پا بستند۔

فوائد السوگ کا یہ بیان کہ آسمان و زمین عدل کے ستونوں پر قائم ہیں۔ بہت پر معنی ہے۔ اس
مضمون میں یہ دکھانا مطلوب ہے کہ ان عدل کے ستونوں کی حقیقت کیا ہے۔

اس حقیقت کا مکلف حکیم نامہ شمس و عبوی نے ایک نہایت دلچسپ و حکیمانہ مقالے میں کیا
ہے۔ جہاں تک اصول کا تعلق ہے حکیم صاحب کی تحقیق موجودہ پورے بنیچرل فدا سو فی کی تحقیق سے کسی
صورت میں کم و رتبہ نہیں۔ اسی ضمن میں یہ بھی بتایا جائے گا کہ قانون کشش ثقل کی دریافت میں دست
کاہل نجومیوں کے مہر جنتی سے رکھا گیا ہے حکیم صاحب کہتے ہیں۔

”جب ہم کہتے ہیں کہ ہم جسم کی حرکت ایک جانب ہوتی ہے یعنی مرکز عالم کی جانب۔
میں۔ حرام ہی صورت کی وجہ سے جو نہیں ٹی ہے۔ مرکز عالم سے دور پنی اپنی حد پر
دریائے مقام پر کھڑے ہیں۔ وہ جسم جو صرف ایک ہی جانب حرکت کرتا ہو جائے۔ اور
کئی جانس بھی اس کی حرکت کے سے کھلی ہوں۔ وہ کسی دوسری جانب حرکت نہ کرے
نویحیف ہست کہ وہ جسم اس حرکت پر مجبور ہے و مقہور ہے۔ اور کسی چیز پر قبر بغیر کسی قہر کے
اس۔ حرام ہی حرکت میں مقہور ہیں۔ وہ اس قوت کی درستی پر دیں یہ ہے کہ پھر
نہیں رہی گزشتہ۔ وہ اس کی حرکت صرف مرکز زمین ہی کی طرف ہوتی ہے اور کسی طرف
وہ اس میں نہ کرتا۔ نہ کہ وہ مجبور نہیں اس پر کھلی میں وہ کسی طرف حرکت نہیں کرتا۔

زمین کا مرکز جہاں زمین کے ہر ذرے کے مرکز زمین کے دہرے مرکز زمین ملک
یتھے سے روک رہا ہے اس زمین کا ہر ایک ذرہ دوسرے ذرے کے سے ستون بنا ہوا ہے کہ پھر
سے ذرہ سے ذرہ کو شے جس سے روک رہا ہے۔ اس زمین کے تمام اجزاء اس جزو نامہ تجزی

پر جو مرکز زمین میں ہے وہاں کے کھڑے ہیں۔

طبعی فلسفیوں کا یہ قول کہ ہو سکتا ہے، اور مرکز عالم کی طرف نہیں بلکہ وہ شے عام کی طرف جانا چاہتی ہے غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہو بھی مرکز زمین کی طرف حرکت کرتی ہے۔ یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہو بھی زمین پر پڑی ہے۔ ہو کی وہ سطح جو زمین پر پڑی ہے۔ ہو کی اوپر والی سطح کو نیچے آنے سے روکتی ہے۔ اگر ہو کی دیروں سطح نیچے جائے تو نیچے والی سطح کو دیر دھکیں دیتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ تم ہو کی وہ سطح یہ روک رکھتی ہے کہ زمین پر آجائے لیکن ہو کے اجزاء ایک دوسرے پر پڑے ہیں۔ وہ نیچے والے جزاؤں کے اجزاء کو نیچے آنے سے روک رہے ہیں جس طرح زمین کے وہ جزا جو مرکز زمین کے نزدیک تر ہیں بنے سے دیر دالے اجزاء کو نیچے نہیں جانے دیتے۔

طبعی کہتے ہیں کہ آگ (تشنہ) تیرا پھر کے وہ جزا جو دیر دالے سطح پر ہیں مقہور نہیں ہیں اور دوسرے جزا جو اس سطح کے دیر دالے سے مقہور ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جہاں جسم کلی ہے۔ اور ان تمام اجسام کی رغبت مرکز عالم کی طرف ہے اور تیرا نیچے والی سطح کے اجزاء مرکز کے نزدیک تر ہیں۔ غلوں نے ہو پر تکیہ لگا دیا ہے۔ درت کے ان اجزاء کو جو ان سے دیر میں نیچے آنے سے روک رہے ہیں۔ اس نچلی سطح سے اوپر جھٹنے جزا ہیں تمام مقہور ہیں۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ تمام اجسام کی حرکت ان کی موجودہ صورت کے اندر سے رہے۔ خاک اپنی صورت کی وجہ سے اس بات کے نزدیک ہے۔ قیامت کہ وہ مرکز عالم کے نزدیک تر ہو۔ اپنی اپنی صورت کی وجہ سے خاک کے مقابلے میں مرکز کے نزدیک پہنچنے کی کم طاقت رکھتا ہے اس لئے خاک سے مرکز کے نزدیک تر جانے سے روک رہی ہے۔ ہو اپنی صورت کی وجہ سے بغیر دیر دالے کے بھی مرکز کے نزدیک جانے کی کم طاقت رکھتی ہے۔ اس لئے اپنی ہو کو مرکز کے نزدیک تر ہونے سے روک رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ چاروں کہیں زمین میں سورج ہوتا ہے وہاں ہو جو پہنچتی ہے لیکن

جب پانی س سوراخ میں جاتا ہے تو ہوا کو نکال کر سے مرکز زمین سے دور تر پھینک

دیتا ہے۔ شیر جو سے بھی تاملتے رہے س لئے ہوا سے نیچے آنے سے روک رہی ہے۔

یہاں تک ناصر خرمہ نے جو بیحد بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام اجسام (خاک،

ہوا، آگ، پانی، تھوہ، پتھر، مرکز عالم (یعنی مرکز زمین) کی طرف جانا چاہتے ہیں، لیکن بعض بعض کو روک

جانے سے روک رہے ہیں۔ یعنی زیادہ طاقت والا جسم اپنے سے کم طاقت والے جسم کو پیچھے دھکیل کر خود

اپنی منزل مقصود کے نزدیک تر جانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں گویا ہوائے اصلح کا قانون کارفرما ہے۔

تسلیں کر حکیم صاحب کہنے ہیں کہ

”وہ تھوہ جو دور سے نیچے گرتا ہے وہ ہوا کو حیرتا ہوا زمین پر آ رہتا ہے۔ اور وہ ہوا جسے

گہرے پانی کی تہ میں پہنچنے سے روک دیتے ہیں۔ اور وہ پانی کو حیرتی ہوئی دھیرے

ترہی ہے۔۔۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کی حرکت میں ایک ہی اصول اور ایک

ہی قانون عمل کر رہا ہے۔ یعنی تھوہ کو حیرتا ہوا مرکز زمین کی طرف جا رہا ہے، اور پانی ہو کو

دیر دھکیلتا ہو خود مرکز کی طرف جا رہا ہے۔ فرض کرو کہ ہم زمین میں ایک سوراخ اتنا گہرا

کھودتے ہیں جو مرکز زمین تک جا پہنچتا ہے ہم جانتے ہیں کہ ہوا اس سوراخ کی تہ تک جا پہنچے

گی س سے صیغی صیغیوں کا پتہ توں کہ ہوا حاشیہ عالم کی طرف جانا چاہتی ہے غلط ہے۔

زمین کے مرکز کا نقطہ عالم کا مرکز ہے۔ اور یہی نقطہ تمام کائنات کا ستون ہے

زمین کے وہ جز جو اس نقطے کے نزدیک تر ہیں وہاں سے جزا کا ستون ہیں۔ زمین پانی

کے لئے ستون کا کام کر رہی ہے۔ اور سے نیچے نہیں گرنے دیتی۔ پانی ہوا کا ستون بنا ہے

اور سب نیچے نہیں جاسکتا۔ ہوا شیر کے لئے ستون ہے اور شیر کو نیچے آنے سے روک

رہی ہے۔ ہم یہ بھی کہنے ہیں کہ جسم کی یعنی عالم کے تمام اجزاء بیکار ہیں اور مضطرب کہوں گے

بہت دن سے اندر مرکز جا پہنچنے کی رغبت کا رفر رتی ہے لیکن وہ وہاں پہنچ نہیں

سکتے۔ صرف ایک حریف یا متحری جو مرکز کے نقطے پر ہے قرار میں ہے اور آرا میدہ ہے۔

بہم کہتے ہیں کہ جزائے خاک کا زمین کے تمام اطراف پر یک دوسرے پر تکیہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خاک کے تمام اجزاء مرکز کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔ اسی طرح پانی کا بندی سے نشیب میں بہ کر جانا اس بات کی دلیل ہے کہ پانی مرکز زمین کی طرف حرکت کرتا ہے اور ہوا کا زمین اور پانی کے گرد بگڑ رہنا بھی اسی امر کی دلیل ہے کہ ہوا کا تکیہ بھی مرکز عالم پر ہے اور آگ (یعنی ایشیا ایتھر) کا بصورتِ قُبّہ ہوا کے گرد اگر دہندہ رہنا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ایشیا بھی مرکز عالم پر تکیہ لگائے ہوئے ہے۔

اسی طرح تمام افلاک بھی ان اجہات کے گرد اگر دق نم میں اور مرکز کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ جھکنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ بھی مرکز کا قصہ رکھتے ہیں۔ یسے ستون جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ افلاک کو مرکز تک پہنچنے سے روک رہے ہیں؟

یہاں تک حکیم صاحب نے جو کچھ کہا ہے اس کو مختصر فقرہوں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ مرکز زمین سے لے کر آسمانوں تک جتنے اجسام ہیں وہ ایک دوسرے کے ستونوں کا کام کر رہے ہیں آگے چل کر حکیم صاحب افلاک کی حرکت کی وجہ بتاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ

”افلاک کی حرکت جو بصورتِ دائرہ ہے۔ عناصرِ حکیم کی قدرت کا کرتہ ہے سکون کا

مقام سوائے اس نقطہ وہی کے جو مرکز زمین میں ہے۔ اور میں نہیں، عالم کے تمام اجزاء

اسی نقطہ مرکز کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ یعنی سکون حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جزائے

عالم کی تمام حرکات اسی سکون کی تلاش میں ہیں۔ پس جو چیز نقطہ مرکز کے نزدیک تر ہے

اس کی حرکت کمتر ہے اور جو چیز نقطہ سے دور تر ہے اس کی حرکت بیشتر ہے اور فلکِ عظم

کہ جس کی حرکت تمام فلک کی حرکت کا باعث ہے مرکز مہر سے دور تر مقام پر ہے

اور جو چیز سکون کے خزانے (یعنی نقطہ مرکز) سے دور تر ہوتی ہے وہ قطعاً سکون ناپز

نہیں ہوتی اور جو چیز سکون سے محروم ہو وہ ہمیشہ متحرک رہتی ہے) جب یہ معلوم ہو گیا

کہ تمام اجسام کی حرکت اس لئے ہوتی ہے کہ وہ سکون کے مقام پر پہنچ جائیں تو پھر

اللہ کی حرکت بھی اسی سبب سے ہے۔ اس نے ناپ آسمان معدن سکون کے گرد یعنی نقطہ مرکز کے گرد گردش کرتا ہے یک بیک قرار ہے آتش گردش۔ آسمان کی یہ حرکت مستدیر اس لئے ہے کہ وہ مرکز پر پہنچنے کا راستہ ڈھونڈ رہا ہے لیکن یہ ستون جو اس کے نیچے ہیں۔ اسے نیچے نہیں آنے دیتے۔ اور چونکہ یہ ستون لطیف ہیں اور ہموار ہیں اور ان میں کوئی کمی بیشی نہیں۔ اس نے آسمان کی حرکت مستدیر ہو جاتی ہے یعنی دائرے کی شکل (یا بیضوی شکل) اختیار کر لیتی ہے۔

اسی طرح حکیم مصطفیٰ کی تدبیر سے یہ عالم قائم ہے۔ اکثر آدمی اس حقیقت سے غفلت نہیں ہیں۔ وزن ستونوں کو جو خداوند کریم نے اس قبتہ عظیم اور گنبد بلند کے نیچے کھڑے کئے ہیں۔ نہیں دیکھتے۔ چنانچہ خدا کے حاکم کہتا ہے۔ اللہ الذی رفع السموات بغیر عمدتین و غما۔

نصر خرمہ کے ن بنیاد کو سامنے رکھ کر نیوٹن در سیب کے درخت والی کہانی کو دیکھئے دنیا بھر میں یہ کہانی مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز نیوٹن نے سیب کے ایک درخت سے سیب گرتا دیکھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ جب یہ سیب شاخ سے عیسیدہ ہو، تو اس کے لئے شش جہات میں سینکڑوں رستے کھلتے تھے۔ یہ وجہ ہے کہ اس نے اور کوئی رستہ اختیار نہیں کیا سیدھا بظلمت تقسیم زمین پر پہنچی۔ کہتے ہیں کہ اس نیاں نے نیوٹن کے دل میں تنی گہری جگہ بنالی کہ وہ دن رات اسی سوچ میں لگ گیا۔ اور آخر کار اس نے شش قفل کا راز دریافت کر لیا۔ یہ مسئلہ کی بات ہے جبکہ نیوٹن چوبیس سال کا تھا سب کا یہ درخت مسئلہ تک کھڑا رہا۔ جب کہ پوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے وہ کاٹ لیا گیا اور اس کی مکڑی بڑی احتیاط سے محفوظ رکھ دی گئی۔

نیوٹن انگلستان کا مشہور ریاضی دان منجم اور فلک سفر تھا۔ وہ ۱۶۴۲ء میں پیدا ہوا اور ۱۷۲۷ء میں فوت ہوا۔ ناصہ خرمہ و عوی مسئلہ میں پیدا ہوا۔ در مسئلہ میں فوت ہوا۔ کشش قفل کا قانون جو کہا جاتا ہے کہ نیوٹن نے دریافت کیا۔ فی واقعہ نیوٹن سے سارے چھ سو سال پہلے پوری طرح سے دریافت

نہایت بڑی ابتدا کی صورت میں حکیم صاحب سے بھی پتہ کا دریافت شد تھا۔

اس میں شک نہیں کہ اس قانون کے متعلق نیوٹن نے مندرجہ بالا ہی مفید اور ضروری معلومات لیں۔ اور اس قانون کے متعلق تجربی اور حسابی اندازے عین کئے۔ لیکن جہاں تک اصول کا ہے حکیم صاحب نے اس قانون کشش ثقل کو بتیہ مندرجہ بالا ہی نیوٹن کی ورک کے بعد حقیقت سے اس قانون کو ایک باضابطہ صورت میں مرتب کر سب سے ذیل میں اس قانون جو وہ معروضات جو ہمارے مضمون کے متعلق ہو سکتی ہیں، مختصر کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) زمین کی سطح سے اوپر کسی نقطے سے اگر کوئی چیز گرائی جائے تو وہ بخوبی مستقیم زمین کے مرکز کی طرف گر جاتی ہے۔

(۲) کشش ثقل کے عمل سے ہر ایک جسم پر دوسرے جسم کو اپنی طرف کھینچتا ہے خواہ وہ جسم چھوٹا یا بڑا ہو۔

(۳) اس کشش کا اثر ہر ذرات میں لختہ آہستہ آہستہ ان دو کتبہ کے جسم میں سے ایک پر ہوتا ہے، مثلاً اگر زمین اور دوسرا یہ چھوٹا ہو مگر چھوٹا ہو۔

(۴) کارب کا ایک ٹکڑا دوسرے کی ایک گولی گریب ہی بندی سے ایک ہی وقت گرتی ہیں تو یہ ایک چیز میں ایک ہی وقت زمین پر پہنچیں گی۔

(۵) ہر ایک سیارہ (شہول زمین) سورج کی طرف بخوبی ہر وقت یکساں کشش کی طرف فاصلے کی نسبت سے معکوس ہوگی۔ یعنی اگر فاصلہ تین گنا ہو کشش کی طرفت سے نصف رہے گی۔ اسی کھینچنے والے جسم کی مقدار جتنی زیادہ ہوگی کشش کی طرفت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

(۶) سورج چاند زمین سیارے و ستارے سب ایک دوسرے کی اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔

(۷) چاند زمین کے مرکز کی طرف کھینچی جا رہا ہے۔ اور اسی سے وہ زمین کے گرد چکر لگا رہتا ہے۔ کشش ثقل کی وجہ سے چاند ہمیشہ اپنے مدار پر قائم رہتا ہے۔ اور زمین سے ہمیشہ ایک ہی فاصلے

پر زمین پر آ نہیں گرتا۔

۸۔ زمین اور نظام شمسی کے دوسرے سیارے سورج کے مرکز کی طرف کھینچے جاتے ہیں اس لئے وہ سورج کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ اور کشش ثقل کی وجہ سے ہمیشہ اپنے اپنے مدار پر قائم رہتے ہیں۔ سورج پر نہیں جاگرتے۔ (وہی بات ہے کہ اگر طالب کی رسائی اپنے مطلوب کے گھر تک نہ ہو سکے تو اس کے گھر کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے)

بیانات بالا سے واضح ہوتا ہے کہ سماوات اور فلاک یا بالفاظ دیگر اجرام سماویہ سورج، چاند، ستارے، سیارے اور زمین وغیرہ سب کے سب قانون کشش ثقل کی وجہ سے اپنے اپنے مقام اور اپنے مدار پر قائم ہیں۔ امدان کی حرکات بھی اسی قانون کے تحت ہیں۔ یہی جذبہ و انجذاب جو ہر ایک جسم مختلف اطراف سے عمل کر رہا ہے۔ اجسام کو اپنی اپنی جگہ پر قائم رکھتا ہے۔ اگر کشش ثقل کا یہ قانون نہ ہوتا تو زمین پر گرے۔ زمین سورج پر جا گرے اور سورج کسی اور چیز پر جا گرے۔ اور تمام نظام درہم برہم ہو کر تباہ ہو جائے۔

وہ کون انسان ہوگا۔ جو ان چیزوں پر غور کرے اور یہ چیزیں اس کے لئے خداوندِ علیم و حکیم قدیر و خبیہ کی نشانیوں کا کام نہ دیں۔

ان الله يمسك السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان لمسكهما لمن احد من بعده ان كان حلما اغفورا (۱۰۰) بعد کوئی انھیں روک نہیں سکتا

اس آیت سے ایک اور نہایت دلچسپ اور پُر لطف نکتہ نکلتا ہے۔ آیت عنوان سے تو ص

ہی معلوم ہوتا ہے کہ سورج چاند اور ستارے غیر مرنی ستونوں پر قائم ہیں اور نیچے نہیں گرتے۔ لیکن ان میں سے ایک والی آیت میں زمین بھی شامل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین بھی انہی غیر مرنی ستونوں پر قائم ہے اور اس لئے سورج پر نہیں جاگرتی۔ جیسا کہ قانون کشش ثقل کے متعلق موجودہ زمانے کی نئی سے ثابت ہوتا ہے۔

آیت زیر عنوان کافی ہر سچی آپ نے دیکھا۔ یہ اس کا باطن تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ

کے اندر ابھی اور کتنے بطن پوشیدہ ہیں۔ ممکن ہے کہ علوم کی ہزار فزوں ترقی آنے والے زمانہ میں اس کے اور بطنوں کا بھی انکشاف کرے۔

عربیت میں اپنی کم سوادی کا مجھے پورا پورا احساس ہے۔ اس لئے اس معاملے میں میری رائے سی وقعت کی مستحق نہیں۔ لیکن یہ امر واقع ہے کہ زمین سے لیکر آج تک سرسری تلمذ کے دوران کبھی میں نے اس آیت کو پڑھا۔ میں نے اس کا ہی مطلب سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو غیر مٹی پر قائم کر رکھا ہے۔ کبھی ایک دفعہ بھی میرا ذہن دوسری طرف نہیں گیا۔ پانچ چار روز کی بات ہے کہ میں نے اس مضمون پر کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تو اذروئے احتیاط ایک ترجمے والے قرآن مجید سے اس آیت کو پڑھا۔ میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی، جب میں نے یہ معلوم کیا کہ تروہا کا مطلب تو کچھ اور ہی ہے ترجمہ دیکھا۔ تیسرا دیکھا اور اسی طرح کئی ترجمے دیکھے۔ سب میرے خیال کی تردید کر رہے تھے۔ تسلی تو اور ترجمے اور تفسیریں دیکھنی شروع کیں، بالآخر معلوم ہوا کہ میرا خیال بالکل بے بنیاد نہ تھا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے (اور ممکن ہے کہ میرا یہ خیال بالکل غلط ہو) کہ عام مترجم، اور مفسر برقی ستونوں والی بات کو بعید از قیاس سمجھ کر دوسرا ترجمہ کرنے پر مجبور ہوئے، چنانچہ ان میں سے کچھ نے تو ان ستونوں والی روایت کی بالفاظ صریح تردید بھی کر دی چنانچہ ایک مفسر لکھتے ہیں کہ

”خدا نے اپنی قدرت محض سے بے کسی ستون کے آسمانوں کو اوپر اٹھ رکھا ہے جو ہر وقت

تمہاری نظروں کے سامنے موجود ہیں۔

بعض مفسر اس جملہ کے یہ معنی بھی بیان کرتے ہیں کہ اس نے تمہارے دیکھنے میں بے ستون آسمان اونچے کئے۔ یعنی آسمانوں کے ستون تو ہیں مگر نظر نہیں آتے اور بعض تفسیروں میں اگرچہ حضرت ابن عباس سے اس آیت کے یوں معنی بیان کئے گئے ہیں کہ قاف بہرہ پر ایک لمبا ستون ہے جس پر آسمان اس طرح قائم ہیں جس طرح خیمہ چوب پر کھڑا کیا جاتا ہے مگر وہ ستون اہل دنیا کو نظر نہیں پڑتا۔

لیکن حدیث شریف کے روئے نیزنا سبب مقام سے یہی معنی معلوم ہوتے ہیں کہ تمہاری

سمکھوں دیکھنے کی۔ مٹ ہے کہ حدت آسمانوں کو بدون کسی ستون اور ٹیک کے اتنا اونچا

ہند کر رکھا ہے۔ کیونکہ گردنی سون ہوتا تو خیز میں نظر ہی نہ آتا۔

یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس وغیرہ کو اس آیت کے کسی دوسرے ترجمے کی گنجائش ہی نظر نہ آئی۔ اس سے وہ کوہِ قاف و ان فیہ پر مجبور ہوئے جس طرح دوسرے مفسر غیر مرقی ستونوں والی باب کو غیر نہیں سمجھ کر دوسرے ترجمے پر مجبور ہوئے۔ درود علم موجودہ زمانے کے مترجمین و مفسرین میں سے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولوی محمد علی رحمانی نے اس آیت کی تفسیر میں قانون کشش ثقل کی حرفِ صریح نہ لپکائی ہے۔

نوٹ:- قانون کشش ثقل کی بحث کے سلسلے میں ایک دھچپ لطیفہ قابل ذکر ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ کشش ثقل کثرت کرنا ایک جسم کے مرکز کی طرف ہوتی ہے۔ مثلاً کشش ثقل ارضی میں کرہ ارضی کا مرکز دور کرہ ارضی کے مرکز کی طرف ہے۔ زمین کے مرکز کی طرف کھینچی جاتی ہے۔ اگر زمین کا وہ جزو زمین کے مرکز پر ہے۔ جتنی تمام جزو زمین اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ حالانکہ علی شریعت سے بہت بڑے جسم والی چیز بہت چھوٹے جسم والی چیز کو اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

مرکز زمین ایک نقطہ ہے ایک ذی نقطہ جس کا نہ عرض سے نہ طول نہ گہرائی حکیم ناصر خسرو کہتے ہیں کہ اس نقطے میں خاک کے ایک جزو یا ختیاری یعنی ایک ایٹم یا اس سے بھی کمتر کے سوا اور کسی کی گنجائش ہی نہیں۔ اس معلوم ہو کہ وہ وہ گردنا متجزی یعنی وہ حقیر تا جیز موسوم یا معدوم جزو جو نقطہ مرکز پر ہے۔ جہاں ہر جسم جسموں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے حکیم صاحب اس سلسلہ جو باب ۱۰ میں ہے۔ سب کچھ اس جزو یا متجزی کا کارنامہ نہیں بلکہ کسی قہر کا ثبوت ہے یعنی خدا کا حکم ہے جو ہر جسم کو اس غصہ مرکز کی طرف کھینچ رہا ہے۔

یہی مثل نیوٹن کے ذہن میں بھی آئی۔ دیکھئے اس نے اس شکل کو کس طرح حل کیا۔ وہ کہتا ہے کہ کسی کرہ کی کثرت بہرونی جسم میں عت عمل کرتی ہے تو اس کرے کا کل وہ مرکز پر جمع ہے۔ نیوٹن نے کرہ ارضی کے تمام دے کو مرکز کے غصہ موسوم جمع کر دیا۔ لیکن قبرق برقی طرف اس کا ذہن منتقل نہ ہوا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان فلسفی اور ایک یورپین فلسفی کی ذہنیاتوں میں کتنا فرق ہے۔
 ص: ہمیں تفاوت رہا نہ کجاست تاہی۔

یورپ کے علماء و فضلاء رسوائے انبیاء کی کتابوں کے در کسی علم و فن کی کتاب میں خدا کا نام
 تک نہیں لیتے۔ برعکس اس کے حکیم نہ صخرہ و نہ تمام فلسفہ مقالات میں خواہ وہ طبیعیات کے متعلق
 ہوں۔ یا مابعدالطبیعیات کے متعلق، جا بجا، در موقعہ ہر قرآن کریم کی آیات کو اپنے نظریات کی تائید
 میں بطور سند پیش کرتے چنے جاتے ہیں۔

ہم لوگ اگر حکیم صاحب کی طرح عموم جدیدہ کے قصی و یقینی معمول کی روشنی میں قرآن مجید
 کی آیات پر غور کیا کریں تو یقین ہے کہ آیات ایسے کے جہوں اور جہوں در جہوں کے متعلق روز نہ نئے
 نئے نکشافات ہوتے رہا کریں ابنتہاں کے لئے قرآن کریم کے مسدس و متوزر مطاحہ کی ضرورت ہے۔

تغلی کم سواد و سبق قصہ دے دوست

صدہار خونہ و دگر از سر گرفته ایم

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

اور

مقدمہ ترجمۃ القرآن

(۲)

مورانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاری رفیق، علی ندوۃ المصنفین دہلی

بالجملہ مواقع اختلاف لغتیں بسیار است و مترجم دریں صورت مضطر است باقامت حرفے و الضرورات
بتبع المحظورات فصل لفظ است علامت ربطی است کہ در میان حاشیتیں جملہ اسمیہ و ظرفیہ
باشد زید قائم است زید کجی است او علامت اسناد فعلی بفاعل تقدیم فاعل متصل آوردن فعل
زید اسناد عند الضرورت اسناد زید میتوان گفت و مفعول بہ ثاب ثاب فاعل باشد یا بحرف مقرون

الحاصل، دو زبانوں کے مواقع اختلاف بہت ہیں اور اس لئے مترجم مضطر ہو جاتا ہے کہ (اذا) مفہوم
کے لئے کسی حرف (لفظ) کو اپنی جانب سے پیش کرے چنانچہ مشہور مقولہ ہے: "الضرورات بتبع
المحظورات۔ ضرورتیں منوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔"

نقص۔ (چونکہ یہ ترجمہ بزبان فارسی ہے اس لئے چند باتیں فارسی تراکیب سے متعلق بھی
گوئی گذار رہی چاہیں) فارسی میں لفظ "است" ربط کی علامت ہے جو جملہ اسمیہ ظرفیہ کے ہر دو اطراف
کے درمیان رابطہ کو ظاہر کرتا ہے مثلاً "زید قائم است" "زید کجاست" درحقیقت یہ علامت ہر فاعل
و جانب انتساب فعل کی اس شرط کے ساتھ کہ فاعل کو مقدم کرتے ہوئے فعل کو اس کے متصل لائے

می شود زدم زید را دزدہ شد زید را دہنوعی از تسلیم می توان گفت زید زده شد اگر قرینہ قائم باشد حذف را جائز است و مفعول مطلق اگر برائے عدد باشد یک بار کردن و دوبار کردن می توان تقرر کردن و اگر برائے نوع باشد یک نوع کردن و یک طور کردن و اگر غیر مصدر بجائے مصدر قائم کرده باشند گویند ضربت سوطاً زدم یک چابک و اگر غیر لفظ فعل باشد قرأت سرّاً خواندم بطریق ہے درپے خواندن و اگر برائے مجرّد تاکید باشد یا از قبل سبحان اللہ و علہ اللہ از قبیل لغتیں است بدون تکلف وارجاع بحرف دیگر میسر نہ شود و اگر مفعول نہ معنی غرض باشد بلفظ برائے یا بلفظ تا و تصویر مصدر

اور علامت "است" کو آخر میں بیان کرتے ہیں، گویا "زید قائم است" کی مثال میں ضرورت کے وقت "است" کو اسناد زید کہا جاسکتا ہے۔

اور مفعول "قائم مقام فاعل کے ساتھ ہوتا یا کسی حرف (علامت) کے ساتھ مقرون ہوتا؛ مثلاً "زدم زید را" یا "زدہ شد زید را" اور تسامع کے طور پر اس دوسرے جملہ کو یوں بھی ادا کر دیتے ہیں۔ "زید زدہ شد" اور اگر قرینہ موجود ہو تو (مفعول کا) حذف بھی درست ہے۔

اور مفعول مطلق اگر عدد کے لئے ہو تو یہ ظاہر کرنا چاہئے کہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کیا مقصود ہے اور اگر اظہار نوع کے لئے ہو تو "نوع" اور "طور" کو بیان کرنا چاہئے اور اگر غیر مصدر کو مصدر کی جگہ رکھیں مثلاً ضربت سوطاً تو اس طرح ترجمہ کریں گے "زدم یک چابک"

اور اگر مفعول فعل کے لفظ سے جدا لفظ میں ادا کیا جائے، مثلاً "قرت سرّاً" تو یوں کہیں گے "خواندم بطریق ہے درپے خواندن" میں نے مسلسل پڑھنے کے طریق پر پڑھا۔

اور اگر صرف تاکید ہی کی غرض سے مفعول کو لایا جائے یا مفعول کا ذکر اس طرح ہو جیسا کہ (عربی زبان کے استعمالات میں) "سبحان اللہ" میں ہے تو یہ ہر دو لغات (عربی و فارسی) کے اختلاف کے قبیل سے ہے اور غیر تکلف اور دوسرے حرف کے لوائے بغیر صحیح ترجمہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

و اگر مفعول نہ غرض کے معنی میں استعمال ہو ہے تو لفظ "برائے" یا لفظ "تا" لاتے ہیں اور جملہ

بصورت جملہ ضربتہ تادیبا زدن برائے دوزن ادب یا تا ادب و ہم و اگر بمعنی حامل باشد بلفظ بعثت و حکم و بمقتضائے و امثال آں قعد جنبناشت بعثت نامردی و اگر بمعنی احتراز باشد بلفظ احتراز و برائے احتیاط و امثال آں ضربتہ ان یقول انسان ما ضربتہ زدن برائے اجتناب از آنکہ گویندہ زدنش و مفعول فیہ بلفظ درد مکان باتدبازبان و مفعول معنہ بلفظ استوی المار و الخشبہ برابر شد آب با چوب و حال اگر کلمہ مفرد شد یا اشتقاق صفی کہ موضوع برائے حال باشد، جثت را کنا سوار آدم و اگر جملہ متہ از فعل ذی بحال باشد یا شمار لفظ کردہ و کنا و مثل آں جارزیدہ بختی مشیمہ زید آمد تبختر کناں در رفتار خود و اگر جملہ متہ از فعل غیر ذی الحال باتدبازبان چار لفظ حال آنکہ زیادہ کردہ شود ہر چند

”ضربتہ تادیبا“ میں ترجمہ فارسی کے نذر مصدر کی تصویر میں صرح کھینچی جاتی ہے ”زدن برائے دادن ادب“ یا ”زدن تا ادب و ہم“

اور اگر مفعول نہ ”اصل“ اور ”ثمرہ“ کے معنی میں متعل ہو ہے تو اس کے ”فارسی ترجمہ میں لفظ ”بعثت“ ”بحکم“ ”بمقتضا“ جیسے الفاظ لانے ہوں گے مثلاً ”تو جینا“ کا ترجمہ یہ ہو گا۔ ”نشت بعثت نامردی“ ”یا یہ سبب نامردی“

ور اگر ”احتراز“ کے معنی میں استعمال کیا جا رہا ہے تو اس صورت میں لفظ ”احتراز“ یا ”برائے احتیاط“ یا اسی قسم کے الفاظ سے جائیں گے مثلاً ”ضربتہ ان یقول انسان ما ضربتہ“ کا ترجمہ یوں کریں گے ”زدن برائے صحتاب“ ”نعمہ گویندہ زدنش“

”و مفعول فیہ کہ فارسی ترجمہ ظرف مکان و ظرف زمان دونوں حالتوں میں لفظ ”درو“ کے ساتھ کریں گے۔ ”و مفعول معنہ کو لفظ ”با“ کے ساتھ ظاہر کریں گے۔ مثلاً ”استوی المار و الخشبہ“ کا ترجمہ ”برابر شد آب با چوب“ ہو گا۔

”و حال اگر مفرد کلمہ ہو تو فارسی ترجمہ میں ایک ایسے لفظ کا اشتقاق کرنا ہو گا جو حال کے معنی کے سے وضع کیا گیا ہو، مثلاً ”جست را کنا“ کا ترجمہ ”سوار آدم“ ہو گا۔

مطلعت فارسیست حال در زبان عربی معنی شی یا مد گاہی ہو کہ باشد جارنی ہوک عطف واد گاہی
نی نیافاد خلوا خالین و گاہی معنی قصد آید جنت اشکر اللہ و در فرسی این معانی مستعمل نیست تیز
از عددی یا وزنی یا پیمانی یا مساحت باشد بصیغہ تمیز یا باضافہ یا لفظ زبیرن کردہ شد بست مرد
ک رطل گندم یک صاع از جو و اگر اسم اشارہ بلفظ صفت ناذا اراد اللہ بہذا مثلاً چہ چیز ارادہ کردہ

و اگر حال جملہ ہے و مزدو الحال کے فعل و عمل پر مشتمل ہو تب بلفظ کردہ کنان بیصی
فاظ کو اختیار کرنا ہوگا مثلاً جازیزہ تیختہ فی مشیہ کا ترجمہ فرسی "زیرہ تیختہ کتان در وقت خود ہوگا
اور اگر جملہ ذوا الحال کے فعل کے علاوہ فعل پر مشتمل ہو تو غلط جائزہ سے اضافہ بغیر چارہ کار
ہے۔ اگرچہ فارسی کے اصل لغت میں اس کا وجود نظر نہیں آتا یہ بھی واضح رہے کہ "حال"
لی زبان میں شے کے معنی میں کہیں استعمال نہیں ہو۔

حال کبھی تاکید کے معنی میں آتا ہے مثلاً "جارنی ہوک عصفور" یہ ہے پاس میرے باپ
آمد ہمد روانہ آمد ہے اور کبھی "تہی" اور تیاری کے معنی میں جیسا کہ "فاد خلوا خالین" پس رخص
و جاؤ اس میں ہمیشہ رہنے کی تیاری کرتے رہو۔ و کبھی معنی قصد آتا ہے مثلاً "جنت اشکر اللہ"
یا کہ اللہ کی شکر گزاری کروں۔

اور فارسی زبان میں یہ معانی مستعمل نہیں ہیں۔

اور تمیز، اگر عدد، وزن، پیمانہ یا مساحت سے ہو تو فرسی ترجمہ میں پیمانیہ کا جملہ استعمال
ہوگا یا اس کو اضافت کے ذریعہ ظاہر کریں گے اور با غلط "ازت" اس کا ثبوت نہ ہو۔ مثلاً
بست مرد، یک رطل گندم، یک صاع از جو۔

اور اگر اسم اشارہ سے "تمیز" مقصود ہے تو صفت کا لفظ ترجمہ فارسی میں اس کو
رہے گا مثلاً "ناذا اراد اللہ بہذا مثلاً" کا ترجمہ یہ ہوگا "چہ چیز ارادہ کردہ ست خد زیں مثلاً"
یعنی ایسی مثال بیان کرنے سے خدا نے کیا ارادہ کیا ہے۔

خدا زیں مثل و گراز نسبت باشد بتوین فاعل یا مفعول کرده شد یا از روی و از جهت و باعتبار فرزند
 اندر زید حسن و زید نیک است از روی خانہ و باعتبار خانہ و گاہی در فارسی مضمون غیر را بنوعی از
 تصرف کہ دو کلمہ یک ساختن است ادا کرده شود صاق قلباً تنگ دل شد ہو قاسی قلباً وی سخت دل
 است و گاہ ہے در عربی مفعول بنیہ توسط حرف حیر یا شد و در فارسی توسط حرف حیر لازم شود فیکہ ہم اللہ
 کفایت خود کرد و تراشد ز شرایت و مثل قالوا اتخذ اللہ ولداً و گفتند فرزند گرفت خدا و مثل اعطیت
 زیداً در ہم در ہم زید و مثل کن زید قائماً بود زید قائم و بود زید قائم است و جعلت زیداً
 عبدی زید را بندہ خود ساختہ در این صورت ہا تقدیم و تاخیر را بر خود ہمار باید ساخت و گاہی جملہ را

در گزینہ سے نیز مستوی ہے تو اس صورت میں اس کو فاعل یا مفعول میں منتقل کریں گے
 و یہ ہفتہ "زید حسن" "زید نیک" باعتبار اضافہ کر کے معنی بیان کریں گے۔ مثلاً "زید حسن دارا" کا
 ترجمہ ہو گیا "دارا خوب است" "زید نیک خانہ" "زید نیک است باعتبار خانہ"
 کبھی یہ ہوتا ہے کہ دوسری زبان کا مضمون فارسی زبان میں اس تصرف کے ساتھ دیا
 کرتے ہیں کہ "بکلمت و یک کلمہ بنایتے ہیں مثلاً "صاق قلباً" "تنگ دل شد" یا "ہو قاسی قلباً" و
 مختلف در است "حقی صاق و قلب کا ترجمہ تنگ دل یا قاسی اور قلباً کا ترجمہ سخت دل کر دیا گیا۔
 کبھی یہ ہوتا ہے کہ عربی زبان میں تو مفعول بغیر حرف جر کے استعمال ہو جاتا ہے مگر فارسی
 زبان میں یہ نہ ہوتا ہے۔ مثلاً "فیکہ ہم اللہ" کفایت خواہد کرد ترا خدا از شرایت
 و بعضی ہت سے ہوتا ہے کہ "ترجمہ میں زبان کے محاورات کے پیش نظر اپنی جانب
 سے تقدیم و تاخیر کرنا ہے مثلاً "قالوا اتخذ اللہ ولداً" و گفتند فرزند گرفت خدا" اور اعطیت
 زیداً در ہم۔ در ہم و دم زید۔ و زکات زید قائماً۔ بود زید قائم یا بود زید قائم است" اور جعلت زیداً
 عبدی۔ زید را بندہ خود ساختہ" (یعنی عربی کے یکساں جملوں کے ترجمہ میں مختلف اسلوب کے ساتھ فعل
 و فی عمل کی تقدیم و تاخیر کو اختیار کیا گیا ہے۔

ست گوی حقیق آن نیست کہ گویند ایشانند راست گویاں و اگر منظر موضع مضمر وضع کرده باشند لفظ آن زائد
 کرده شد نام بوط باشد در فارسی علامت بفعل لمحق کنند ہر چند فاعل منظر باشد قام ہولار ایتانڈا ایشانڈا و
 وفایاں راست کہ زائد باشد و ب اگر کہ در فارسیہ معنی آن ربطا بغیر ذکر عطف و تعقیب درست شود پس اگر رکعت
 فقط دریں صورت در ترجمہ لازم می آید ترک کردہ شد باجملہ دقائق فن ترجمہ بسیار است و مقصود من اینجا
 بیان نموزجی ست حبنا، انعم، لوکیل و در تول و لا قوۃ الا باللہ بجد افند و المنۃ کہ ایں رسالہ متبرکہ بتاریخ بہت
 یکم جہادی ۱۲۲۴ شانی بخیر صی پر معاصی محمد علی حسینی اعظمی باختتام رسید اللهم اغفر لکاتبہ۔

اور اگر با موقع است کہ وہاں مضمر نا چاہے مگر اس جگہ منظر لایا گیا تو فارسی زبان میں اس
 مقام پر لفظ "ان" اضافہ کرنا چاہئے تاکہ ربط باقی رہے اور ترجمہ غیر مربوط نہ ہونے پائے۔
 فارسی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ خواہ فعل منظر (لفظ میں ظاہر و موجود) ہو، فعل کے ساتھ
 عدم مت مفرد و جمع کو ضرورتی کرتے ہیں مثلاً "قام ہولار" کا ترجمہ "ایتانڈا ایشانڈا" کیا جائے گا۔
 "واو" ورنہ "کہ" نہ دیتے ہیں اور معنی نہیں رکھتے اور فارسی زبان میں یہ طریقہ اکثر و بیشتر رائج
 ہے کہ عطف و تعقیب کے ذکر کے بغیر "واو" اور "فہ" کو ربط کے معنی میں استعمال کر لیتے ہیں۔ پس اگر
 اس صورت میں ترجمہ کے اندر رکعت لفظی پیدا ہو جائے تو "واو" اور "فہ" کا ترجمہ ترک کر دینا چاہئے۔
 اسی صل۔ فن ترجمہ کی برکیاں بہت ہیں اور اس مقام پر ہمارا مقصود صرف نمونہ کے طور پر
 چند باتیں بیان کر دینا ہے۔ حبنا، انعم، لوکیل و لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

اللہ کا شکر و حسن کہ یہ متبرک رسالہ بخیر عاصی پر معاصی محمد علی حسینی اعظمی
 ۲۱ جہادی ۱۲۲۴ شانی ختم ہو سکیا۔ اللهم اغفر لکاتبہ

ڈاکٹر نکلسن

زیرِ فیسر ڈاکٹر جی آر بری ویرڈ فیسر ڈاکٹر مسید، خیر علی صاحب دہلی یونیورسٹی
 مشرقِ شہید فقید ری تولڈ ایمن نکلسن سابق پروفیسر آف سیمینٹ یونیورسٹی ان محدودے
 چند منتخب ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی زندگی اسلامی فلسفہ و علوم، بالخصوص تصوف کے مطالعہ
 اور خدمت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ گزشتہ اگست میں وہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔
 چونکہ راقم کو ان سے ایک علاقہ روحانی و ران کی شاگردی کا فخر چکا ہے، اس لئے موجودہ
 مختصر مقالہ میں ان کے سوانح زندگی قلمبند کے بغا ہائے فرض سے سبکدوش ہوں۔ گو یہ فرض
 ایسا ہے کہ اس سے سبکدوش ہونا معلوم۔ اس مختصر مقالہ کا ابتدائی حصہ میرے عزیز اور فاضل دوست
 لے، جے، آر بری، ایم اے، ایل ڈی، نائب مدیر کتاب خانہ انڈیا آفس کے قلم سے فارسی زبان میں روزگار
 جلد ۳ شمارہ ۲ میں سن ۱۳۸۷ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد میں نے بعض اپنے متبادرت بھی قلمبند کئے
 ہیں، یہی وجہ ہے کہ میں نے اس مقالہ کی تحریر میں اپنے عزیز دوست کو بھی شریک کیا ہے ورنہ میرے
 نزدیک یہ بات انصاف سے بعید تھی کہ اپنے مضمون کی بنیاد تو ڈاکٹر آر بری کے مضمون کو بتاؤں خود
 اس کا مصنف بنوں۔

ری تولڈ ایمن نکلسن کی ولادت ۱۹ اگست ۱۸۹۸ء میلادی کو ہوئی۔ ان کے دادا ہری نکلسن
 تاریخی طبعی کے ماہر تھے، اور یکے بعد دیگرے اسکاٹ لینڈ کی تین مختلف یونیورسٹیوں میں کرسیِ فضیلت
 پر جلوہ افروز ہوئے، ان کے دادا بھی اپنے زمانے کے جدید علم اور کامل زبانِ اردو سمجھے جاتے تھے، عربی
 زبان کے متعلق انہوں نے تحقیقاتِ عمیق کی، خوش قسمتی سے ڈاکٹر نکلسن کو وائل عمر میں ان کی صحبت
 کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہی امر ان کے سنہ شریہ کے ذوق کا مورث بنا۔ ڈاکٹر نکلسن بستہ میں

سکاٹ لینڈ کی ایمرٹین یونیورسٹی میں داخل ہوئے اور وہاں سے ادبیات قدیم حنی یونانی اور لاطینی کے مطالعہ سے فراغ حاصل کر کے کیمبرج شریف لائے اور وہاں کے مشہور کالج ٹرینیٹی کالج میں داخل ہوئے اور ادبیات قدیمہ شرقیہ کے مطالعہ اور امتحانات میں امتیاز حاصل کیا، تعلیم سے فارغ ہو کر آپ نے اپنی زندگی عربی فارسی کے مطالعہ اور تعلیم و تعلم کے لئے وقف کر دی، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ ان زبانوں کے مطالعہ کا ذوق ابتدا سے دامگیر ہو چکا تھا، اور آپ نے اپنی ذاتی جدوجہد اور مثال سے اس مصرعہ کو سچ کر دکھایا کہ

بیتیر در دروں شد و با جان بدر شود

کیمبرج میں ڈاکٹر نکلسن کو ایسے فاضل اور جید مشرقین کی صحبت ملی جن کے شغف کی مثالیں بیرونی ملک میں کم نظر آتی ہیں۔ مثلاً آپ کے ساتھ میں میرے نزدیک سب سے مقدم مشرق شہر نقید لے آئے، بیون میں جن کے سامنے میں نے بھی کچھ عرصہ زانوئے ادب نہ کیا، پروفیسر بیون عربی کے ایسے شہساز تھے کہ خیر عمر بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ مرتے دم تک اس زبان کی تعلیم کو اپنی زندگی کا مقصد اہم شمار کرتے رہے۔ یونیورسٹی کے قواعد کی پابندی کی بنا پر آپ رسمی مذمت سے سبکدوش ہونے پر بھی کیمبرج ہی مقیم رہے۔ چونکہ ذاتی اثاثہ بھی رکھتے تھے اس لئے اپنے شوق کو پورا کرنے کی نیت سے ٹرینیٹی کالج کے ارباب حل و عقد کی درخواست پر آپ برابر عربی کا درس دیتے رہے اور کبھی کیمبرج سے باہر جانے کا خیال بھی نہ کیا، میرا ذاتی اندازہ پروفیسر بیون کے متعلق یہ ہے کہ وہ پرانی وضع کے استاد تھے، مزاج میں شاید کسی قدر استبداد بھی تھا۔ ہاں ہمہ آپ کے فضل و دانش کی اس سے زبردست اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ آپ صحیح معنی میں اکثر مشہور مشرقین کے تربیت کرنے والے یا جگت استاد تھے، جن میں پروفیسر براؤن، آنجنانی اور ڈاکٹر نکلسن اور میرے عزیز دوست ڈاکٹر آربری بھی شامل ہیں۔

مگر ڈاکٹر نکلسن کے ذوق و بھر کانے والے پروفیسر براؤن تھے، یہ خود ایک ایسی جذاب ہستی تھے کہ جو ایک بار ان کے شر کے تحت میں آجاتا تھا مدت، عمران کو نہیں بھولا تھا بلکہ ان کا ادب اور احترام اسی طرز سے یہ جز ڈاکٹر آربری کے مضمون میں نہیں ہے۔

ڈاکٹر نکلسن کا تھا کہ پچیس سال براؤن اور ان کا ساتھ رہا اور اس تمام عرصہ میں ادب میں فرق آنا تو درکنار اس میں روز افزوں ترقی ہی ہوتی رہی۔ خود ڈاکٹر نکلسن کا ان کے بارے میں یہ قول ہے کہ میری پہلی ملاقات پروفیسر براؤن سے ۱۸۹۱ء میں ہوئی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ان کی شکل و شبہت، وضع حالت اور شخصیت نے مجھ پر زبردست اثر کیا کیونکہ وہ خود ایک جذبہ سے پُرسے تھے، میں نے ان کا جو حلیہ یا شخصیت اپنے ذہن میں قرار دی تھی اس سے بالکل مختلف نکلے، قوت تعلیم ان کے ضمیر میں اس درجہ سمائی تھی کہ اپنے شاگردوں میں بھی ایک جوش اور ولولہ پیدا کر دیتے تھے، جب دیکھتے تھے کہ معرفت افروزی کے سوا ان کا دوسرا مقصد نہیں ہے تو ان کی مشکلات کے رفع کرنے اور کام کو آسان بنانے میں دل و جان سے کوشاں ہوتے تھے۔ پروفیسر براؤن عالی صفات سے آراستہ تھے، اگر دنیا کے بڑے بڑے مستشرقین پر نظر ڈالیں تو میرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سب سے بڑی ہستی تھے جنہوں نے اہل مشرق کی زندگی، ان کے افکار اور ادبیات کی تحقیق کے لئے اپنے وجود کو سربا سر وقف کر دیا تھا۔

جب پروفیسر براؤن پر اپنے شاگرد یعنی ڈاکٹر نکلسن کے جوہر ٹھکانے تو غالب غلی کے زمانے ہی ہر طرح ان کی اس راہ پر گہرا رستہ ہو گئے۔ خود صوفیا کی تصانیف اور انکار کے شائق تھے، ڈاکٹر نکلسن کے ذوق تصوف سے ان کو مسرت ہوئی، جب ان کی پہلی تالیف "منتخب شعاردیوان شمس تبریزی" شائع ہوئی تو پروفیسر براؤن بڑے خوش ہوئے کہ ان کا اندازہ شاگرد کی قابلیت اور لیاقت کے بارے میں غلط نہیں نکلا، یہ کتاب ۱۸۹۵ء میلادی میں طبع ہوئی تھی، اس میں مولانا جلال الدین رومی کے اشعار کا جو انگریزی ترجمہ ہے اس کے متعلق پروفیسر براؤن نے ذیل کے الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

"میں نے مشرقی اشعار کا ترجمہ انگریزی نظم میں ایسا کم دیکھا ہے جو خوبی اور صحت کے اعتبار سے نکلسن کے ترجمہ سے لگا کر افسوس ہے تو اس بات کا کہ طباعت کے لئے نسخہ کا تیار کرنا، پروف کا صحیح کرنا یعنی جملوں کی حاضری یا یہ جیسے ہیں کہ ان کے پیچھے وہ یعنی ڈاکٹر نکلسن اور ہم جیسے بہتروں کو وقت نہیں ملتا کہ جن مناسب ترین راستوں پر چھنے کے ہم خود آرزو مند ہیں ان پر جس بلکہ ہمارا کام تو اکثر یہی رہتا ہے کہ مطالب معلوم اور میر ہنہ کی تشریح و تفسیر کے لئے کرتے رہیں جو ہر چیز کے

دقیق نکتوں اور جزئیات کے معلوم کرنے کی حرص ہے۔

ان الفاظ کو غور سے دیکھا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان کو قلمبند کر کے پروفیسر براؤن نے ان میں ایک اب صحیح اشارہ پوشیدہ رکھا ہے جو اسلئے شریعہ کی تحقیق اور تفتیش کرنے والوں کے لئے ساہا سال تک رہنمائی کا کام دے گا۔ یہی بہت اہم ادبی تصانیف ہیں علی الخصوص فارسی مخطوطات جو طبع ہونے کی محتاج ہیں اور ایسے فاضل بھی ہیں جو ان آثار ادبیہ کی تشریح تفسیر اور تبیین کو دوسرے کام پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے وہ خواہ مخواہ مجبور ہیں کہ ایسے نسخوں کی طباعت اور نشر کا انتظام بھی اپنے ذمہ و جب جانیں اور خط مصافحے دیکھا جائے تو کم ایسے نکلیں گے جنہوں نے ڈاکٹر نکلسن کی طرح بے غرض اور ذاتی مقاصد کو بالائےِ وق رکھ کر یہ زحمت گوار فرمائی ہو، ایسے کاموں کی زحمت کا صلہ کچھ نہ بہت سمجھ لیجئے یا کسی قدر مالی منفعت جو اس طرح کی زحمت اٹھائے ممکن ہے کہ اس کو صلہ دے دیں مگر لیکن یہ صلہ تاول نویں یا سان رسالوں و مقالوں کے مصنفوں کے صلہ سے کہیں زیادہ پائیدار ہوتا ہے جو نکلسن بھی وجود میں نہیں آئیں وہ دور و بردارن و نکلسن جیسے فاضلوں کی تصانیف کو سراہنی کیونکہ ایسے صلہ و رخصت ذاتی منفعت اور صحت کو ترک کر کے اس بات میں کوشاں ہوتے ہیں کہ سابقہ ادبی شاہکاروں کو پودہ فراموشی سے باہر لائیں اور اس طرح بنی نوع انسان کے علم میں اضافہ کریں۔

ڈاکٹر نکلسن کچھ حصہ لندن یونیورسٹی میں زبان فارسی کے استاد رہے لیکن جب ۱۸۳۳ء میلادی میں پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی کی عربی پروفیسری کی کرسی پر منتقل ہوئے تو یہ بھی فارسی کے لکچرار کی حیثیت سے وہاں تشریف لے گئے۔ لی اختصاراً ڈاکٹر نکلسن کو نقصان تھا مگر ان کی نظر میں دوسری یونیورسٹی کے میں قرار مقرر ہونے کا شغل کیمبرج کے اس شغل کے مقابلہ میں بیچ تھا۔ کیونکہ ان کو تو یہ لوگی ہوئی تھی کہ کہ استاد کے ساتھ رہ کر تحقیق اور مطالعہ میں مصروف رہیں۔ ۱۸۲۶ء میلادی میں جب براؤن رحلت کر گئے تو ان کی جانشینی کے لئے نکلسن سے بڑھ کر کوئی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ عربی کے پروفیسر بھی منتخب ہوئے اور ۱۸۳۳ء میلادی میں یونیورسٹی کے قواعد کی رو سے ان کے دشمن ہونے کی باری آئی تو ان ہی کے شاگرد سی اسے اسٹوری ان کے جانشین بنے۔ واضح رہے اسٹوری وہی صاحب ہیں جو ایک زمانہ میں علی گڑھ

میں نے اوکالج میں عربی کے پروفیسر تھے۔ یہاں سے جا کر وہ لندن میں انڈیا آفس لائبریری کے مدیر بن گئے تھے۔

ڈاکٹر نکلسن کی تالیفات اور تصانیف کی تشریح کے لئے اس مختصر کوچک میں گنجائش بلکہ حق تو یہ ہے کہ ان کا اجمالی تذکرہ بھی ایک امر محال ہے کیونکہ ان کی تعداد کثیر ہے اور ان کے علاوہ سربراہ و ردہ رسائل اور انجمنوں کے مجموعوں میں ان کے مقالے بے شمار ہیں۔ اس سے پیشتر رسالہ روزگار نو کی ایک اشاعت میں مولانا روم کی شنوی معنوی کے عمدہ چھاپے اور ترجمے اور شرح کا ذکر چکا ہے۔

اس اہم تالیف پر ڈاکٹر نکلسن نے بیس ساں سے زیادہ محنت کی۔ رقم المحروف جو ساہ سال سے آپ کی دوستی کی نعمت سے بہرہ ور رہا ہے اس بات کا شاہد ہے کہ یہ فاضل بزرگ کم و بیش بیس سال شنوی کی تصحیح و طبع کے کام میں مصروف رہے اس دوران میں یساکم خاق ہو کہ نصف شب کے بعد ڈاکٹر صاحب اپنے کتب خانہ سے ایک گھنٹے سے زیادہ کے لئے باہر تشریف لے جائیں یہ کتاب فضل تحقیق کو شش اور کاوش کا (ایسا) شاہکار ہے کہ نہایت جاوید کا سبب بن سکتی ہے اس کی طباعت ترجمہ اور شرح و تفسیر پر ڈاکٹر نکلسن کے ہم کام ختم نہیں ہوتے، ان کے بتدائی مطبوعات میں حضرت شیخ فرید الدین عطار کی مشہور تالیف تذکرۃ الاولیاء ہے جس پر انہوں نے کافی محنت کی یوں گنوائے کے لئے ہم دو چار اور ہم مطبوعات کے نام درج کرتے ہیں مثلاً بوانصر سرائی کی کتاب اللہ شیخ محی الدین ابن عربی کی ترجمان الاشواق، ادبیات فارسی سے متعلق ان کی ہم تصنیف تحقیقات در باب تصوف اسلامی ایک رسالہ ہے جس کا تعلق حضرت بوسید بن بنی انجیری کی ایک تصنیف سے ہے۔ ان کی دوسری تالیفات تحقیقات در باب شعر اسلامی (دسمبر ۱۹۲۰ء) عراق، اسلام (نندن ۱۹۲۰ء) تاریخ دہلی عرب (چاپ اول لندن ۱۹۰۷ء) تصنیف و تالیف کے کام کے ساتھ ساتھ نکلسن اعلیٰ فارسی اور عربی نظم اور شعر کو بھی انگریزی میں ترجمہ کرتے رہتے تھے ان میں سے اکثر آپ کی تالیف شعر و شریقی (دسمبر ۱۹۲۲ء) میں شامل ہیں۔ یہ تالیف بوسید بن ابی خیر عمیق بخارائی، نوری، فرید الدین عطار، بابا کوکب شیرازی، دققی، فردوسی، حافظ اقبال، بدین رومی، کسائی، جامی، معری، رودکی، سعدی اور غصہ کی

منظور ہوتا ہے۔ اس کتب پر تحسین و تہذیب نظیں شائع ہوئیں اور ان کی اشاعت سے ایران کی ادبی میراث انگریزی لباس میں اہل انگلستان کی نظروں میں جلوہ گر ہوئی۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ مجھے اس جید فاضل کی دوستی کا فخر حاصل ہے اور انہی کے طفیل میں ادب فارسی و عربی کے بدائع آثار و افکار سے روشناس ہوا۔ ایام جوانی میں کیمبرج یونیورسٹی میں ان کا شاگرد ہونے کا بھی مجھے فخر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتا ہوں کہ ایسے عالی مقام استاد و ذوق و شوق و اے فاضل سے میں نے عربی فارسی پڑھی جو کچھ میں قلمبند کیا ہے وہ سراسر ناکافی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ استاد نکلسن کے فضل و کمال کے مرتبہ کو محو و اساطیر کرے اور ان کی تحقیق اور تتبع کے ذوق کو روک کرے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ چند کلمے اس بزرگ کے حالات اور صفات کے بارے میں بھی تحریر کروں۔

زیدوں کی مدح دقت طلب اور دشوار کام ہے کیونکہ اس سے خواہ مخواہ لوگوں کو یہ گمان ہوتا ہے کہ جو شخص مدح کر رہا ہے اس کا کوئی خاص مطلب ہے یا کوئی نفع پیش نظر ہے۔ راقم الحروف اپنے آپ کو جس جرم سے بری اور پاک جانتا ہے بلکہ ازراہ صدق و صفائے کامل اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ یہاں جو کچھ ثبت ہوا وہ حق و حقیقت کی خدمت ہے یا اس نعمت کا شکریہ ہے (جو لطف الہی سے مجھے حاصل ہوئی) اس کے سوا میرا اور کوئی مقصد نہیں۔

ڈاکٹر نکلسن کی ذات میں انتہائے فضل و کمال کے ساتھ حدود و حد کی سادگی بھی جمع تھی۔ ان سے ملاقات و مکالمہ کے دوران میں ان کی جلی تواضع، انکسار، نیک مردی اور انسانیت کے جوہر ظاہر ہوتے تھے۔ اہل انگلستان کم و بیشی کرنے میں مشہور ہیں، ڈاکٹر نکلسن میں بھی کم و بیش یہ اوصاف تھے مگر حق یہ ہے کہ وہ شرم و رنج تو تھے مگر جدا۔ ایسے نہ تھے کیونکہ ان کی ذات میں مہربانی اور محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جوانی کے زمانے میں نکلسن کو کوئی بخت کا حدود و حد نہ تھے۔ ورس کے ساتھ استاد کی مرتبہ حاصل تھا۔ ورزش کا شوق کونسا، گریز ہے جسے نہیں، چنانچہ اس حیثیت سے یہ کمال انسانیت کے اس معیار پر پورا اترتا ہے جو انگریزوں میں مروج ہے، مگر ان کے ذاتی جو سرور صفات پوری تابانی اور خوشندگی کے ساتھ ظاہر ہوتے تھے تو ان کے کتب خانہ

میں، یہاں وہ بیٹھتے تھے تو اس شان سے کہ کتابوں میں محصور ہیں پائے منہ سے لگا ہو ہے اور قلب و فکر کے اسرار کا چشمہ ہے کہ اہل رہا ہے۔ راقم الحروف نے بارہا کتب خانے میں بیٹھ کر ان کے ساتھ خود ان کی اور اپنی تصانیف کے خاکہ اور موضوع پر بحث کی ہے۔ دوسروں کی تالیفات بھی زیر بحث آتی ہیں اور یہی وہ کتب خانہ ہے جس میں معرفت حقیقی کے طریقہ کتاب کی تہ کو سہجیا اور اس حقیقت سے واقف ہوا کہ وہ ایسی جستجو ہے جس کی انتہا نہیں جس کی ابتدا چل ہے۔ جسے انکار و فروتنی، استقلال بخشتے ہیں جس سے بڑھ کر فکر انگیز اور نشاط آور دنیا میں کوئی شے نہیں۔

یہاں تک تو میں نے اپنے عزیز اور فاضل دوست ڈاکٹر ربربی کے مقالہ سے استفادہ کیا ہے میری ان کی رائے ڈاکٹر نکلسن کے بارے میں میرے کیمبرج کے دورِ قیام میں یک ہی ہوتی تھی اب بھی میں ان کی تحریر کے حرف حرف سے اتفاق کرتا ہوں۔ اس سے نہیں کہ یہ کہنا باغیہ نہ ہوگا ڈاکٹر ربربی کی بدولت میری کیمبرج کی زندگی ایسی خوشگوار رہی کہ اس کی یاد میرے دل سے کبھی فراموش نہ ہوگی اور اسکی وجہ سے میں ہمیشہ متمنی رہوں گا کہ انھیں ہمراہ لے کر ان کے کلج یعنی پہرہ کلج کا کالج کوئینز کالج میں دو چار مرتبہ ضرور چکر لگا آؤں۔ خود ڈاکٹر ربربی کا انکار ڈاکٹر نکلسن کے انکار و فروتنی اور تواضع کا آئینہ دار ہے۔ السنہ شرقیہ کے مطالعہ سے بہرہ ور ہو کر ان حضرات نے بعض شرقی خصائص کو اپنی ذات کا لازمہ بنا کر ہمارے کلچر سے محبت کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب میں پہلی مرتبہ پروفیسر بیون کی خدمت میں ایک روز شام کو حاضر ہوا تو رخصت کے وقت باوجود اپنے علم و فضل اور عفت استاد ہونے کے پروفیسر بیون آہنجانی، زراہ اخلاق میرے ساتھ بطور شایعت اپنے کمرے کے باہر تک تشریف لائے میرا اصرار تھا کہ وہ یہ رحمت نہ فرمائیں ادھر وہ ہیں کہ برابر میرے ساتھ کام فرما ہیں۔ جب ان سے رخصت ہوئے تو میں نے ڈاکٹر ربربی سے دریافت کیا کہ آیا بیون صاحب ہی طریقہ سب کے ساتھ سلوک رکھتے ہیں تب میں ان سے نفی میں جواب پایا تو مجھے بے حد شرمندگی ہوئی کہ ایسے مسن اور صاحب فضل و کمال بزرگ کو یہی وجہ سے یہ رحمت اٹھانی پڑی چنانچہ آئندہ کے لئے میں نے عزم مصمم کر لیا کہ اب پروفیسر صاحب کی خدمت میں ہفتہ یا آوار کی شام کی حاضری ایک طرح کا ستم ہے جس کا تم میں نہیں ہو سکتا۔

مگر یہ بات ہر ہفتہ ڈاکٹر نکلسن سے ظہور میں آتی رہتی تھی کیونکہ میں ان کی خدمت میں ہفتہ میں ایک روز ضرور جاتا تھا۔ وہ وہاں ان کو اپنا کام دکھا کر اس پر بحث کر کے جب رخصت ہوتا تھا تو ناممکن تھا کہ وہ مشایعت نہ کریں چنانچہ جب میں اس کا عادی ہو گیا تو اپنی شرمندگی کا حس بھی رفتہ رفتہ کم ہو گیا، لیکن ایک شرمندگی ہے جو مدتِ احمد فراموش نہ ہوگی، ایک مرتبہ ڈاکٹر نکلسن نے یونیورسٹی لائبریری سے اپنے نام سے ایک کتاب لے کر مجھے دی، میرے عاقلانہ نے وہاں جو جو گل کھلائے ان میں ایک یہ شاہکار بھی ہے کہ میں کتاب واپس کرنا بھول گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لائبریری کے قاعدے کے مطابق کتاب لینے والے کو جرمانہ ادا کرنا پڑا۔ جب میں اس کا علم ہوا تو میں نے ہزار منت سماجت کی اور التماس کیا کہ اب جو تلافی میرے ہاتھ میں ہے، میں ہارج نہ ہوں لیکن ڈاکٹر صاحب کی کی پتے تھے ہرگز رضامند نہ ہوئے کہ جرمانہ کی رقم جو انھوں نے ادا کی تھی قبول کریں۔

بعض لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ وہ کاروبار میں دیانت کو ملحوظ رکھتے ہیں مگر ادبی اور صحافتی امور میں اس کے خلاف ورزی کرنا جائز بلکہ شہیاد سے بھی زیادہ حلال سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک مستشرق کا مسلک تو یہ تھا کہ ایک دفعہ ان کے ذہن میں ایک خیال آجائے حق و انصاف کو نظر انداز کر کے وہ اس مضبوطی سے اس پر جھپٹتے اور اس کی صحت کے ثبوت ہم پہچانے میں کوشاں ہوتے تھے کہ بائبل شاید لیکن ڈاکٹر نکلسن کا طریقہ ان سے بالکل مختلف تھا جس فن یا علم کی شاخ سے وہ واقف ہوتے اس کے متعلق کبھی انھوں نے واقفیت کا ثہار نہیں کیا، میں نے جب عبد الرحیم خان خاناں پر مقالہ لکھنے کا فیصلہ ان کی خدمت میں پیش کیا تو انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ واقعات اور اعداد و شمار کی صحت کے ذمہ دار تم خود ہو گے، فنی اعتبار سے مدد کرنے کے لئے میں حاضر ہوں۔ معلوم نہیں ان کی نشریات کو کتنے فرد نے غور سے دیکھا ہے کیونکہ ان میں صحت نامہ بھی بالعموم ساتھ لگا رہتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ جو غلطی کتاب چھپنے کے بعد آخر وقت میں بھی ان کو نظر آگئی، صحت نامہ بنا کر اس میں درج کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی صحت کا جذبہ ہے جس کی بدولت کیمبرج سائنس اور ریاضی کی تعلیم کے لئے مشہور ہے اور یہی صحت ہے جو کیمبرج کے درو دیوار سے رونما ہے۔

ڈاکٹر آربری نے ڈاکٹر نکلسن کے ایک وصف پر روشنی نہیں ڈالی، یعنی ان کی مذہبی گفتگو بحث سے گریز کو واضح نہیں فرمایا۔ میں نے خود اس بات کا احساس کیا اور تصدیق اس کی ڈاکٹر آربری نے رائی۔ اسی طرح کہیں انھوں نے اپنے بچوں کا بھی ذکر نہیں کیا۔ مذہبی گفتگو سے تو وہ ہمیشہ علیحدہ رہتے تھے لیکن جس بات سے معلومات میں اضافہ ہوتا تھا اس کے پوچھنے میں وہ چنداں تکلف نہیں کرتے تھے، سرور یافت کرتے تھے تو حد درجہ جھجک کے ساتھ، چنانچہ ایک مرتبہ تصوف پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک ہندوستانی صاحب نے محض ان کی اطلاع کے لئے ظاہر کر دیا کہ وہ ایک سلسلہ میں منسلک ہیں یہ سن کر ڈاکٹر صاحب نے بہت بے تابی کے ساتھ جھجک جھجک کر استفسار کیا کہ آپ کے ہاں شغل و تعلیم کیا ہے۔ مگر یہاں یہ صاحب مجبور تھے بہت تاسف کے ساتھ معذرت کی اور عدم ظہار کی اجازت چاہی چنانچہ معاملہ رفت گذشت ہو گیا، جہاں تک مجھے معلوم ہے ان صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے درمیان پھر اس موضوع پر گفتگو نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب تو شرم و حیل کے چلے تھے ہی ان کی اہلیہ محترمہ اس بات میں ان سے بھی بڑھ کر تھیں۔ چنانچہ جب کسی وہ باہر جیتی پھرتی نظر آتی تھیں تو اکثر یہی شاہدہ میں تاقہ کہ ن کی نظر زمین پر پڑی ہوتی ہے۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی پردہ نشین ہندوستانی خاتون ہے جو کسی سخت مجبوری کے ہاتھوں پردے سے باہر نکل آئی ہے اور اپنے ماحول سے حد درجہ پریشان ہے کسی نے از روہ خدق سلام بھی کیا تو ادھر سے جواب نہ ارد۔ بعض لوگ گمان کریں گے کہ متکبر ہوں گی جواب نہیں دیا۔ لیکن نفاق ہے کہ جو ان سے ملا اور واقف ہو چکا ہے وہ کیسے تکبر کا قائل ہو سکتا ہے اس معاملہ میں ڈاکٹر نکلسن بھی ان کے قدم بقدم تھے، یا یوں کہئے کہ ن سے بڑھ کر لوگ ٹوپی ٹھا کر سلام کرتے ہیں ور یہ میں کہ اپنے خیال میں غرق۔

پطرس البستانی

از جناب مولوی حافظ رشید احمد صاحب ارشد۔ ایم۔ اے

معلم پطرس البستانی کا نام انیسویں صدی کے عربی ادب میں ہمیشہ زندہ جاوید رہے گا۔ اور عربی ممالک اور بالخصوص علاقہ شام میں ان کی قومی اور علمی خدمات اتنی بڑی اور رہنماؤں کے سے ہمیشہ مشعل رہے نہیں گی۔ وہ عربی ممالک کے سرسید و شبلی تھے جنہیں مختلف تعلیمی، علمی، ادبی اور معاشرتی تحریکات کی بنیاد ڈالنے کا فخر حاصل ہے۔ انہوں نے مشرق و مغرب علوم کے بہترین ثمرات سے اپنی قوم کو لطف اندوز بنایا۔ اور سب سے پہلے عربی صحافت کی بنیاد ڈالی۔ موجودہ زمانے میں شام اور بیروت میں جو علمی چرچے، درمختلفات دیہوں اور فضا کی طرف سے جو قابل قدر کتابیں شائع ہو رہی ہیں ان سب کا سرچشمہ پطرس البستانی تھے جنہوں نے مختلف علمی انجمنوں اور علمی و ادبی تصانیف کے ذریعے وہ علمی بیداری پیدا کی جس کی وجہ سے عربی زبان اور لٹریچر مغربی زبانوں کے ہم پلہ ہو گیا اور بیروت کا نام چار دانگ عالم میں مشہور ہوا۔

پطرس البستانی پہلے شخص تھے جنہوں نے اس دورِ تنزل میں سب سے پہلے عربی انسائیکلو پیڈیا کو ترتیب دینے کا کام اپنے ذمے لیا۔ اور تنہا عربی "دائرة المعارف" کی کئی ضخیم جلدیں شائع کیں نیز عربی زبان کی جدید طرز پر نہایت آسان اور جامع ڈکشنری تحریر کی۔

اگر ایک طرف ان کے قابل قدر علمی کارنامے ہیں تو دوسری طرف ان کے تعلیمی، قومی اور معاشرتی کارنامے بھی کم، ہیئت نہیں رکھتے تعلیم نسوان کی حمایت میں انہوں نے اس وقت آواز بلند کی جب عورتوں کی حمایت میں کچھ کہنے والے سمجھا جاتا تھا۔ غلہ وہ ازیں انہوں نے سرسید کی طرح اعلیٰ درجہ کا تعلیمی، ادبی اور بھی قائم کیا جو دیگر مدارس کے لئے قابل رشک نمونہ ثابت ہوا۔

پطرس، شبلی کی طرح کثیر تصانیف کے مالک تھے، تاریخی مضامین پر محققانہ نظر رکھتے تھے اور انھوں نے "فتاویٰ اعلم" ہونے کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔

ایسی حالت میں یہ بیجا نہ ہوگا۔ اگر ہم ایسی اعلیٰ شخصیت کے مختصر سوانح حیات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کریں۔ ہمیں امید ہے کہ ان کے حالات ہمارے علمی اور ادبی حلقے کے لئے قابلِ تقلید ہوں گے اور انھیں عزم و عمل کی دعوت دیں گے۔

ابتدائی حالات | معلم پطرس بستانی، جنوبی بستان کے بستانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ان کے مورث اعلیٰ کے پاس ایک بڑا باغ تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ بستانی کہلانے لگے تھے۔ پطرس کے باپ رومن کیتھولک عیسائی تھے، اور پطرس دہرے کے گاؤں میں ششہ میں پیدا ہوئے۔ اور اسی گاؤں کے ایک مدرسہ میں مشہور معلم انخوری فیچا بستانی کی زیر نگرانی تعلیم پانے لگے۔ انھوں نے حسب دستور عربی اور قدیم سریانی زبان کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ و بہت جلد اس مدرسہ میں قابلِ تدریس کو دو ہونہار شاگرد ایسے نظر آئے، جن میں ترقی کرنے کے پورے امکانات موجود تھے۔ ان میں سے ایک پطرس بستانی تھے، جب ان دونوں ہونہار طالب علموں نے گاؤں کے ابتدائی مدرسے کی تعلیم مکمل کرنی تو استاد موصوف نے شام کے علاقہ صورو (حیدر) کے رات پادری عبداللہ بستانی کے پاس ان کی سفارش لکھ بھیجی، تاکہ عیسائی مشن کی طرف سے انھیں نئی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع عطا کئے جائیں۔ چنانچہ ان کی یہ کوشش بار آور ثابت ہوئی، وہ یہ طالب علم مین درقہ کے ہائی سکول میں داخل کر لئے گئے۔ **تعلیم و تدریس** | اس اسکول میں پطرس نے عربی صرف و نحو، عروض، و علم بیان کے ساتھ ساتھ تاریخ، جغرافیہ، حساب اور عیسائی دینیات کی تعلیم بھی حاصل کی، رومن کیتھولک کلیسا کا مدرسہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے لاطینی، سریانی اور طاوی زبانیں بھی سیکھیں۔ اس طرح وہ مشرقی اور مغربی علوم کے فاضل بن گئے چونکہ ان مدرس کا سب سے بڑا مقصد عیسائی مبلغ و پادری بنانا ہوتا تھا۔ اس لئے رومن کیتھولک کلیسا کے طریقے کے مطابق مزید مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کلیسا نے ان دونوں ہونہار طالب علموں کو اٹلی کے دار الحکومت اور پاپائے روم کے مستقر روم

میں بھیجے کا ردہ کیا۔ پطرس کا ساتھی شبلی توروم چلا گیا اور وہاں سے آنے پر کلیسا کا مشہور پیشوا بن گیا۔ مگر پطرس کی قسمت میں دنیا کے علم و ادب کی سرداری لکھی تھی۔ اس لئے وہ روم نہیں جاسکے۔ کیونکہ ان کی والدہ کو ان کی مفارقت گوارہ نہ تھی۔ لہذا وہ عین ورقہ کے مدرسہ میں مسند تعلیم و تدریس پر سرفراز ہوئے اور وہاں یہ سلسلہ ۱۸۴۳ء تک قائم رہا۔

بیروت میں ترجمان | سن ۱۸۴۰ء کا سال شام کے لئے نہایت پریشان کن سال تھا۔ اس زمانے میں مغربی طاقتوں کے جہاز سو محل لبنان پر منڈانے شروع ہو گئے تھے۔ اور خاص کر برطانیہ، سٹریا اور جرمنی کے جہازوں کی آمد و رفت بکثرت ہونے لگی تھی۔ بیروت لبنان کی زبردست بندرگاہ تھی۔ اور انگریزوں کی کافی تعداد تجارتی غرض کے لئے وہاں قیام پذیر ہو گئی تھی۔ چنانچہ انھوں نے پطرس کو اپنا ترجمان مقرر کر لیا اور اس طریقے سے ان کا ربط و ضبط انگریزوں سے بڑھ گیا۔ اور انھیں انگریزی زبان کو بآسانی سیکھنے کا موقع مل گیا۔

امریکن مشن سے تعلق | اس عرصہ میں پروٹسٹنٹ فرقہ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے امریکن مشنری بھی آ پہنچے۔ اس سے پیشتر شام و فلسطین کے مسیحائی زیادہ تر رومن کیتھولک کے کلیسا سے تعلق رکھتے تھے اور خود پطرس بھی اس فرقہ کے پیرو تھے مگر چونکہ اس مشنری گروہ میں کئی فضل اور مشرقی ادب کے دلدادہ اشخاص بھی شامل تھے۔ اس بنا پر بہت جلد انھوں نے پطرس کو اپنے زمرہ میں شامل کر لیا۔ پطرس بھی ایک سزاوار اور روشن خیال عیب نئی تھے۔ اس لئے پروٹسٹنٹ فرقہ کے پیرو بن گئے۔

ان لوگوں میں ڈاکٹر رینیوس وائٹیک کی شخصیت اپنے اندر ایسی مقناطیسی کشش رکھتی تھی کہ بہت جلد انھوں نے پطرس کو پناہ فریضہ بنالیا۔ درحقیقت ڈاکٹر وائٹیک ایک بڑے قبل مستشرق اور فتنہ شخصیت نشان تھے۔ پطرس کے ساتھ ان کی مخصوص دوستی کی ابتداء اسی عرصہ میں ہوئی۔ مگر فنا و محبت کا یہ بپہن محکم تھا جو تمام عمر ستوار رہا۔ اور اس میں کبھی شکست و ریخت نہیں ہوئی۔

سن ۱۸۴۵ء میں ڈاکٹر رینیوس وائٹیک نے عبیہ کے مقام پر ایک اعلیٰ قسم کا مدرسہ قائم کیا اور وہاں تعلیم دینے کے لئے پطرس کو بلا لیا۔ پطرس نے اس مدرسہ میں دوسرا تعلیم دی۔ اس عرصہ میں انھوں نے

ہم حساب میں ایسی جامع کتاب تحریر کی جو قدیم و جدید تمام حسابی قاعدوں پر حاوی تھی اور اس قدر مقبول
 ہوئی کہ تمام مدارس میں داخل نصاب ہوئی۔ اسی زمانے میں ان کا فرزند کبر سیم ستانی پیدا ہوا، جون کے
 خزانے میں ان کے علمی مشاغل اور صحافت نگاری میں ان کا زبردست معاون بنا۔

صد جی تحریکات | سنہ ۱۸۸۸ء میں پطرس ستانی بیروت میں امریکن سفارت خانے کے مترجم مقرر ہوئے
 اور سنہ ۱۸۹۶ء تک اسی خدمت پر فائز رہے۔ اس اثنا میں انھوں نے مختلف قومی اور علمی انجمنوں میں کام
 کیا۔ اور مختلف جہوں میں صلاحی و معاشرتی سیکرڈری۔ اس زمانہ میں تعصب و رہا ہی نفاق
 کا خدشہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ پطرس جیسے شریف دل نے محسوس کیا کہ عوام کی اخلاقی تربیت
 یورن کی اصلاح کے لئے جدوجہد کرتا وقت کی ہم ضرورت ہے۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل
 کے لئے تقاریر اور تصانیف کے علاوہ انھوں نے اخبارت سے بھی کام لیا۔

علمی مشاغل | سنہ ۱۸۹۶ء کے بعد انھوں نے ایک اخبار "نفیہ سوریا" جاری کیا۔ وہ انہیں کے عربی ترجمہ
 میں ڈکٹریٹ کی سند کی اعانت کی، ان کے آخری سال ان کی عمر کا پیش قیمت حصہ تھے، کیونکہ
 طبی رموز میں انھوں نے وہ علمی کارنامے سرانجام دیئے جو سینچوں کی یادگار ہیں۔ اس
 زمانہ میں انھوں نے ایک قومی سکول بھی قائم کیا۔

پطرس ساری عمر طالع علم رہے، غیہ ملکی زبانوں و مختلف علوم و فنون کا مہر و جان کا
 محبوب مشغلہ رہا تھا۔ آخر میں بھی انھوں نے یونانی و عربی میں جدید و کچھن زبانیں سیکھیں
 ان کا انتقال سنہ ۱۸۹۸ء میں حرکت قلب بند ہونے سے ہو کر ان کی موت شام ویرستان کے علمی حلقے
 میں ایک ناقابل تلافی نقصان ثابت ہوئی اور تمام قوم نے بدی نہ مذہب و ملت یہ محسوس کیا کہ ان کا
 بد و عزیز "قائد علمی" دنیا سے رخصت ہو گیا۔ جنازے پر ہزاروں کا ہجوم تھا۔ تمام کے
 راستے پر منظرہ انجیہ میں ان کو دفن کیا گیا۔

صد سالہ برسی | پطرس اب ستانی شام کے وہ واحد ہندو پیادہ عالم تھے جن کی صدمہ برسی بد و عربیہ
 مگر تمام عالم اور اوراد سوار کی طرف سے منائی گئی کیونکہ اس شخص پر جس کی بتدار مشہور عربی

مورخ نقولا باز نے کی تھی۔ تمام ۶ بی اخبارات اور ادبائے صدائے لبیک بلند کی تھی اور ۱۹۱۹ء میں مرکن کالج بیروت کے ہال میں ان کی صد سالہ برسی منانے کے لئے ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں شہر کے لوگوں کے علاوہ ۶۵ بڑے بڑے عالم اور ادیب شریک تھے جن میں عرب کی ۹ ادیب خواتین بھی شامل تھیں۔ ان سب فاضلوں نے اپنی تقریر میں انیسویں صدی میں شام کے اس علمی قائد کے علمی کارناموں کی داد دی۔

خلاق و عادات | معلم بطرس بستانی کہ بوں کے عاشق زار تھے۔ انھیں علم کا اس قدر شوق تھا کہ ان کے دوست جب ان سے ملنے کے لئے آتے تھے تو ہمیشہ وہ انھیں اپنے کتب خانہ میں کتابوں اور ورق کے انبار کے نیچے دب ہوئے پاتے تھے۔ علم کی محبت میں وہ ہر چیز کو قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ محبت و مستقل مزاجی ان کے خدق و عادت کی دو نمایاں خصوصیات تھیں جو کام وہ شروع کرتے تھے اسے کر کے چھوڑتے تھے۔ وطن کی محبت اور خدمت کو انھوں نے اپنا شیوہ زندگی بنالیا تھا۔ وہ اپنی قوم اور وطن کے سچے و مخلص خادم تھے۔ سادگی، کفایت شعاری، تواضع، حلم و بردباری اور خوش خلقی نے انہیں وطن میں بہ دلہنیز و راسوخ بنادیا تھا۔ یہی وصف کی بنا پر وہ ہر ایک کو نیک مشورہ دیتے تھے ان کا دل نہ ہی تعصب سے بالکل پاک و صاف تھا۔ اس وجہ سے وہ بلا کسی طائفہ و فرقہ اپنے ہم وطنوں کی خدمت و رجحان میں کوشش کرتے۔

قومی مدرسہ کی بنیاد | بطرس چونکہ خود بند خدق اور عمدہ کیہ کٹر کے مالک تھے۔ اس لئے یہی جذبہ وہ اپنے قومی مدرسہ کے طالب علموں میں بیدار کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ہفتہ میں دو مرتبہ صرف "خلاق و عادات" پر یکایک دسے تھے ورنہ کی خدائی گزرتی کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے مدرسہ میں مالک مصر ترکی، یونان، آفریقہ و مشرق وسطیٰ کے طلبہ آتے تھے۔ یہاں عربی کے علاوہ انگریزی اور فرانسیسی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ حکومت کے معزز عہدہ دار اس قومی سکول کا موائنہ کرنے کے لئے آتے تھے چنانچہ خدفت عثمانیہ کی طرف سے ان کی اس حسن خدمات پر انھیں ایک تمغہ بھی عطا ہوا تھا۔ یہاں کے

کچھ غور و خفا کے ساتھ اس علم و ادب کے عالم کی یاد میں

جواہر رسائل | پطرس نے جو اخبارات و رسائل شائع کئے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) نفیر سوریا۔ یہ دو صفحوں کا چھوٹا سا اخبار تھا جو ۱۸۶۵ء میں جاری ہوا۔ مگر اس پر بیان کن دور

میں اس کے تیرہ نمبر ہی شائع ہوئے تھے کہ یہ بند ہو گیا۔

(۲) الجحنان۔ اس نام سے سیاسی علمی ادبی اور تاریخی پندرہ روزہ ۱۸۶۵ء صفحات میں ۱۸۶۵ء میں شائع

ہونا شروع ہوا۔ اس کے سرورق پڑھنا وطن من، ایمان، نگہار تھا۔ یہ رسالہ بہت مقبول ہوا۔ اور اس کی اشاعت بہت زیادہ ہو گئی۔ اس رسالہ کے کثر مضامین بن کے بڑے صاحبزادے معلم سلیم کے زور قلم کا نتیجہ ہوتے تھے اس رسالہ میں عوام کی دلچسپی کے لئے ایک مسلسل کہانی بھی شائع ہوتی تھی۔

(۳) الجحنت۔ یہ ہفتہ وار اخبار پطرس نے ۱۸۶۵ء میں اپنے بیٹے سلیم کی معاونت میں "نفیر سوریا" کے

بند ہونے کے بعد شائع کیا۔ جس میں زیادہ تر سیاسی و تجارتی خبریں ہوتی تھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد اسے سہ روزہ کر لیا گیا۔ پطرس کی وفات کے بعد کئی سال تک اس اخبار کو ان کے بیٹے سلیم، در نجیب نکالتے رہے۔

(۴) الجندیۃ۔ اس نام سے انھوں نے ایک روزہ اخبار ۱۸۶۵ء میں جاری کیا۔ یہ ہفتہ میں چار مرتبہ شائع

ہوتا تھا۔

تصنیفات | (۱) سب سے پہلے انھوں نے ڈاکٹر علی اسٹنہ کے ساتھ مل کر رورت ایپل کے ایک بڑے حصے

کا عربی میں ترجمہ کیا۔

(۲) دو تین کتابیں صرف و نحو میں تحریر کیں جن میں عربی گرامر کے طویل مسائل کو نہایت آسان و مختصر

طریق سے طلباء کو ذہن نشین کرایا گیا تھا۔

(۳) محیط المحيط کے نام سے ایک عربی لغات ۱۸۶۵ء میں دو جلدوں میں شائع کی۔ اس لغت کی ترتیب

حروف تہجی پر حروف اول کے لحاظ سے کی گئی تھی۔ اس میں علوم و فنون کی اصطلاحات معربہ و مروجہ عربی لغات

کی تشریح بھی کی گئی تھی۔ عوام کے الفاظ و علمی اصطلاحات کے الفاظ دونوں نہایت کثیر تعداد میں جمع کئے گئے

تھے اور ان سب الفاظ کی تشریح نہایت آسان عبارت میں کی گئی تھی۔

اپنی نمایاں خصوصیات اور امتیازی شان کی وجہ سے خلافت عثمانیہ کی طرف سے مولف کو

مجیدی تمغہ اور ڈھائی سو مجیدی پوٹر بطور اعزاز و انعام عطا ہوئے تھے۔

(۳) قطر المحيط کے نام سے بڑی ڈکٹری کا اختصار بھی خود انھوں نے کیا تھا۔

(۵) دیوان متنبی کی شرت۔

(۶) کشف الحجاب فی علم الحساب کے نام سے انھوں نے حساب کے قاعدوں پر ایک نہایت مکمل اور جامع کتاب تحریر کی جو تمام تعلیمی مدارس میں بہت مقبول ہوئی۔

(۷) سی طرح بک کتب پر بی عربی زبان میں انھوں نے ایک کتب تحریر کی۔

(۸) رہن کر و سو کا سفر نامہ۔ اس کا انگریزی سے عربی میں ترجمہ مصنف اور مولف ہونے کے ساتھ ساتھ

پطرس افسانہ ایک زبردست خطیب اور لکچرار بھی تھے۔

عربی انٹیکلو پیڈیا | پطرس کا سب سے بڑا کارنامہ عربی انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب و تالیف ہے، اس زمانے میں جبکہ انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب و تالیف کا کام خود یورپ میں بھی ابتدائی حالت میں تھا۔ وہاں کی زرق و برق زبانیں بھی اس سے خالی تھیں۔ پطرس کا عربی زبان میں درجۃ المعارف کی ضخیم جلدیں شائع کرنا نہایت دیرینہ کام تھا۔ انھوں نے یہ کام اس وقت شروع کیا جبکہ بدوۃ بیہ رجحانت و بار و انحطاط کی سیاہ گتہاں چھائی تھیں اور کوئی شخص ان کا ہاتھ بٹانے والا نہ تھا۔ چنانچہ اس عظیم الشان کام میں انھیں صرف اپنے سہیل سیم سمین و دوسرے چند ذہینوں کی اعانت حاصل ہوئی مگر انھوں نے ہمت نہ ہاری بلکہ

اس کے ادب و تربیب و تکریم میں اس کا ہاتھ شائع کیا۔ اس کے بعد ہر سال آٹھ سو صفحات کی ایک حصہ شائع ہوتی رہی۔ مگر فوس نہ وہ جس سے ہی شائع کرنے پائے تھے کہ ان کی زندگی کا چرخ گل ہو گیا وہ یہ کام ادھور رہ گیا۔

ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں نے اس کام کو یا تو تکمیل تک پہنچا نہ چاہا۔ درجۃ المعارف تک اس کے گیارہ حصے شائع کر دیئے گئے تھے۔ لیکن ان لوگوں کی وفات کے بعد کوئی حصہ شائع نہیں ہو سکا چنانچہ اب یہ کوشش ناتمام اس زبردست ادیب کی یادگار بن کر رہ گئی۔ مگر عربی ادب میں اس کے کارنامے مکمل اور غیر قافی رہیں گے۔

ادبیت

نغمہ توحید

از جناب ماہر نقادری صبا

دعاے شام و سحر لا الہ الا اللہ یہی ہے زادِ سفر لا الہ الا اللہ
سکونِ قلب و جگر لا الہ الا اللہ کمالِ فکر و نظر لا الہ الا اللہ
نہ کہکشاں نہ قمر لا الہ الا اللہ نہ کچھ اُدھر نہ اُدھر لا الہ الا اللہ
تمام باتیں باطل ہیں صرف اک اسدہم یہی ہے راہِ بگذر لا الہ الا اللہ
اسی میں دولتِ دنیا ہی ہے دولتِ دین متاعِ اہلِ خیر لا الہ الا اللہ
ملا رہا ہوں نگاہیں میں کج نظر ہوں سے نہ خوف ہے نہ خطر لا الہ الا اللہ

بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں کہ شیخ کے

فدا بھی دیر نہ کر لا الہ الا اللہ

ویا حبیب

از جناب مید و زحرین صاحب عابدی، ایم اے

میں جہاں رہ نور ہوں اے دوست نہ زمیں ہے نہ آسمان ہے وہاں
قطعِ منزل نمودِ منزل ہے کرواں پیشِ کاروں ہے وہاں
اک جہاں ہے جہانِ لا محدود اک فضا ہے کہ بیکراں ہے وہاں
خیرہ کن ہیں فضا کے نظارے خیرگی دل کی رازواں ہے وہاں
موجِ حیرت نگاہ لب خاموش خامشی حکیم جاوداں ہے وہاں

ہاں مگر میرا رواں کی صدا
یہ صدا اس افق سے آتی ہے
یہ صدا ہے حیات کی تفسیر
اک صد ہے صدائے گوشِ بگوش
دفترِ کائناتِ گونا گوں
ہر نفس شرحِ زندگانی ہے
زندگی اپنے حسنِ جلوت میں
رونقِ بزمِ دوستان ہے وہاں

یہ صدا جانِ کارواں ہے وہاں
جو باقصائے این و آن ہے وہاں
یہ صدا شرحِ دو جہاں ہے وہاں
مخملِ ہوش یک زباں ہے وہاں
ایک مربوطِ داستان ہے وہاں
زندگی ہر نفسِ جواں ہے وہاں
رونقِ بزمِ دوستان ہے وہاں

بزم میں کہکشاں کی کیفیت
ہر تارے میں کیفِ حسنِ محسوس
سب تارے قدمِ قدمِ آزاد
سب تارے روشِ روشنِ مجبور
سب نمودِ کمال کے پابند
ان کی رفتار میں دوامِ خرام
ہر قدم مست، ہر قدم ہشیار
ان کی رفتار میں کمالِ روش
میر مجلسِ امین رازِ وجود
مالکِ شش جہاتِ حاکمِ کل
سندِ رنے شانِ درویشی
نگہِ تہری حبلِ آثار
چشمِ مخمورِ رحمتِ آمادہ

حسن و الفت کی زندگی یعنی
دلکشی اور سادگی یعنی
حسنِ تنظیمِ زندگی یعنی
پاسِ آدابِ رہروی یعنی
بندگی اور سروری یعنی
شوق کی سعیِ دائمی یعنی
جذبِ ہمدوشِ آگہی یعنی
سارے عالم کی رہبری یعنی
بندہ اور شانِ ایندوی یعنی
سر پہ تاجِ شہنشاہی یعنی
فقر و فاقہ کی زندگی یعنی
برقِ جانِ ستگاری یعنی
سلیبی و کوثری یعنی

تبصرے

جو جعفر منصور | از مولوی ابو لقاسم صاحب رفیق دلاوری تقطیع خورد ضخامت ۱۵ صفحات طباعت

ابت بہتر قیمت ہے جلد نمبر ۱۰۰ اقبال اکاڈمی ظفر منزل تان پورہ لاہور۔

خلافتِ نبی عس کا موسس اور پہلا خلیفہ ابو العباس سفاح تھا جو تقریباً پانچ سال تک حکمرانی کرنے کے بعد وفات پا گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا۔ یہ بڑی آن بان اور بزرگ حشام کا فرما نروا تھا۔ سیاسی تدبیر کے ساتھ علم و فضل کی دولت سے بھی بہہ یاب تھا۔ اسی نے بغداد آباد کیا۔ اور سیاسی فتوحات کے ساتھ بہت سے علمی تہذیبی اور تمدنی کارنامے بھی کئے۔ اس اعتبار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابو جعفر منصور ہی سب سے پہلا خلیفہ ہے جس نے خلافتِ نبی عباس کو استحکام بخشا اور اسے عالم اسلام کا سب سے بڑا سیاسی اور تمدنی مرکز بنایا۔ ان خوبیوں کے ساتھ اس کا دامن بعض بے گناہوں کے خون اور جبر و تشدد کے دہوں سے بھی خاں نہیں ہے۔ رقی موصوف نے اس کتاب میں ششستہ اور پاکیزہ زبان میں اسی خلیفہ کے حالات و کارنامے مستند حوالوں سے لکھے ہیں اور بعض نازک موقع پر بھی ان کا قلم جادہ اعتدال سے نہیں ہٹنے پایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | از مولوی محمد بوب صاحب صدیقی تقطیع خورد ضخامت ۱۲۸ صفحات

کتابت و طباعت متوسط قیمت عہدہ بر موقر المصنفین کو چہ چیزیں بیت سعید دہلی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سونچے طیبہ اور غزوات و اخلاق و مکارم کا تذکرہ بہت ہی اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ زبان عام فہم اور سلیس ہے۔ رد و قعات مستند اور صحیح ہیں۔

از مولوی محمد بوب صاحب صدیقی تقطیع خورد ضخامت ۸۶ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۰۰

پتہ ۱۔ دارۃ ادبیات حیدرآباد دکن۔

مولف نے یہ کتاب گفتگو کے مذا میں بچوں کے لئے لکھی ہے جس میں انھیں پہلے حیدرآباد کے جغرافیہ سے متعلق موٹی موٹی باتیں بتائی ہیں۔ پھر یہاں کی مختصر تاریخ بیان کرنے کے بعد موجودہ حیدرآباد کی صنعتوں، پیشوں، زبانوں، رہن سہن کے طریقوں، حکومت کا نظام اور اس کے کارناموں وغیرہ کی نسبت موٹی موٹی باتوں کا ذکر کیا ہے۔ عام درجہ کی واقفیت کے لئے یہ کتاب مفید اور دلچسپ ہے۔

المنبہات علی الاستعداد لیوم المعاد | تقطیع خورد ضخامت ۵۱ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت عمدہ رتبہ۔ اقبال اکاڈمی خفہ منہاں تاجپورہ لاہور۔

یہ کتاب یک طرح کی عربی ریڈر ہے جو علامہ ابن حجر مہشی کی تالیف ہے۔ اس میں مختلف باب ہیں اور ہر باب میں متعدد نصیحت آموز قویہ نبویہ۔ صحابہ کرم۔ بزرگان اسلام و حکما کے مقولے ہیں۔ یہ کتاب خذقی اور ادبی دونوں جہتوں سے اس قدر قیمتی ہے کہ ہمارے مدرس اور اسکولوں کے ابتدائی نصاب عربی میں اس کو شامل کیا جائے۔

نصرت دین اصلاح مسلمین کی ایک کوشش | از مولانا محمد منظور نعمانی تقطیع خورد ضخامت ۸۸ صفحات۔ قیمت ۸۔

ایک اہم دینی دعوت | از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ تقطیع خورد ضخامت ۸۸ صفحات قیمت ۸۔ دونوں کتابوں کے لئے گائیڈ۔ مکتبہ اشفاق بریلی۔

یہ دونوں کتابیں ”جیدہ مصنفین کے قلم سے ہیں۔ لیکن ان کا موضوع بحث اور انداز بیان واسطیہ قریب قریب یکساں ہی ہے۔ ان میں مولانا محمد عباس صاحب کا یہ صلیوی حجتہ، اللہ علیہ کی مشہور تحریک اصلاح و تبلیغ کے جدت و ندرت کی اہمیت و ضرورت کو خوب دہرایا۔ مروجہ کے قوال و کادات اور عہد نبوی کے نظام تلقین و تربیت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اور باب مباحثیت و استیلائے حضرت سے پہلے کی گئی ہے کہ وہ اس تحریک کی اہمیت اور فادیت کو پورے طور پر محسوس کرے اس میں شامل ہوں اور اس کی مدد کر کے عذاب اللہ و ثواب کے مستحق قرار پائیں۔ میری ہے کہ ان کا مطالعہ بہت سے بے خبر مسلمانوں کے لئے نعمت و نصرت کا سبب ہو گا۔

پہلے حصہ میں غرضِ عمدہ و قیمتِ عمدہ ہے۔
 اسلام کا فلسفہ کی تمام وقت کی اہم ترین کتاب
 جس میں اسلام کے نظامِ اقتصادی کا مکمل نقشہ
 بیان و مکمل قیمتِ عمدہ مجلد ہر

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ حلیم و تربیت جہاں
 قیمتِ عمدہ مجلد ہر

خلافتِ راشدہ و تاریخِ مملکت کا دورِ احسن جس میں
 مجاہدین نے مسلمانوں کے تہذیبی و فکری و اخلاقیات
 پرست و جوہر کے ساتھ بیان کیے ہیں
 نجات سے زینہ ہے

پانچواں حصہ تاریخ و روایات ہے

مختصر و مکمل خلاصہ قرآن مجید و احادیث
 چھ حصے میں کتابِ پانچواں

تمام کتب کے ساتھ ساتھ کتب کا مجموعہ ہے

یہ سب کتب مسلمانوں کے لیے ہیں

تمام کتب کی قیمتیں درج ہیں
 تمام کتب کی قیمتیں درج ہیں

تمام کتب کی قیمتیں درج ہیں
 تمام کتب کی قیمتیں درج ہیں

تمام کتب کی قیمتیں درج ہیں
 تمام کتب کی قیمتیں درج ہیں

تمام کتب کی قیمتیں درج ہیں
 تمام کتب کی قیمتیں درج ہیں

تمام کتب کی قیمتیں درج ہیں
 تمام کتب کی قیمتیں درج ہیں

نیچر پبلیکیشنز دہلی قزوین پرا

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

(۱) محسن خاص۔ جو مخصوص حضرات کم از کم پانچ سو روپے کی شہادت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے درجہ محسن خاص کو ہی تمویذ سے عزت بخشیں گے۔ ایسے علم و ادب کے صاحب کی خدمت میں درس اور مکتبہ پڑان کی تمام مصبوعات تدریجی جاتی رہیں گی اور کہ کتاب اور ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوئے رہیں گے۔

(۲) محسنین۔ جو حضرت محسن روپے ساں مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے درجہ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معوضہ کے تحت نظر نہیں ہوں بلکہ عینیہ خاص ہوگا۔ ادارہ کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مصبوعات جن کی تعداد دستِ چار ہونگی۔ یہ مکتبہ برہن کی بعض مصبوعات اور دارالکتاب برہن کسی مدد و ضلع کے بغیر پیش کیا جائے گا۔

(۳) معاونین۔ جو حضرت لغاریہ روپے سال میں شہادت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے صفہ معاونین میں ہوگا۔ ان کی خدمت میں سال کی تمام مصبوعات درجہ درجہ رسالہ برہن (جن کا سالانہ جلد پانچ روپے سے) جو قیمت پتہ پر کئے جائے گا۔

(۴) احباب۔ جو روپے سالانہ ادا کرنے والے صاحب ندوۃ المصنفین کے جناب میں داخل ہوں گے ان حضرات کو رسالہ برہن قیمت پتہ پر سال کی تمام مصبوعات اور نصف قیمت پردی جائیں گی۔

قواعد

- ۱۔ برہن ہر انگریزی مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو ضرورتاً شائع ہوگا۔
- ۲۔ مذہبی علمی تحقیقی اخلاقی مضامین بترصیح و تریب ادب کے معیار پر پورے اتریں برہن میں شائع کئے جاتے ہیں۔
- ۳۔ وجودِ اہتمام کے بہت سے رسالے ڈکٹیٹور میں شائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۰ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں ان کی خدمت میں رسالہ دوبارہ بدر قیمت بھیج دیا جائیگا۔
- ۴۔ جو صاحب طلب مور کے سے "رٹائنٹ" جو بی کاڈ بھیجنا ضروری ہے۔
- ۵۔ قیمت رسالہ پانچ روپے ششماہی دو روپے بارہ آنے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۸
- ۶۔ منی آرڈر روانہ کر کے وقت کو پُر پراپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

ندوة المصنفين وعلما ديننا

بركان

عقيق الرقيم
مؤيد

برهان

جلد پنجم

شمارہ ۶۷

ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ بمطابق دسمبر ۱۹۴۵ء

فہرست مضامین

۳۲۲	عتیق الرحمن عثمانی	طرائف
۳۲۵	مولانا سید ابوالنظر ضوی مدظلہ	نعت ابراہیم اور یک بادشاہ کا مکالمہ
۳۵۰	جناب محمد صف صاحب سیواری بی۔ اے	ملازمین حکومت کا تصور
۳۵۲	جناب مولوی طاہر رشید احمد صاحب ارشد ایم۔ اے	عرب کی بہترین و تیز گوشت عروہ
۳۸۰	جناب امیر القادری صاحب	نوسے جہان
۳۸۰	"	مستط
۳۸۲	م۔ ن	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَظَرَات

اس مہینہ کے ختم پر ندوۃ المصنفین کی زندگی کا آٹھواں سال پورا ہو رہا ہے۔ اس قلیل مدت میں اس ادارہ نے جو کام انجام دیا ہے خدا کا شکر ہے کہ اس پر کارکنوں کو شرمندہ اور محبوب ہونے کی ضرورت نہیں ہے ابھی اس ادارہ نے عالم وجود میں قدم رکھا ہی تھا کہ دنیا کی سب سے زیادہ ہولناک جنگ شروع ہو گئی۔ جس نے زندگی کے ہر شعبہ میں ابتری اور پراگندگی پیدا کر دی۔ ایک نوزائیدہ نخل آرزو نیز وقت شد شعلہ بار ہواؤں کے تھپیڑوں میں اگر باغبان کی تباہی کے مطابق نشوونما نہیں پاسکا تو اس پر نہ تعجب ہونا چاہئے اور نہ افسوس! کیونکہ اگر وہ ان سخت نامساعد اور ناموافق حالات میں اپنی طبعی حالت پر قائم بھی رہ سکا ہے تو اس کا نفس قیام بجائے خود اس کی فطری توانائی کا بین ثبوت ہے۔ جنگ میں عام اشیاء کی عموماً اور کاغذ و طباعت کی گرانی کا خصوصاً کوئی حساب ہی نہیں رہا۔ پھر طباعت و اشاعت کے کاموں میں متعدد قسم کی سرکاری اور غیر سرکاری رکاوٹیں اس پر مستزاد تھیں۔ لیکن ان سب مشکلات کے باوجود ندوۃ المصنفین نے اپنے کاموں کو برابر جاری رکھا۔ اور اپنی وضع کو نبھانے کی کوشش میں وہ زمانہ کا سرد و گرم خاموشی اور وقار کے ساتھ برداشت کرتا رہا۔ یہ جو کچھ ہم سے ہو سکا ہے محض الشرب العزت کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے ہو سکا ہے اور آئندہ بھی جو کچھ ہو گا اسی کی تائید و توفیق سے ہو گا۔

وہوالمستعان وعلیہ التکلان

سلسلہ میں جو کتابیں شائع ہونی چاہئے تھیں۔ طباعت کی ناقابلِ عبور مشکلات کی وجہ سے

ان میں سے دو کتابیں لغات القرآن جلد دوم۔ اور مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد دوم چھپ کر

تیار نہ ہو سکی تھیں۔ لیکن ہم نے اس ناگزیر کوتاہی کی تلافی اس طرح کر دی ہے کہ ان دونوں کتابوں کے ساتھ ساتھ سالِ رواں یعنی ۱۴۴۵ھ کی کتابوں کا سٹ بھی شائع کر دیا ہے۔ اس اعتبار سے اس ایک سال میں ندوۃ المصنفین کی طرف سے جو کتابیں چھپ چھپا کے اب تک تیار ہو چکی ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) قرآن اور تصوف۔ از ذاکر میر ولی الدین بڑی تقطیع ضخامت ۷۵ صفحات

قیمت ۸ روپے

(۲) قصص القرآن حصہ چہارم۔ از مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی بڑی تقطیع صفحات ۵۵

قیمت پانچ روپے

(۳) انقلاب روس۔ صفحات ۲۱۶۔ قیمت مجلد تین روپے

(۴) مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت حصہ دوم از مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہم

(۵) لغات القرآن ج ۲۔ از مولانا عبدالرشید نعمانی۔

شروع کی تین کتابیں ۱۴۴۵ھ کے سٹ سے تعلق رکھتی ہیں اور آخر کی دو کتابیں ۱۴۴۶ھ سے متعلق ہیں۔ اس لئے اس سال کے ممبروں کی خدمت میں مزید معاوضہ کے بغیر سنگٹہ کی ممبری کی فیس کے سلسلہ میں پیش کی جائیں گی۔

ان نئی کتابوں کے علاوہ پرانی کتابوں میں سے "اسلام کا اقتصادی نظام" کا تیسرا ایڈیشن اور مسلمانوں کا عروج و زوال" کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو رہا ہے۔ یہ دونوں ڈیش ساتھ ایڈیشنوں کے مقابلہ میں ضخامت اور مباحث کے اعتبار سے کہیں زائد ہوں گے ۱۴۴۵ھ کے ممبر حضرات سابق الذکر تین نئی کتابوں کے ساتھ چوتھی کتاب کی حیثیت سے ان دونوں نئے ایڈیشنوں میں سے جس کتاب کو طلب فرمائیں گے وہ ان کی خدمت میں ارسال کر دی جائیگی۔

اب جبکہ جنگ ختم ہو چکی ہے اور پیر کنٹرول کی بہت سی دفعات میں مناسب ترمیم و تنسیخ بھی ہو چکی ہے۔ برہان کا سفید چکنے کا غد پر شائع نہ ہو سکتا ہمارے لئے بڑی اذیت اور کوفت کا باعث بنا ہوا ہے۔ لیکن قارئین کرام کو یاد کرنا چاہئے کہ سفید چکنے کا غد کی اجازت حاصل کرنے کے لئے ہم ہر ممکن اور مناسب کوشش کر رہے ہیں۔ اس راہ میں ایک قانونی جھگی حاصل ہے۔ اس لئے اب تک اس میں کامیابی نہیں ہو سکی۔ تاہم سچی برابر جاری ہے اور امید ہے کہ برہان جلد ہی اپنے پرانے رنگ روپ میں قارئین کی خدمت میں حاضر ہونے کے قابل ہو سکے گا۔

پچھلے دنوں برہان میں "مولانا عبید اللہ سندھی" پر جو مقالہ کئی ماہ تک مسلسل نکلتا رہا تھا اب وہ بعینہ کتابی شکل میں سندھ ساگر اکیڈمی ٹپل روڈ لاہور کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ اس ماہ کے اختتام تک پریس سے آجائے گا۔ جو صاحب ان مقالات کو یکجائی طور پر پڑھنے کے خواہشمند ہوں وہ لاہور سے طلب کر سکتے ہیں۔

مولانا بید عالم صاحب میرٹھی سابق استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل جو فیض الباری ایسی اہم کتاب کے مرتب کی حیثیت سے ہندوستان کی اسلامی علمی دنیا میں کسی مزید تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ندوۃ المصنفین کے باضابطہ رفیق کی حیثیت سے بہت دنوں سے کام کر رہے تھے لیکن اب جناب موصوف متقللا ندوۃ المصنفین میں ہی تشریف لے آئے ہیں اور احادیث صحیحہ پر ایک نہایت ضخیم، ٹھوس اور عظیم الشان کتاب مرتب کر رہے ہیں جو اردو میں اپنی نوعیت کی ایک عجیب چیز ہوگی اور مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ اس کتاب کے جلد اول مسند کے سلسلہ میں شائع ہو رہی ہے۔

حضرت ابراہیم اور ایک بادشاہ کا مکالمہ

زموانا سید ابوالفضل رضوی مرد ہجو

مولوی عبدالحق صاحب سکندریادی نے تعلیم یافتہ حضرات کے لئے عقلی مفادوں پر عمیر مرتب کرتے ہوئے کچھ شبہات اہمال ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں حضرت ابراہیم اور ایک بادشاہ کا مکالمہ کے عنوان سے مولانا کا کلام آزاد کی خدمت میں پیش کئے تھے تاکہ مولانا اپنی خرد و ادق قابلیت سے قرآن مجید کے مطالب کیمانہ یک ایسے سے اسلوب سے رن کر سکیں کہ سچ کل کی مذہب پرستہ طبعین ان سے تشفی حاصل کر سکیں۔

مولانا اور کلام صاحب نے ہلال کی مسلسل حیران قسا طیس اس کا جواب دیا تھا اور اپنے مخصوص ادبی انداز میں میں نہیں کہہ سکتا کہ اس دہی محوہ سے مولوی عبدالحق صاحب کی کہانیاں تشفی ہو سکی تھیں لیکن میری تشفی نہ ہو سکی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ میری رہائی نہ ہو رہی، معاحضہ کی کمی اور محققان سے نا آشنا ہونے کا ثبوت ہو۔ لیکن جو کچھ میرے دس و دماغ نے اندازہ کیا وہ اپنی جگہ کھڑے رہ جانے کے سو کچھ نہ تھا۔ اس وجہ سے خود مجھے اپنے طور پر جس تماش کرنے کی فکر پیدا ہو گئی۔ اور اس فکر و احساس نے تابد باطنی شخصیت اور لاشعوری قوتوں کے ہمارے ایک ایسی جمیعہ قبول اور مستانک پیدا دیا جس سے میرا دل و دماغ طمانیت محسوس کرنے لگا۔ نہیں کہہ سکتا کہ دوسرے لوگ کہاں تک مجھ سے ہو سکیں گے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکے کہ دل تلاش کرنے کا یہ سستہ ضرور دریافت ہو گیا ہو وہ بہرہ و کرت کی زحمت ہنوز باقی ہو۔

سنت میں اس محل کا ایک خاکہ مبدی کو مصیبت یا یہ تھا مگر فوراً ہی وہ بن ہو گیا اور توفیق سے یہ معنوں ہی ایسا گم ہو کہ مولوی عبدالرزاق صاحب صبح بادی کی کوئی خوشنظر کارگر ہو سکی

لیکن آج میں چاہتا ہوں کہ اس ذہنی تصویر کا ہر آب و رنگ اور خال و خط پوری روشنی میں لے آیا جائے تاکہ آپ ان علمی مغالطات کی بنیادوں کو سمجھ سکیں۔ جنہوں نے آج تک اس گتھی کو نہ سلجھنے دیا۔
وما توفیقی الا باللہ۔

مولوی عبدالحق صاحب کو جو شبہات پیدا ہوئے تھے وہ ان کی ہی الفاظ میں حسب ذیل ہیں۔
(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود دلیل کیوں دی، فرود سے پروردگاری کا ثبوت کیوں طلب نہیں کیا؟

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہنا چاہئے تھا کہ موت و حیات بخشنے سے مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ ان دیکھی ذات تمام جانداروں کو نیستی سے ہستی بخشتی ہے اور پھر ایک خاص وقت پر فنا کر دیتی ہے اس طرح تو بھی ایک چھوٹے سے چھوٹا کثیر البنادیکہ۔ لیکن آپ یہ نہیں کہتے۔
(۳) پہلی دلیل اگر کمزور نہ تھی تو دوسری دلیل کیوں دی گئی۔

(۴) دوسری دلیل پر بھی شبہات وارد ہوتے ہیں جس شخص کی شوخ چٹھی کا یہ حال تھا کہ موت و حیات کے وصف اپنی تک کا بیان اسے چپ نہ کرا سکا۔ وہ اس دوسری دلیل سے کس طرح لا جواب ہو گیا۔ اگر وہ سورج کو پورب سے نکال دینے پر قادر نہ تھا تو موت و حیات بخشنے پر بھی قادر نہ تھا۔
اگر اس کا غلط مطلب نکال سکتا تھا تو اس کا بھی غلط مطلب لیکر کہہ سکتا تھا کہ میں بھی نکال سکتا ہوں۔
(۵) سورج پورب سے نکالنے کا مطالبہ حضرت ابراہیمؑ سے بھی کیا جاسکتا تھا۔

(۶) دوسری دلیل پہلی دلیل سے ذہنی اور ناقابل انکار نہیں۔
(۷) امام رازیؒ نے دونوں جوابات کو دو مختلف دلائل تسلیم نہیں کیا بلکہ مزید وضاحت، جدید تفسیر و دنیا پہنچا دیا ہے۔ حاشا کہ قرآن نے وسائل کے ذریعہ موت و حیات کا وجود ہی کہاں ثابت کیا۔
افلاک کا ہماری شخصی زندگی سے کیا تعلق؟

(۸) علامہ عبیدہ عیسیٰ کی تفسیر، تفسیر مٹاپوری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر علامہ ابن مسعود، تفسیر روح المعانی۔ شیخ آلوسی وغیرہ میں بھی یا تو امام رازیؒ والا طرز استدلال ہی ہے یا پھر سرے

کسی طرح کی کاوش ہی نہیں کی گئی۔

مولانا ابوالکلام نے ان شبہات کا جو کچھ جواب دیا اسے بھی سن لیجئے۔ مولانا نے محترم نے سب سے پہلے تو مختلف علمی گوشوں پر روشنی ڈالنے ہوئے جن کی سائنس نہ کرنا گناہ ہوگا متکلمین مفسرین اور علماء پر ضرورت سے زیادہ سخت تنقید فرمائی ہے مثلاً

(۱) مفسرین نے غیر قرآنی طریقہ اختیار کیا اور اپنی اپنی افتادِ طبع کے مطابق تفسیر کی۔

(۲) قرآن کے الفاظ و مطالب کو لغوی معانی تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ قرآنی لغات کو فلسفی،

اور منطقی تعریفات و حدود کی نوعیت سپرد کر دی گئی ہے۔

(۳) قرآن کے فطری اور وجدانی اسلوب بیان کی جگہ یونانی فلسفہ کے اشتغال نے منطقی

استدلال کا ذوق پیدا کر دیا۔

(۴) مفسرین نے غلط سمجھا۔ نمود کا دعویٰ صانع کائنات ہونے کا نہ تھا بلکہ شہنشاہیت کی

بنیاد پر الوہیت کا۔ اس تنقید و نکتہ چینی کے بعد مولانا نے کچھ علمی پہلو، مقدمات کی حیثیت سے پیش

کئے ہیں حالانکہ وہ مقدمات قائم کرنے کو خود غیر قرآنی طریقہ بتا چکے تھے۔ مثلاً

(۱) انبیاء کرام کی تعلیم کا مقصد بحث و نظر نہیں ہوتا ایمان و یقین ہوتا ہے اس لئے وہ انسان

کے وجدان سے خطاب کرتے ہیں نہ کہ مجرد ذہن و ادراک سے۔ دوسرے بحث کے مقدمات طے

کرنے کا طریقہ بھی وہ پسند نہیں کرتے بلکہ براہِ راست تلقین کرتے ہیں۔

(۲) انبیاء کا طریق دعوت تو یہ ہے کہ اگر نو سوتنا نوے باتیں کہہ کر چھوڑ دینی پڑیں اور ہزاروں بات

سے مخاطب کے اندر فہم و بصیرت پیدا ہو سکے تو انہیں ایسا کرنے میں کسی تامل نہیں ہوتا۔

(۳) داعی کی حیثیت طبیب کی سی ہے جو یکے بعد دیگرے غذائیں تجویز کرتا رہتا ہے۔ جب تک

غذا ہضم نہ ہونے لگے۔ وہ کبھی ایسا نہیں کرتا کہ ایک ہی غذا تجویز کر کے اس پر آڑ بھائے اور خواہ بدخت مزاج

ہضم کر کے یا نہ کر کے یہ وہی لقمے اس کے حق میں شوتتا رہے۔ اگر ایسا کر لگا تو یقیناً وہ طبیب نہ ہوگا۔

نوع انسانی کا سب سے زیادہ جاہل فرد اور سب سے بڑا قتل ہوگا۔

بیدگیوں کا دور کہ دھند بنا دیا ہے۔ اگر حضرت ابراہیمؑ کا طریق بیان مجاہد نہ ہوتا، اور ہدایت کا نہ ہوتا تو وہ
نہی بات پہلی مخاصم سے ابھڑتے۔

(۲۰) باقی رہا یہ شبہ کہ جب مخاصم نے پہلی بات کے جواب میں ایک جاہلانہ دعوے کر دیا تھا تو
دوسری بات کے جواب میں کوئی نہ کوئی بات کہہ دے سکتا تھا تو اس شبہ کی بھی اس کوئی گنجائش نہیں
ہی۔ یہ شبہ اس لئے پیدا ہوا تھا کہ ”فہمت الذی کفر“ کے معنی مناظرہ میں الجواب ہو جانے کے
بجائے گئے تھے۔ لیکن جب واضح ہو گیا کہ ”بھت“ سے یہاں مقصود بات بنانے میں الجواب ہو جانا
نہیں بلکہ ایک سچی بات سے متاثر ہو کر مکاتبات کا رہ جانا ہے تو ظاہر ہے یہ شبہ کیوں وارد ہو جب
ایک تربیت جس کے حملانے ورنہ دیکھنے کی وہ کوشش کر رہا تھا اس کے سامنے بے نقاب ہو گئی
تو اس میں کچھ جتنی کا دم خم باقی نہ رہا۔

۱۔ تاکہ منظرہ صحتی نہ تھا اس لئے یہ سورت و شبہات کہ حضرت خلیلؑ نے رجوع کیوں
کی، غیر متعلق ہیں۔

۲۔ مخاطب وہ اب جو مولانا بواکلم نے نام فہم من کو غلط فہم اور غلط کارٹھیراتے ہوئے
دلیل کے علمی اور ادبی حتمات پر دیا۔ قبل اس کے کہ میں اپنی ”فتاویٰ طبع“ کے مطابق کوئی طرز استدلال
نہیں کر سکی جرات کروں۔ یہ مناسب ہو گا کہ مولانا نے مقدم کے استدلال کی بعض کمزوریاں واضح کر دی
جس میں تاہم یہ ہے استدلال کا وزن، اس کی قیمت اور پایہ علمی کا اندازہ ہو سکے۔

۳۔ نیا کرام ایمان و یقین پیدا کرنے کے لئے مجھ دو جہان سے خطاب کرتے ہیں نہ مجھ و
وہن و اور کس سے بلکہ طرز خطاب و جہان و شعور دونوں کو غور میں لئے ہوئے ہوتا ہے خواہ اوست
کہ صرف وہ جہان ہی کو غور حاصل ہو۔ چونکہ قرآن اور جدید ترین علمی تحقیقات دونوں کے نزدیک
نسبی کرارہیں ہوتی ہیں متعلق ہیں وہ جہان سے ہے اور کد شعور سے۔ جذباتی لائن پر ہی دماغی
من تیار ہوتی ہے اور عیسائی رجحانات کی تائید میں دلائل و تجربات کا انبساط دیتی ہے بہت کم
سے تفاسیر ہوتے ہیں کہ پہلے ایک فلسفی کی حقیقت میں غور کر رہا ہے و پھر حسرت بیدار ہو

احساس ہی فکر پیدا کرتا ہے اور فکر بھی احساس ہی کو ابھارتی اور اس سے کام لیتی ہے، مذہبی گروہ بندیوں
سیاسی پارٹیوں اور وطنی تحریکات میں آپ ہر ملک و قوم کو جذبات کی زنجیروں میں ہی جکڑا ہوا پایا میں
بعض دلائل پر وجدانی تقاضہ کے مطابق ایک پارٹی زور دیتی ہے اور بعض دلائل پر دوسری پارٹی
ورنہ اگر دلائل کی سچائی ہی بنیادی چیز بتائی گئی ہوتی تو اسے ہر ذہن پر یکساں اثر ڈالنا چاہئے تھا۔
”ام علی قلوب اقلہا“ یا ان کے دلوں پر تلے پڑے ہوئے ہیں۔ جیسی آیات سے قرآن ہی اس ہی
پہلو کی طرف اشارہ کرتا رہا ہے۔ جب دل کا دروازہ بند ہو جاتا ہے تو ادراک و شعور کے نمایاں ہو سکنے
کے لئے کوئی راستہ نہیں رہتا۔ جب تک دل کی کوئی چیز جنبش نہ دے دماغ میں زلزلہ پیدا نہیں کر سکتی
لیکن شعوری ارتقائات تکمیل پر بھی نہیں کہ انبیاء کرام اس کا احترام کرنے سے انکار کر دیں۔ وجدان ہی
کو سب کچھ یقین کر لینا انسانی فطرت سے نا آشنا کی کاثبت ہوگا۔ انسان وجدان و شعور سے ترکیب ہاتھ
فطرت رکھتا ہے اس کی پیاس ایک ہی ساغر سے نہیں بجھ سکتی اس کے دونوں ہاتھوں میں جام ہونا چاہیے
آج تک زندگی کے ہی قوانین اور نظام ہائے کار کردگی کا سیلاب ہوتے رہے ہیں جن میں وجدان و شعور
دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ انبیاء کے طرزِ تخطیب کو بڑی حد تک وجدانی ہی قرار دینا اس غلط فہمی میں
بتلا کر سکتا ہے کہ انسان کے شعوری ارتقاء کے لئے اس کے پاس کوئی خاص سبق نہیں۔

پلاؤ اور زردہ کی قباب کا انتخاب سراسر ایک ذوقی چیز ہے۔ یقیناً پلاؤ کی حیثیت کم نہیں
ہوگی۔ اگر کوئی شخص اُسے پسند نہ کرے لیکن اگر وہ زردہ پلاؤ، کیا آپ کے ذوق کا ہر کھانا کھانے سے
انکار کر دے تو بھی اس سے شکایت نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ قانونِ الہی نے انسان کے ذوق
روحانی کو اتنا آزاد نہیں تسلیم کیا۔ اگر ایمان و کفر اختلافِ ذوق سے زیادہ کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو
تب تو یہ مثال چسپاں ہو سکتی ہے ورنہ انسانی فطرت کو عدمِ احساس کا مجرم ٹھہراتے ہوئے،
”ذوقِ طبع کے اختلاف سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ دراصل مفسرین نے جو
راستہ اختیار کیا وہ بھی درست تھا اور مولانا جو راستہ اختیار کر رہے ہیں وہ بھی غلط نہیں۔ لیکن
کسی ایک ہی پہلو پر زیادہ زور دینا نہ ان کے لئے مناسب تھا نہ آج کسی کو اجازت دی جاسکتی ہے

وہ بھی ایک کمزوری تھی اور یہ بھی ایک کمزوری کے سوا کچھ نہیں۔ استدلال کا پہلا اثر قلب پر محسوس ہوتا چاہئے۔ مگر اس کا فعل ثانوی ادراک و شعور کی تسکین ہی ہوگا۔ مولانا اپنے استدلال کی وجدانی لذت میں یہ قبول گئے کہ شعوری اضمحلال کا داغ اس کی پیشانی پر چمک رہا ہے۔

(۲) جہاں تک مخاطب کے دل میں ایمان و یقین پیدا کرنے کے جذبہ کا تعلق ہے کوئی شخص مولانا کے معزمہ کے اس تصور سے انکار نہیں کر سکتا کہ انبیاء بار بار اور طرح طرح سے فطری احساسات کو ابھارنے کی جدوجہد کرتے رہتا چاہتے ہیں اور اس فرض کی ادائیگی سے کبھی نہیں شک سکتے۔ مگر جہاں تک انبیاء کے کردار و عمل کا تعلق ہے اس چیز کی کوئی شہادت تاریخ نبوت میں نہیں ملتی کہ ذوق طبع کا غلط انداز کرنے کی وجہ سے انھیں قاب پر قاب بدلتا پڑی ہو، انبیاء کفار، مشرکین، منافقین اور گنہگاروں سے جو گفتگو بھی کرتے ہیں وہ ان کے ماحول، ذہنی سانچہ، نفسیاتی ساخت اور قومی عصبیت تک کا محافظ کرتے ہوئے پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی گفتگو نہ مل سکے گی جو عربی ذہنیت، ان کے معاشی ماحول اور اجتماعی نظام سے نسبت نہ رکھتی ہو اگر کسی میں استعداد نہ تھی یا دیوے احساسات بیدار ہو سکے تو اس نے سچائی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور میں کے داغ میں جذب و قبول کی صلاحیت تھی۔ اس نے سر تسلیم خم کر دیا۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ دلائل کی سمت ہلتی رہی ہو۔

محرما میٹر کا پارہ ہر مریض کے درجہ حرارت کے مطابق تھینا پڑتا اترتا رہتا ہے۔ مگر وہ مریض کی کیفیات اندازہ کرنے میں غلطی نہیں کرتا۔ انبیاء بھی ہر فکر و وجدان کی طبعی اور ماحولی استعداد کا محافظ رکھ کر گفتگو کا ایک خاص پہلو مقرر کر لیتے ہیں مگر اس اندازہ ذہنی میں علی العموم شعور نہیں کھاتے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک بدوی سے فلسفیانہ گفتگو شروع کر دی جائے اور ایک تمدن انسان سے غیر علمی گفتگو ایک بہت پرست کو ذرا معنی نظام کے محاسن بتانے لگیں اور ایک کاشتکار سے صنعتی ترقیات کی بات چیت ہو۔ گفتگو سے پہلے ذوق طبع کا اندازہ نہ کر سکنے والے کسی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

پھر یہ بھی تو سمجھنا چاہئے تھا کہ قانون مرگ و حیات اور طلوع و غروب کے نظام میں وہ

کون سے ذوقی امتیازات تھے جن میں سے ایک کو ٹھکرا دینا ممکن تھا اور دوسرے کو قدر اموش کر دینا محال۔ یا انسانی ذوق کو اندھا فرض کرنا پڑے گا۔ جس کا اندازہ کسی کو کبھی نہ ہو سکتا ہو۔ اگر ایسا ہو تو دلیل کی ہر عظمت اور اثر انگیزی سے انکار کر دینا چاہئے۔ ورنہ چیز جہاں تک عملی دنیا میں واقع ہو سکتی ہے اس سے کون نا آشنا ہوگا۔ دراصل دلائل کی گون گونی کا فلسفہ اختلافِ طبائع کا نتیجہ رہیں منت نہیں جتنا کہ خود مستدل کے دائرہ شعور کی تنگ تائیوں کا جب تک دلائل اپنے دائرہ تخیل ہی میں گردش کرتے ہوئے دیئے جاتے رہیں گے نہ مخاطب مطمئن ہو سکتا ہے نہ یک دلیل کافی ہو سکتی ہے۔ لیکن جس لمحہ میں بھی دلیل کو مخاطب کے ماحولی نقاضوں و تمدنی علوم کا آئینہ در بنادیا جائے گا دوسرے دلائل کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

انبیاء چونکہ ما یبسط عن الهوی ان ہوا لا وحی یوحی کی بولتی ہوئی تصویر ہوتے ہیں اس لئے ان کا شخصی دائرہ تخیل تبلیغی جدوجہد میں کام نہیں کرتا نہ کوئی مادی ماحول انہیں اپنی گرفت میں لے سکتا ہے نہ طبعی موثرات نہ ذہن و فراست کا ضمحلل نہ انہیں تجربات کی ضرورت ہوتی ہے نہ قیاسات کی۔ ان کے دلائل غبہ اختیاری طور پر مناسب حال ہی ہوتے ہیں۔ ہر چیز کا اندازہ کر سکنے کا ان میں ایک ایسا طبعی ملکہ ہوتا ہے کہ ہم اس ملکہ کے رسوخ کا بہ مشکل ہی اندازہ کر سکیں گے۔ اگر یہ خوبی ان میں نہ ہوتی تو ایک ملک یا قوم کو درست کر سکتے۔ اور ایک ایک شخص کے انفرادی ذوق طبع کا اندازہ کرنے کے لئے صد با صد سالہ عمر بھی کافی نہ ہو سکتی۔ دوسرے اگر ہر شخص کو نو سو سے دلائل سے مطمئن کرنے ہی کا پروگرام بنالیا جائے تو آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ ایسی پیغمبری کہاں تک کامیاب ہو سکتی ہے۔

تعجب ہے کہ اتنی سادہ اور صاف بات تک مولانا کی نظریوں نہ پہنچ سکی۔ خصوصاً جبکہ مولانا نے محترم کا دل و دماغ منطق و فلسفہ کی الجھنوں سے بالکل آزاد تھا۔ کیا یہ چیز سوچنے سمجھنے کی محتاج تھی کہ انبیاء کرام کی پہلی دلیل، پہلی صحبت اور پہلی نگاہ ہی دل میں نشتر لگانے والی ہوتی چاہئے۔ بہ صورت دیگر ایک عام آدمی اور پیغمبر کی دعوت اصلاح میں کیا افلاوت رہے گا۔ اگر کوئی تفاوت

نہیں تو نتائج کا اختلاف کیوں ہوتا ہے۔ عرب میں جو انقلاب ہوا، کیا ہندوستان میں کوئی عالم اور لیڈر کر سکتا ہے، سیاسی اقتدار پر قبضہ کر کے انقلاب نہ نامنکمل نہیں جیسا کہ بینن اور سٹائن کر کے لیکن محض تبلیغ اور دعوت اصلاح سے ہر گونہ انقلاب برپا کر دینا آج بھی ممکن نظر نہیں آتا۔

(۳) یقیناً خلاق امراض کے سلسلہ میں ایک پیغمبر کی وہ ہی حیثیت ہوتی ہے جو قطعی امراض میں ایک طبیب کی ہو سکتی تھی لیکن مولانا نے محترم نے یہ نہیں غور فرمایا اور شاید طبیب نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ذہنی اور عقلی کمزوریوں تک باسانی پہنچ بھی نہ سکتے تھے کہ کسی طبیب کا ایسی غذا اور اتنی مقدار میں تجویز کرنا جو مریض کو بھیم نہ ہو سکے۔ عدم جذبات، ناتجربہ کاری اور فن، استعداد کے گم ہونے کی دلیل ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں تو ایسی تجویز کو ناقابلیت کی کھلی ہوئی دلیل ہی تسلیم کرنا پڑے گا جبکہ خود طبیب بھی اس مرض کی پیچیدگیوں میں مبتلا ہو چکا اور بہ نسبت و فراز کا اندازہ کر چکا ہو۔ کیا یہ پیچیدگی سے خود گزرنے پر بھی اگر کوئی طبیب صحیح اندازہ نہ کر سکتا ہو تو اسے ایک قابل طبیب کہا جاسکتا ہے۔

نقصت مریض میں بھیم محدودی کی جو ذکریاں قانون فطرت کے تحت مقرر ہیں ایک طبیب کا فرض ہے کہ ان سے وقفیت حاصل کرے۔ ورنہ وہ مریض کو انہماں کی شکایت میں مبتلا کرے گا جو مرنے لگا یا جائے گا۔ اور اگر نو سو متانوں سے متبرہ ایسی ہی غلطی کو دہرایا تو بے شک طبیب کا میل خانہ سے باہر رہنا مشعل ہے۔ طبیب صرف اس ہی وقت مجوزہ غذا کو تبدیل کرے گا۔ جب وہ اپنی پہلی مجوزہ غذا کو بے محل یقین کرے۔ کیا حضرت ابراہیم جیسے پیغمبر کو ہم ایک ناقصہ ہمارے ایک بے پرواہ طبیب کی حد تکہ کر سکتے ہیں۔ حاذق سے حاذق طبیب کی بھی ایسی تجویزوں کی تجرباتی کمزوری ہی سے سید ہو سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم نہ صرف یہ کہ کف تجویزی موتی سے ظامیت قلب و رحم و مہم کے نازک پہلوؤں کا تجربہ حاصل کر چکے تھے بلکہ وہ رہنمائی کے سٹائن کے سوری ارتقا کے مرحلے طے کرنے پر بھی بڑی حد تک مجبور نہ تھے۔ ان کی اس قدر قدرت و استعداد بھی بخوبی سنبھال نہیں۔ چہ ن سے ایسی ذوق شناسی کا رکاب بکسے ہو۔ درخشاں نئی کمزوری کا، مذن

کیوں پسند کیا؟ کیا انبیاء کی تبلیغ و ہدایت تک میں انسانی کمزوریاں ثابت کرنا مقصود تھا یا بادشاہ کی نا فہمی کا۔ اگر اس نے پہلی دلیل پر جرح کی اور دوسری پر خاموش ہو گیا تو یہ حضرت ابراہیم ؑ کی ذوق شناسی اور غرور کی سنجیدگی اور شعوری ارتقاء کا ثبوت ہو گا۔ انسان ماحولی ذوق سے نہیں نکل سکتا اس لئے غرور کا پہلا اختلاف کج بحثی یا غلط تاویل نہیں کہلائے گی۔ بلکہ اسے نفسیاتی رجحانات کا تقاضہ کہنا چاہئے۔ تبلیغ اس ہی پہلو کا صحیح اندازہ کر سکنے پر کامیاب ہو سکتی ہے۔ اس میں غرور کا نہیں حضرت ابراہیم ؑ کا قصور تسلیم کرنا ہو گا حالانکہ ایسا نہیں ہو سکتا۔

(۴) پیغمبر یا طبیب فکر و ہضم کی استعداد تو یقیناً کسی مریض میں پیدا نہیں کر سکتا مگر فکر و ہضم کی استعداد کا اندازہ کر لینا یقیناً اس کا ناقابل فراموش فرض رہے گا۔ اگر وہ اتنا بھی نہیں کر سکتا تو اس کے وجود سے کیا فائدہ؟ قرآن مجید نے یہ ضرور بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہیں ہدایت پذیر فتنہ نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ فکری استعداد کی تخلیق ان کی گرفت و اختیار سے باہر ہے لیکن ان ہی کو "جاد لہم بالحق ہی احسن" کا حکم دیا گیا جس کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتے کہ مجادلہ حسنہ کی استعداد ان کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی تھی اور یہ استعداد اس وقت تک نامکمل ہی رہیگی جب تک کہ وہ فکری استعدادات اور نفسیاتی رجحانات کی گونا گونیوں کا اندازہ نہ کر سکیں جس شخص کی پہلی بات دل پر اثر نہ کرے اس کی دوسری باتوں کا دل کی گہرائیوں میں جگہ حاصل کر لینا مشکل ہو گا۔ مخاطب کا ذہن اگر پہلے وقفہ ہی میں غیر مطمئن ہو جائے تو طمانیت کی طرف آتے آتے دیر لگتی ہے کسی مقرر کی اگر پہلی تقریر اچھی ہو گئی ہو تو دوسری تقریر کے اعلان پر عوام کھینچے چلے آتے ہیں۔ ورنہ نہیں۔ پہلی ملاقات اگر دل پر نقش قائم کر سکے تو ساری عمر اس کا اثر باقی رہتا ہے۔ ہزار بدگمانیاں بھی پہلی ملاقات سے کشمکش میں پڑ جاتی ہیں۔ یہ زندگی کے تجربات ہیں جنہیں ٹھکرایا نہیں جاسکتا مگر افسوس ہو کہ مولانا نے محترم نے ادبی سیلاب میں بہتے ہوئے ان پہلوؤں پر غور نہیں فرمایا۔

یہاں تک تو مجھے مولانا نے محترم کے مقدمات سے جو جزئی اختلاف تھا اس پر روشنی ڈالی گئی۔

اب میں اصل بحث کے سلسلہ میں دو ایک چیزوں پر کچھ اور عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

بہت غور کرنے کے باوجود ابھی تک میری سمجھ میں یہ بات نہ آ سکی کہ فردوسے لیکر مولوی عبدالحق صاحب بلکہ مولانا ابوالکلام صاحب تک ہر ایک کو ربی الذی بھیجی وبعیت سے یہ غلط فہمی کیوں ہوئی کہ حضرت ابراہیمؑ کا منشاء انفرادی حیات و مرگ تھی۔ مولانا عبدالحق بھی دریافت کر چکے ہیں کہ "افلاک کو ہماری شخصی زندگیوں سے کیا تعلق" اور مولانا نے محترم نے بھی آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا کہ "میرا تو اس ہمدرد گار پر ایمان ہے جس کے قبضہ و تصرف میں ہماری موت و حیات ہو" حالانکہ آیت کے اس ٹکڑے میں "ہماری" اور "تہاری" موت و حیات کے تعین کی طرف کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا۔ یہ تو دماغ کی کارگیری ہے کہ اس نے ابھنے کے لئے ایک بے پیدگی کا اضافہ کر لیا۔ "بھیجی وبعیت" ایک عمومی تخیل ہے اور ساری کائنات سے وابستہ۔ صرف انسانی زندگی سے اس کو وابستہ کر دینے کا کیا حق؟ اور وہ بھی انسانی اجتماعیت کے جزئی تصور تک کو ٹھکراتے ہوئے انفرادی حیات و مرگ پر جب کبھی گفتگو کی جائے گی۔ بہت کم انسانی معدے اس غذا کو ہضم کر سکیں گے حیات و مرگ کا قانون۔ قانون تخلیق و ابداع کی طرح اقتدار اعلیٰ کی طرف رہنمائی پر مشکل ہی کر سکتا ہے اگر انفرادیت سے اس کو متعلق کر دیا جائے۔ انفرادی زندگی گونا گوں جزئی قوانین میں پردہ پردہ پہرہ پہاں ہے۔

یہ بادشاہ، ہر ڈاکٹر، ہر ڈاکو، ہر تھانیدار، ہر جوگی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق مجھ سے ہے اگر حضرت ابراہیمؑ کا یہی منشاء تھا تو پھر معدہ نہیں ثقیل غذا کی خرابی تھی، ہر ایک میں کچھ نہ کچھ طاقت ہے جس کی معجز نمایوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ فرد اگر محبت ابراہیمی کے اس پیچیدہ تصور کو نہ سمجھ سکا تو اسے تصور وار نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اگر ایسا نہ تھا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسے وہی غلط فہمی ہوئی جو مولانا ابوالکلام صاحب تک کو ہو سکتی تھی اور ہوئی۔

سلاطین، حکوت، اسموت، الارض کا مطالعہ کرنے والے اس فاسق ارتقا سے خبر نہیں ہو سکتا جو ایک وقت کی تخلیق کیے نقد آئے کا کام دیتا ہے۔ شاہ ولی امر صاحب میں مغربی پیدائشی ڈن سکتے ہیں کیا حضرت ابراہیمؑ اس سے تشابہ نہیں؟ یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ روحانیت نور فطرت کے، دلی زندگی پر زبردست اثر ڈال سکے کی تحقیق فرد کے زمانہ میں ہو چکی تھی اور اسطر مزوی۔

بڑی حد تک مولانا ابوالکلام صاحب مولوی عبدالحق صاحب کے اس اعتراض کو بھی نظر انداز کر گئے ہیں جس کے ذریعہ انہوں نے سوال کیا تھا کہ ایک مچھر یا مکھی بنائے کا مطالبہ حضرت برہنہ نے فرود سے کیوں نہ کیا۔ اگرچہ، شاردنہ و ریک تھا۔ مولوی صاحب کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ شخصی حیات و مرگ کی اوجھن پیدا کرنے سے تخلیق و ابداع کا مطالبہ زیادہ بہت کن ہوتا۔ قرن نے کئی جگہ صنم پرستوں سے یہ مطالبہ کیا بھی ہے مگر یہاں دراصل اس کا کوئی موقع ہی نہ تھا۔ فرود خالق کائنات ہونے کا دعوے نہیں کر رہا تھا جو ہوش و حواس میں ہوتے ہوئے کیا ہی نہیں جاسکتا۔ انسان کو کبھی یہ مغالطہ نہیں ہوا۔ ہر فتنہ ربوبیت و پروردگاری کا ہے اور چونکہ انسانی فطرت پروردگار کی پرستش پر ہی تعبیر کی گئی تھی اس سے ایسے مغالطات نے اسے بے راہ روی پر مجبور کر دیا۔ روزِ ازل میں بھی خدا نے انسان سے یہ قرار نہیں کرایا کہ میں خالق ہوں یا نہیں بلکہ یہ ہی سوال کیا گیا کہ "اَلْکَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟ چونکہ یہ سوال اجتماعی زندگی بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ساری زندگی سے وابستہ تھا۔ انسانی فطرت اس نکتہ کو پہچان گئی اور اس نے "ہی" سے اس کا جو رپ دیدیا۔ مگر وہی زندگی نے پھر اسے، نفردیت کی ناریکیوں میں نہو کریں کھانے اور دور بینی سے کام نہ لے سکے پر چونکہ بعض اعتبارات سے مجبور کر دیا تھا اس سے وہ جزئی پروردگار یوں سے دھوکہ کھانے لگا۔

یہی دھوکہ تھا جسے حضرت برہنہ نے فرود کے ذہن سے دور کرنا چاہا۔ ایسی حالت میں خالق و صانع ہونے کی بحث کیونکر چھڑی جاسکتی تھی۔ مولوی عبدالحق صاحب بنیادی تصور تک نہ پہنچ سکے در نہ حضرت ابراہیمؑ کو "نعمہ" نہ دے۔ فرود اس نکتہ تو سمجھتا تھا لیکن شخصی تصورات میں الجھ رہ گیا۔ اور ہی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کو دوسرا فتحہ کہنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تعجب یہ ہے کہ فرود مغالطہ آج تک تاء انہ توار کی طرح اپنا کام کر رہا ہے۔ یہ دشمنہ پنہاں تا ہنوز

۱۔ سوال خالقیت کے تصور سے یہ ہوا اور خالقیت کا تصور جس کی اس تفسیر سے پیدا ہوا کہ "رب انہی یحییٰ و یمیت" سے مردہاں و مرگ سے پروردگاری کرنے والا نہیں ہے بلکہ موت ہے اگر خالقیت ہی زیر بحث ہوتی تو یہ سوال موزوں ہو سکتا تھا۔ (ابوالنظر رضوی)

زنگ آلود نہ ہو سکا۔

دوسری چیز مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ مولانا نے اس بارے میں قطعاً کوئی وضاحت نہیں فرمائی کہ مذہب کا مہیوت ہو کر یہ جاننا ان کے نزدیک کیا عین عقی شکست نہیں بلکہ صرف وجدانی شکست تھی یا اس استدلال کو مکمل نہیں کہہ سکتے جو صرف دین کو شکست دے اور دماغ کے حواس برتری کو کم نہ کر سکے۔ غالباً مولانا کے نزدیک حجت ابراہیمی کا عقلی پہلو کمزور تھا۔ حالانکہ مکالمہ کی سرگزشت کا کوئی حصہ اس کی نائید نہیں کر سکا مہیوت ہونا شعوری کیفیت ہے۔ وجدان اس سے اثر پذیر ہو سکتا ہے لیکن برادر راست اس کے تاثر کا نام مہیوت ہونا نہیں رکھا جاسکتا۔ کاتر مولانا اس گوشہ کو بھی روشن کرنے کی فرصت پاسکتے۔ اس نقطہ تک پہنچ کر چاہتا ہوں کہ مجھے بھی اپنا عمل پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔

قرآن مجید کی جس آیت کے بارے میں بحث و گفتگو ہو رہی ہے پہلے اسے ملاحظہ فرمائیے

تاکہ فیہ ای تصویر سوائے رکھ کر معروضات پر آپ غور فرمائیے۔

ام ماری الہی حاتم ابراہیم	کہ تو نے اس شخص کے حواس پر نگاہ نہیں کی تھی
فی رمدان اتاہ الله امسک	برہم سے دلیل بازی کی تھی جو کہ اس کو خدا نے
اذ قار ابراہیم ربی الذی	ہوش بہت دیدی تھی جب براہم نے کہا میرا
بجی و عمت قال انا اسی	پروردگار خود ہی بہت توحید کرتا اور بتا ہوا اس
وامیت قال ابراہیم فان	جواب دیا کہ میں بھی زندہ رہا اور رہا ہوں۔
اسہ یا آتی باشمس من المشرق	کہ ہمارے خدا آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے تو غروب
قارب بھی من المغرب فہمت	سے نکال دے اس روز بچہ بچہ رہا جس نے

اس میں صحت و زچہ بھڑ نہیں کیا۔ کہ بحث سے بحث کرنا صرف بحث کرنا ہے۔ اگرچہ یہ ایک قابل آدمی تھا اور بحث نہیں ہو سکتا۔ دراصل قابل تھا جو اس کے ساتھ کوئی بات نہیں کر سکتا۔ دراصل اسے مانتا تھا کہ خدا آفتاب سے نکلتا ہے تو غروب سے نہیں نکلتا۔ مسئلہ آفتاب کی طرف سے روئے زمین سے طلوع ہوتا ہے۔ مگر اس کے لئے اس کی روشنی

میں مولانا نے غور کر دیا۔ (وسطی)

الذی کفر۔ واسیہ لایھدی انکار کی صدا۔ خدا اس پر مبنی کو جو تجو ذر عن محدود کی صدا
القوم الظالمین۔ بر قائم ہو، منزلی مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

اس آیت سے چند امور صاف ہو جاتے ہیں، مجاہدہ، ربوبیت دیورددگاری کے بارے میں
تھا جو انسانی تاریخ کا ہمیشہ ایک جز رہا ہے۔ پرورش کرنے اور مشکلات کے پردوں کو چاک کر کے زندگی
کے منازل طے کرانے والے سے انسان فطری طور پر محبت رکھتا اور اس کی اطاعت کرتا رہا ہے۔
مظاہر ربوبیت کے وجود سیمائی سے مخالف کھاتے رہنے کی وجہ کم نگہی، نفسیاتی تاثر کی شدت، دور
شعور کا تاثرات سے شکست خوردہ ہو جانا ہی کیوں نہ ہو۔ ہر ربوبیت اور ظہر ربوبیت کی عظمت و عظمت
س کے رگ وریشہ میں جذب ہوتی رہی۔

مرد نے اپنی آمریت مطلقہ کو جب اپنے متمدن ممالک کی سیاسی، فوجی، معاشرتی، مذہبی
زندگی کے ہر پہلو پر غالب محسوس کیا اور دیکھا کہ سارے ملک کی زندگی میری ہی نو، زشات تہ و نہ
پرورش پاسکتی ہے۔ تو اس نے کواکب کی روحانی قوتوں کا اپنے آپ کو ناہیندہ سمجھا، خصوصاً اس
وجہ سے کہ تخیلی سائنس کی تمام ترقیات بھی اس کی گرفت میں تھیں اور عوم کے اس منادی تھیں
سے فائدہ اٹھا سکنے کے لئے جو ہم نجوم اور تخیلی سائنس میں کمال حاصل کرنے کی بنا پر ان کی زندگی
کا نصب العین بن گیا تھا۔ یعنی کواکب ہی اس غیر محسوس توانائی کا سرچشمہ ہیں جو مادہ کے ارتقا کا
باعث ہو رہی ہے۔ اس نے اپنی پروردگاری کا دعویٰ کر دیا۔ چونکہ عوم کا بنیادی تصور ہی مژدہ تھا
اس لئے انھیں مژدہ کو دیتا اور ربوبیت کو کب کا منظر تسلیم کرنے میں تامل نہ کرنا پڑا جس طرح
خدا پرست قومیں بھی انبیا اور اولیاء کو بالخیر اور بالواسطہ ہی، خدا کی تمام قوتیں سے دکر تی رہی ہیں۔

لے آج کیونٹ کواکب کی جگہ سیگل کے نظریے نقد کو دے رہے، اور موشی پردہ گاریوں کا مژدہ اس لئے کو بتا رہے ہیں۔
یہ ہی رنگ مژدہ کے زہ کا تھا کل مژدہ ہی پوزیشن حاصل غمی جو آج اسان رکھتا ہے۔ آج نیچر کی غیر محسوس
توانائی کے انبیرات سے پیدائش دار لقائے حیات کا مستند حل کیا جاتا ہے۔ کل کواکب کی غیر محسوس طاقت کو
سرچشمہ تسلیم کیا گیا تھا۔ بواسطہ مژدہ ہی۔

انہوں نے بھی کائنات کی توانائیوں اہل مرکز کو اکب کو اور اس کا منہر بادشاہ کو مانا تھا اور خدا پرستوں نے بھی جہاں تک مادی زندگی کا تعلق ہے۔ روحانیین اور بادشاہوں کو مستطی صفات الہی ظل اللہ کے نیم کے پردہ میں خدا قرار دینے سے تعلق نہیں کیا۔ جب غیہ محسوس طاقتوں کے سایہ میں فرد کی حکومت مستحکم ہوئی اور استحکام نے اس کے غرور کا یارہ اور جڑھا دیا حتیٰ کہ جب صراطِ مستقیم سے تجاوز ان حدود تک پہنچ گیا جہاں ضابطہ پیدا ہو جاتا قانون قدرت ہے اور جسے یورپ کا فلسفی ہگل نظریہ نصا کہتا ہے تو خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا کیا جو اس ہی ماحول کے فرزند تھے۔ اور جنیات الہیہ کے علم بردار۔

عجائبات قدرت کا مطالعہ کرنے سے پیشتر وہ بھی اپنی سوسائٹی کے اس نظریہ سے متاثر تھے کہ کوسب کی رفتار ان کی شعاعوں کے انحراف و استوار شعل کی توانائی، کو اکب کی اقلیدی اشکال و خمیہ زندگی کو تھوڑا دینے، سوار نے اور سنبھالنے کا کام کرتے ہیں۔ ماضی بھی ان کی مخصوص رفتاروں سے تیار رہا تھا۔ حال ہی میں ہی کی نوازش و تغافل سے ترکیب پارہا ہے اور مستقبل کے حوادث بھی اُن ہی کے فرس پذیر ہیں۔ گرو اکب کی پروردگاری کام نہ کر رہی ہوتی تو زندگی کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ یہیں سے کے باوجود چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تخلیق ہی ایسے تقاضات کو شکست کرنے کے لئے ہوئی تھی اس لئے قدرت نے ان کی مخفی استعدادات کو اجارا اور وہ ایک جدید زاویہ نگاہ سے مادی عبادت کا مطالعہ کر سکنے کی توفیق سے سرفراز ہوئے۔ انہوں نے جس ستارہ میں بھی خدائی طور پر عظمت و بے یائی کا احساس کیا اس ہی کو "ہذا ربی" "ہذا البر" کہتے ہوئے جن نیاز سے ہوسٹوں و خیریتوں میں خیریت و نفاذت زندگی کے مفاد ذات کا مصفا پیش کیا ہے تاکہ مادی طاقتوں کے کے نسبت و منفی پہلوؤں کو خدا کی عظمت پہرہ کی جاسکے۔ ورنہ ماضی سے مستقبل پر روشنی ڈالنے ہوئے ہر گرم بنا ہی ممکن ہو جاتا۔ مگر میرے نزدیک اس فلسفہ کی بنیاد ہی میں ایک شعوری اور مستقرانی کمزوری ہے۔ اور میں بتا رہا ہوں کہ قانونِ ہستی کی ضرورت سے لگا نہیں کیا جاسکتا۔ اس دم و ماس کے نظام حیات میں تعمیلی طور پر بحث کی جانی چاہئے کہ محضات میں پیش کرنے کا مادہ کر چکا ہوں۔ و سونق میدہ۔ (۱) (نظریہ مادی)

۱۔ مونا، بعد نہ سہمی کا خیال سے وہ منوں نے میری موجودگی میں میں مدوشی ڈال (۲) (صفحہ مدورہ)

تھکادی مگر جب انھوں نے ہر روشن ستارہ کو ڈوبتے، چھپتے اور تاریکیوں میں گم ہوتے ہوئے دیکھا تو حساس عظمت و بڑی زخم خوردہ ہو گیا۔ نتیجہ انسانی نے کروٹ لی اور ایسی عظمت و کبریائی کی دل آویزیوں سے، نکار کر دیا جو باندگی کو پابندگی نہ دے سکتی ہو۔ کارخانہ ہستی میں پروردگاری کا نظام تسلسل کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ لیکن جن عظمتوں سے ان پروردگاروں کو وابستہ خیال کیا گیا تھا وہ خود اپنا تسلسل قائم نہیں رکھ سکتیں۔ یہی حالت میں کیونکر یقین کیا جاتا کہ وہ پروردگاری کے نظام کا تسلسل قائم رکھ سکیں گی۔ جو خود ڈوب رہا ہو وہ دوسرے کو کس طرح ساحل تک پہنچا سکتا ہے۔ ہونہ پروردگاری کا حتمہ ساریوں کی دنیا سے بھی بلند تر عظمت ہی کا کوثر ہوگا۔

یہی وہ انخابِ فنا جس سے ان کی پاکیزہ فطرت نے نیا سانچہ تبدیل کر دیا۔ ساریوں کو پروردہ راستے ملتے ستاروں کے پروردگار تک پہنچ گئے۔ چھ انھوں نے ایک اور ارتقائی منزل جسے مگرگ وزیت کا فلسفہ اور اس کے گونا گوں تغیرات کا علم کہنا چاہئے۔ حضرت برہم مسلسل ارتقا اور پروردہ ری کا بنیادی راز سمجھنا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے اس دامنِ ربینہ نکتہ کا حل تلاش کرنا چاہا جو موت کے راستہ سے بھی حیات و پروردگاری کا دعویٰ کرے۔ تھکیا تھی المونی اس ہی سنسنی کو بھانسنے کا مطالبہ تھا۔ اس پیچیدہ گتھی کو سلجھانے کے بعد وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ ربوبیت و ارتقا کا نظام و تسلسل مرگ وزیت کی قوتوں پر گرفت رکھنے والا ہی قائم

۱۔ قدحِ شہادت گزرتا ہے کہ حضرت برہم نے ہزاروں کی تعداد میں موجود کی مٹا دیتی ورنہ ساریوں کو رب کہہ سکتے تھے۔ مگر وہ مٹا دیا۔ مگر یہ نظریہ سیم نہیں حضرت برہم نے ہزاروں ہی نہیں ہزاروں بلکہ ہزاروں کے ذریعہ عرف ربوبیت کا راز بھی بھاڑ دیا تھا۔ ان کے نزدیک عظمت ہی پروردگاری کے لئے دلیلِ راہ بن سکتی تھی مگر عظیم زین ہستی ہی کو پروردگار ہونا چاہیے۔ سد مسنہ بھی اس تصور کو اندر گڑبڑ سے زبردہ رکھا ہے مگر چونکہ کواکب کی عظمت کا تسلسل صورتِ ندیم میں سے پروردگاری کا تسلسل بھی اس سے وابستہ نہ کر سکے۔ چنانچہ کائنات میں نظامِ ربوبیت بغیر کسی مدد کے برسرِ عمل میں بنا رہی۔ حضرت برہم نے عدل کر دیا کہ میں ایسی پروردگاری سے جذباتِ عصمت و پرستش و لبہ نہیں کر سکتا۔ بھلا اس چیز سے دردِ وحدت و وجود سے کیا خلق و وحدت و وجود ایک ذہنی حقیقت ہے علی فطرت رکھنے والے مٹا دیا۔ مگر حقیقت کی ترجمانی نہیں کیا کرتے۔ بواسطہ رضوی

کر سکتا ہے اس کے سوا جو کچھ ہے قریب نظر و طہیم نیاں۔
حضرت ابراہیمؑ کا یہ دریافت کرتا کہ مددوں کو یوں سرزندہ کیا جائے گا۔ دراصل موت سے
زندگی اور ربوبیت و رتقا کا راستہ معلوم کرتا تھا۔ کیونکہ ملکوت السموات کے مشاہدہ نے طبعی
قوین کے قوت جہد کھانے و ردوب جانے یا زندہ ہو جانے و مرد جانے کا نڈر تو پہنچایا تھا۔ جب
حضرت ابراہیمؑ ربوبیت کے نظام مسلسل و پوزیشن سے بھی بہتہ ہوئے تو اس دور کے
نظریہ ربوبیت کی اصلاح ان کے ذمہ رکھی گئی۔ مذہب جو یہی سی اقتدار سے اس خطہ نظر یہ کہ
کامیاب بنا رہا تھا ورنہ ورثہ ہی نے خود اس کے دل و دماغ پر بھی پردے ڈال دیئے تھے حضرت
ابراہیمؑ نے جس دور کی عملی تدبیر کے ساتھ اس سے گفتگو کرنے کو بھی اپنے بروگرم کا ہر بنایا
جیسا کہ ذیل ہمین کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ یہی سی فتنہ ربانیت کا نہ کھائی جانے کوئی
بروگرام۔ ہمیں ہمین میں ہر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ورنہ یہی سی مذکورہ آیت میں
تذکرہ کیا ہے۔

یہ دفع حضرت ابراہیمؑ میں جو ربوبیت کے مبادی فلسفہ کر سچے ہوئے تھے اور دوسری
طرف مذہب جس کی نگاہ شخصی ربوبیت کے مخصوص گوشوں سے مشد نہ ہو سکی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ
گفتگو کے درمیان میں اس سے قیامت میں کہ میرے نزدیک۔ یہی بروگرام۔ یہی سی فتنہ ربانیت کا نہ کھائی جانے کوئی
جیات دونوں پر گرفت رکھتا ہو۔ نہ زندگی اس کے قانون ربوبیت سے باہر قدم رکھے۔ نہ موت
کیونکہ قانون ربوبیت کا نفاذ کر سکنے کے لئے مضوی سائنس رکھے ورنہ کائنات کے سائنس
تظام سے کام لینا پڑے گا۔ ایک یوں اور ایک انسان کی زندگی میں بھی اس وقت تک نہیں
ہو سکتی۔ جب تک کہ کائنات کی ساری ہر زندہ شے ہی جہد کر اس سے نکلے۔ جو صد با قوانین زمین
کے نظام سنبھالے ورنہ کچھ بچاؤ نہیں رہتا۔ ورنہ زمین و آسمان کے درمیان سنبھال
تبدیلے ورنہ کائنات کی سنبھال کون ہو۔ اس کے لئے ہمیں سب ورنہ کائنات کی سنبھال
نظام ہمیں ایک کسی سستی کے ساتھ رہنا ہو۔ ایک نیا ہو۔ ایک نیا ہو۔ ایک نیا ہو۔ ایک

پھول اور ایک پنکھڑی کو بھی نشوونما دینے کے امکانات پیدا نہیں ہو سکتے۔ لہذا اس ہی کو پروردگار ہونا چاہیے جو زندگی اور موت دونوں پر نظام ربوبیت کو غالب کر سکتا ہو۔ مگر چونکہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک سادہ اور مختصر سی بات فرمائی تھی: *رب الذی یحییٰ ویمیت*، فرد اس کے عمومی تصور تک نہ پہنچ سکا۔ اس کا فکر و وجدان شخصی تصورات ہی میں گردش کر رہا تھا۔ اس لئے اس نے "ابراہیمی نظریہ" کو بھی اپنے ذہنی اور وجدانی سانچہ پر ہی ڈھال لیا۔

یہ چیز فرد ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی عام طور پر لوگ گفتگو کرتے ہوئے پہلے پہلے ان ہی تصورات میں گم رہتے ہیں جو ان کا دائرہ تخیل پیدا کر رہا ہوتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے کہ دوسرے کا کیا مطلب تھا بلکہ اپنے مطلب کو اس کا مدعا قرار دے کر مناظرہ کرنے سے ہیں۔ اکثر اس چیز کا اثر خود استدلال کرنے والے پر بھی پڑ جاتا ہے۔ اور وہ جذباتی اشتعال میں غلط باتوں پر بحث کرنے لگتا اور ایک بے معنی جنگ کی نوعیت پیدا کر دیتا ہے۔ درمیان میں اگر کوئی سنجیدہ اور آزاد پوزیشن رکھنے والا نہ ہو تو یہ ہنگامہ فرو ہو جاتا اور دونوں اپنی غلط فہمیوں کا احساس کر لیتے ہیں ورنہ پوری پوری کافرنسیں ناتوشگوری کے ساتھ ختم کر دی جاتی ہیں۔ بہر حال فرد نے اپنے انفرادی تصور کے سنگ میں جسے محدود واقعیت بھی کہہ سکتے ہیں، جواب دیا: "ان اسی وامست" میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔

. . . آپ کا خیال تھا کہ جو زندگی اور موت پر قابو نہ رکھتا ہو وہ پروردگاری نہیں کر سکتا۔ پروردگاری کے لئے ایجابی پہلوؤں کو ابھارنے اور سلبی طاقتوں کو محدود ڈگریوں میں رکھ سکے کی طاقت ضروری ہے۔ مجھے آپ کا نظریہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں۔ واقعی جو زندگی مثبت و منفی قوتوں پر کنٹرول نہ کر سکتا ہو وہ پروردگاری نہیں ہو سکتا۔ مگر مجھے تو آپ کے معیار سے بھی پروردگار ہونے کا حق رہے گا۔ کیا میں پورے ملک، قوم، دہرہ فرد کی پرورش نہیں کر رہا۔ کیا کوئی صوبہ، کوئی گروہ، اور کوئی شخص میری زراعتی، اقتصادی، معاشرتی، اور سیاسی پروردگاریوں سے بے پرواہ ہو سکتا ہے۔ کیا اجماع و تخریب اور مرگ و زلیست کی تمام قوتیں میری گرفت میں نہیں۔ کون ہے جسے میں تباہ

نہ کر سکوں، بھانسی پر نہ چڑھا سکوں اور کون ہے جو میری نوازشات و توجہات خسروانہ کے باوجود کسی کو لذتِ حیات اور عیشِ دوا میں محروم کر سکے اگر سب سچ ہے و آپ بھی اس پر نظریہ کی صداقت پر قائم ہوں تو یہ کیوں میری پروردگاریاں دیکھتے ہوئے آپ بھی تسلیم ختم نہ کر دیں۔

حضرت براہیمؑ سمجھ گئے کہ فرود اس ہمہ گیر اور مسلسل تصور تک رسائی نہیں حاصل کر سکا جو پروردگاری کے لئے ضروری تھا بلکہ جغرافیائی اور شخصی حدود ہی کو اس نے محدود پروردگاری کے لئے کافی خیال کر لیا ہے۔ اس لئے انہوں نے اس کی پروردگاری کو تسلیم کرتے ہوئے صرف اتنی خواہش ظاہر کی کہ اس دعوے کا ثبوت فراہم کر دیا جائے۔ فرود نے دریافت کیا کہ آپ کی طمانیت قلب کس قسم کے ثبوت سے ہو سکتی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔

فَنَاقِلُهُ بِأَنَّهُ بِالتَّمَسُّسِ مِنَ الْمَشْرِقِ خُذْ سَوْرَةَ كَوْبَرِ بَعْدَ سَعَةِ كَمَا تَأْتِيهِ تَوَاقُفُ

فَأَمَّا بَعْدَ مِنَ الْمَغْرِبِ - بحکم سے کہاں -

یعنی موجودہ نظامِ حیات و پروردگاری (نہ کہ قوانین تخلیق و ابتداء) نظامِ فکلی کی اس گردش سے وابستہ ہے جو قباب کو مشرق سے طلوع کرے چنانچہ آپ کی ساتینخلک ریسرچ بھی اس کے خلاف نہیں ورنہ کوکب کی روحانی طاقتوں کو آپ پرستش کے قابل کیوں سمجھتے اور ان کی رفتاروں سے ماضی مستقبل کو کیوں وابستہ کیا جاتا۔ چونکہ آپ کے نزدیک بھی نجوم و کوکب کی وہ ہی رفتاریں جو نظامِ شمسی سے وابستہ ہیں۔ کائنات بستی کو زندگی اور تابانگی تقسیم کر رہی ہیں اس لئے کوکب کی پروردگاری تو ماہِ النزع نہیں ہو سکتی۔

سوال صرف اتنا ہے کہ یہ نظام، یہ رفتاریں، یہ طبع و غلبہ نقدیر العزیز اعلیٰ

کی فرمائش پذیریت یا آپ کے اشارہ و چشم و ابرو کا۔ اگر آپ میں تعین کے تبدیل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں تو آپ کی پروردگاری سے کائنات کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اگر نظامِ شمسی کے میں خیریت کا رخانہ ہستی پر موت کی ہیبت ناکیاں طاری نہ ہوں تو نظامِ زندگی پر آپ کی گرفت ثابت ہو جائے گی۔ اور اس ہی سے اندازہ ہو جائے گا کہ موت بھی آپ کی جنبشِ نگاه کی تحت تھی

ہائیں۔ یہ الفاظ دیگر یوں کہہ دیجئے کہ کردہ تقدیر وہ اندازہ، استعداد اور مقررہ رفتاروں کا وہ نظام
جذب و تذبذب شکست ہو جائے جس کے تحت آج کائنات ارضی سرسبز و شاداب ہے اور انسان
اس کے زیر سایہ علوم و تمدن میں برتری رکھ رہا ہے تو یقیناً موجودہ زندگی فنا ہو جائے گی۔ اس کے
بعد ایک نیا نظام حیات مغرب سے آفتاب کو طلوع کر کے قائم کیجئے۔ اس طرح "اناسی و امیت"
کا نبوت فرہم ہو جائے گا جو پروردگاری کی پہلی اور آخری نشانی تھی۔

اس مطالبہ نبوت کی نوعیت سمجھانے کا ایک اور بھی طریقہ ہے۔ نہایت سادہ و قرآنی
اسلوب بیان سے قلمباز وہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب دیکھا کہ غرود پروردگاری کا مساویانہ
دعویٰ کر کے بتے اپنا حق پوش بنانا چاہتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ نیک کائناتِ رُضیٰ اور اس کی
وسیع ترین فضاؤں کا آفتاب اور اس کی رفتاروں کے مخصوص نظام سے کسب حیات و ارتقا
کرتے رہنے کا سلسلہ تب ہی نہیں۔ تب کے آباد اجداد سے بھی قدیم تر ہے۔ اس لئے یہ تو نہیں قیاس
کیا جاسکتا کہ وہ آج تک تب کی جنبش بکاہ برریش کرتا رہا ہے۔ تو یقیناً ایک ایسی ہی ذات
نے قلم کیا ہوگا جو ازل سے ہو ورتب خدا بنا رہا ہے۔ لیکن اگر آپ کو حیات و مرگ پر مساویانہ
فردہ دعویٰ بہت خوشنود و ناسو بہ تھا تو مہربانی کر دیجئے۔ تاکہ خدا کا بنایا ہوا نظام حیات
شکست ہو جائے۔ اس سے بنایا تھا۔ آپ نے بکاہ بنایا۔ دونوں کی مساویانہ وقت ثابت ہو گئی۔

سہ دین نے جہاں یہ دعویٰ کیا تھا کہ ملائمتی فی سبغی لہما ان ندرک ان القہر لا یمل سائق الزہار ذہن
مقدور العہد بر العلیہ نہ سورج پیدا کو کمز سہ ہے نہ رات دن سے چلے سکتی ہے۔ یہی ہے ایک طاقت ور
اور اندر سہی کا دکم کیا ہوا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ چاند سورج کی رفتاریں اتالی حاکم کا تقاضہ ہیں۔
در غنہ مدین میں کیا ہو سکتا۔ وہیں سے آتا رہا۔ اب میں جس کے دوسرے معنی خوب نظام ہیں۔ بتاتا تھا کہ
نورانی حصہ یا سورج صوع سمر من العرب یعنی پروردگار موجود ہونے کے ثبوت میں یاوں
کہنے لگا کہ سورج سے سننے والے دنوں کے ساتھ ایک نئی مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا ہے۔ اس
کے وہ معنوی مدخل سکھائے۔ اب یہ کہ پروردگار سے مل کر کہنے والوں کو نظام حیات کے تخریبی تغیر سے یقین
ہو جائے گا کہ جو خیر ہم تم سے وہ درست نہ تھا۔ اب زیریں کا وقت آئی گی۔ (بانی صفحہ آئندہ پر)

ہر صورت دیگر س پروردگاری کو آپ سے نسبت نہ دی جاسکے گی جس کا نظم نہ آپ تیار کر سکے تھے،
نہ آپ بگاڑ سکتے ہیں۔ بنانے والے کی برابری وقت رکھنے والا ہی بگاڑ سکتا ہے۔ آپ دونوں میں سے
صرف ایک کام کر دیجئے۔ زندگی اور موت آپ کے تحت قدرت بھی ثابت ہو جائے گی۔

مذہب ستارہ پرست قوم کا ایک فرد تھا اور ستارہ پرستی کا آغاز نجوم و سمیت کے ان مشاہدات
ہی سے ہوا تھا جو کائنات کے ہر گوشہ میں قوت، احساس اور جوش نو تقسیم کرتے ہوئے ربوبیت کا سیلا
لا رہے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ ان کی سائنٹیفک تحقیقات اتنی ترقی یافتہ نہ ہو سکی تھی کہ لوگ عام طور پر
خود ستاروں کو ایک نظام میں جکڑا ہوا محسوس کر سکتے۔ یا ان روحانی قوتوں کا مرکز تلاش کر سکتے۔ جسے
وہ نواکب کی طرف منسوب کرتے تھے۔ حالانکہ وہ قوتیں خود ان ہی کی شخصیتوں میں ودیعت کر دی
گئی تھیں یا طبعی عوامل کے تحت۔ لیکن اقتضائے دورہ کی کمزوریوں سے بے خبر ہونے کی بنا پر

رقیبہ حاسدہ منہ گزشتہ دوسرے یہ کہ پروردگار یوں کا ایک ہی قانون و نظام نہیں جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے سمجھ
یا تھا بلکہ خدا اس کو تبدیل کر کے دوسرا نظام ربوبیت بھی اس ہی زندگی میں قائم کر سکتا ہے۔ پہلی چیز یہ زیادہ ذہنی
جس قیامت مادی زندگی کا تخریب عام سے بہت کوئی نظام ربوبیت قائم کرنے نہیں آئے گی۔ قرآن کی صمد ہا
آیت میں کی نامید کر رہی ہیں اور میں ہی سے ضرورت مغرب کو مشرق بنانے کا مظاہرہ کیا گیا تاکہ زندگی کا نظام
مت ہائے لیکن علمائے میں آیت کے دوسرے پہلو سے کافی دلچسپی لی۔ بعض نے لکھا کہ فی ذالک سرڈ
علی اصحاب الہیستند من وافرهم ان الشمس وغیرہا من الفلکیات بسیطۃ لا تختلف مقتضیاتھا
ولا یطرق الیہا تغیر یاھی علیہ (رفع بای جز حادی عشر ص ۳۰) تاکہ ضرورتے مطالب بھی میں ہی تصور کے
تحت کیا گیا تھا اور قرآن کی دوسری آیت یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے۔ خود بطلت وغیرہ کو علت نہ قرار دیا گیا ہو
اور نہ فلاسفہ کی اس سے مزید تردید ہو سکتی ہے جو اس نظام فلکی کو جبری تسلیم کرتے ہوں ورنہ یونانی فلسفہ جو
مذہب ایک عملی برہان رکھتے تھے اس آیت کی رد میں نہیں لاتے جاسکتے اور بعض علمائے اس سے بھی زیادہ ترقی کی اور فرمایا
کہ دورہ نظام ربوبیت ایک سو میں سبک رہیگا شاید مدعا یہ تھا کہ پروردگاری کی یہ جدید نمائش، ایک معقول زمانہ
تک ضرور ہونا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ نظام شمسی کا یہ جدید تغیر میں سے بھی زیادہ عرصہ تک رہے کیونکہ توازن قائم رکھنے
دونوں نظاموں کا نظام ہر جہاں رفتہ رفتہ ہی شکست ہوگا عقل بھی یہی کہتی ہے اور قرآن بھی مگر اسے ربوبیت کا جدید نظام
نہیں کہہ سکتے ہوں۔ عقاب ہا مہر ہی وہ کہہ سکتے ہیں بنا بریں مجھے یہ کہے کا حق ہے کہ ضرورت سے مذکورہ مطالبہ زندگی کے
مقابلہ پر موت کو مذہب دیکھنے کا مطالبہ تھا۔ (ابو سطر رضوی)

عقائد و نظریات تبدیل نہیں ہو سکتے تھے۔ سوائے اس کے کہ فطری استعدادات اور انسانی احساسات کا تزکیہ پیغمبرانہ قوتوں سے کیا جاتا۔ انسان حقائق تک پہنچنے کے لئے اشاعتِ علوم کا محتاج نہیں اس کا شعور و وجدان سب کچھ محسوس کر سکتا ہے مگر خود اس استعداد کا نایاں ہو سکتا بعض اوقات عقل کے بغیر ممکن نہیں جن میں سے اکتسابی عقل بھی ہیں اور غیر اکتسابی بھی۔

بہ حال ستارہ پرستی کرنے والی قوم، کائناتِ ارضی کے اس ربط و وابستگی سے نا آشنا تھی جو اسے موجودہ نظامِ شمسی سے جذباتیہ کے لئے ہونا چاہئے۔ اس ہی لئے حضرت ابراہیمؑ نے پروردگاری کا جو ثبوت طالب کیا تھا اسے کوکب پرستانہ ذہنیت اور ذوقِ طبع کے خلاف نہیں کہہ سکتے، اس سے زیادہ توفیق کا امکان ہی نہیں ہو سکتا۔ اس ہی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا کہ فرود ایک ایسی حقیقت کا انکار کرے جو خود اس کے دائرہ تخیل کا ترجمان ہو۔

فبھت الذی کفر جس نے خدا کی ربوبیت کا انکار کیا تھا نتیجہ میں ہٹکا بٹکارہ گیا۔

یہ کہنا کہ یہ ہی مطالبہ فرود نے حضرت ابراہیمؑ سے کیوں نہ دہرایا نہ صرف اس نقطہ نظر سے درست نہیں کہ اسے جس قدر شوخ، بے باک اور کج فہم سمجھ لیا گیا یا اپنی بوزیشن محفوظ کرنے کے لئے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے وہ اتنا شوخ چشم ہی نہ تھا اس کی ساری گفتگو عام انسانی فطرت اور شخصی ذوقِ طبع کے عین مطابق تھی۔ ہر دوسرا شخص اس ماحول اور اس فکر و وجدان کے تحت وہی باتیں کرتا جو فرود کرتا رہا۔

(حضرت ابراہیمؑ اس کے ذوقِ طبع اور ماحولی تصورات سے پوری طرح باخبر تھے۔ اس بند پروردگار کی ہمدانیت، ہمدانوری اور ہمدانیہ کو سمجھتے تھے۔ انھوں نے جو کچھ بات چیت کی وہ نبضِ شناسی کا بہترین معجزہ تھا بلکہ اس بنا پر بھی اسے وقعت نہیں دی جا سکتی کہ اگر باغرض خدا کا پروردگار ہوتا نہ ہوتا تب بھی اس کے دعوے ربوبیت کو کوئی قائل نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس کا انکار کسی سلی جذبہ و رشتہ کی نفرت یا دشمنی پر مبنی نہ تھا بلکہ وہ اپنی پروردگاری کو تسلیم کرنا چاہتا تھا۔

سوال دہرے کے دوسرے معنی یہ ہی ہو سکتے تھے کہ اسے یہ چیز تسلیم ہے کہ پروردگاری

کے لئے جس نظام شمسی کو شکست کر کے قانونِ مرگ و زلیست پر قابو پاتے ہوئے کا ثبوت فراہم کرنا چاہئے
 محاسن کا کوئی امکان نہیں یعنی حضرت ابراہیمؑ کا پروردگار ہونا نہ ہو۔ میں یقیناً پروردگار نہیں۔ صرف
 اتنی بات ہی سے حضرت ابراہیمؑ اس مجاہدِ ربوبیت میں کامیاب ہو جاتے اور وہ سارا معاشی نظام جو
 مَرود کا قتلِ اعلیٰ تسلیم کرتے ہوئے ستارہ پرستی کے تصور پر گردش کر رہا تھا انقلاب و گردش کے طوفان
 سے شکست قبول کر لیتا۔ اور اس نظام کا شکست ہو جانا ہی قانونِ الہی کے تحت نظامِ حیات
 قائم کرنے کے لئے سنگِ بنیاد کا کام دیتا۔

علاوہ ازیں مطالبہٴ ابراہیمی کو دہرانا اس وجہ سے بھی اس کے لئے ممکن نہ تھا کہ مَرود وہ ہے
 اور خدا کا منکر نہ تھا۔ حقیقت اس کے نزدیک بھی انسانی دسترس سے باہر تھی اور جب یہ ثابت ہو جاتا
 کہ مَرود جیسی عظمت و سطوت رکھنے والا بادشاہ بھی پروردگار ہی کی کوئی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے
 نفسیاتی مخالفت پروردگاری کا انتساب کرنے کے لئے خالق و صانعِ عالم سے ادھر بٹھری نہ سکتے تھے
 اس کا دل خود پکارا تھا کہ اگر میں بھی پروردگار نہیں ہوں تو خدا کے سو کوئی پروردگار نہیں ہو سکتا۔
 سورج آج ہی سو دن پر نہیں چمک رہا بلکہ ہزاروں برس اسے روشنی تقسیم کرتے ہوئے گزر گئے۔ اگر
 مَرود جیسی ہستیاں بھی اس کی نمایندگی کرتے ہوئے ربوبیت کا دعویٰ نہیں کر سکتیں تو پھر کون اس
 کا مستحق ہو سکیگا۔ لازمی طور پر یہ تسلیم کرنا پڑتا کہ وہ ہی پروردگار ہو سکتا ہے جو معلومِ عصر سے نفیس
 اور تحقیقی ارتقا کا ذمہ دار رہا ہو اور یہی حضرت ابراہیمؑ کا مقصد تبلیغ تھا۔ مَرود کا مطالبہٴ ابراہیمی کو
 پورا نہ کر سکتا اور مطالبہٴ کو دہرانا، ایک ہی نتیجہ پیدا کرتا۔ یہ سمجھنا غلط ہے کہ مطالبہٴ دہرانے سے فخر و غرور کا
 سراو بجا کرنے کے امکانات ہو سکتے تھے۔

اب صرف ایک سوال اُٹھ رہا ہے جس کا جواب دینا باقی رہ گیا کہ اگر مَرود سے بذریعہٴ تعین کے

مَرود کے سرکاری ترجمان کو کوئی نہ کہہ سکے تا قبل گرفت تو نائی ہی کو خالق و پروردگار تسلیم کرنا پڑے۔ مَرود سے یہ
 واقعہ کوئی غمناک حاسنی ہے۔ مگر یہ اصل مولوی صاحب کے ذہن میں اس سوال کے وقت حقیقت کا تصور تھا جو موضوع بحث
 سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا۔ لیکن میں نے ایک قدیم آگے بڑھ کر ربوبیت کے تصور کو سامنے رکھے ہوئے بھی اس غمناک حاسنی کو مَرود ہی
 کیا کمال پر مضمون خود مولوی عبدالحق صاحب کی تقریر سے میٹھ سکتا ہوں کہ پتہ معلوم نہیں۔ (راؤ نظر مری)

پروردگاری کا ثبوت طلب کر لیا جاتا تو وہ پہلے دفعہ ہی میں سیر انداز ہو جاتا حالانکہ اس کی کوئی وجہ نہ تھی۔ وہ معاف بہہ سکتا تھا کہ تمدن دنیا میں آپ جو گونا گوں ترقیات دیکھ رہے ہیں یہ میری ہی پروردگاری کا نتیجہ ہے۔ آپ اپنی شے کے ذریعے سے میں نے جنہوں کو سرسبز کھیتوں میں تبدیل کر دیا، وہ نکل صحت و تندرستی سے صحت عامہ کو ثبوت کر دیا۔ کاجوں سے علمی نشوونما میرے ہی توسط سے ہو رہی ہے اور بہتر سے بہتر تعمیرات کر سکنے کے مواقع میں نے ہی میدان کئے۔ ملک کی دولت میں مسلسل اضافہ میری ہی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ امیری اور غریبی میری ہی چشمِ کرم کے کشادہ بندہ دوسرا نام ہو کوئی فرد اور کوئی جماعت میرے فیصلہ کے بعد نہ زندہ رہ سکتی ہے نہ اسے کوئی مار سکتا ہے۔ زندگی کا کونسا گوشہ ہے جو میری پروردگاری سے نہ جگمگا رہا ہو۔

حضرت ابراہیمؑ اس کا کیا جواب دیتے لازمی طور پر خاموش ہو جانا پڑتا یا ثبات سے، نکال کر کرنے کے لئے ایسا پیچیدہ راستہ اختیار کرنا پڑتا جو مناظرہ کا دروازہ کھول دے۔ اس نے حضرت ابراہیمؑ نے ربوبیت و پروردگاری کے ثبوت کا معیار مقرر کر دینا پسند کیا۔ جب اس معیار کے مطابق اس نے پروردگاری کا دعویٰ کیا تو اصول نہ یک ایسا ثبوت طلب کیا جو معیار کے بنیادی تصور کو بہترین اور وسیع ترین صورت میں نمایاں کر سکتا تھا۔ ضرور ثبوت ابراہیمؑ نہ کر سکا۔ اور باوجود اس کے کہ وہ ثبوت اس کی معلومات، ذوقِ طبع اور قومی نظریہ کے بالکل ہم رنگ تھا۔ ایسے حالات میں انسانی فطرت کا تقاضہ ہی یہ تھا کہ جذبات و شعور کے دو گونہ مطالبات کے درمیان مہموت ہو کر رہ جائے۔ شخصی جذبات کا تقاضہ پروردگاری کا اعتراف کرنا تھا اور انسانی ذہن کا تقاضہ اعترافِ شکست کر لینا وہ کچھ نہ طے کر سکا کہ کیا کرے، دو قوتوں یا متوازن کششوں کے درمیان معلق ہو کر رہ گیا۔ کیا اس پر بھی یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے قدام کیوں کیا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔

یہ معاوہ مجاہدہ حسنہ جس کا سبق ہمارے پیغمبرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیا گیا۔ کیونکہ ان کے پیغمبرانہ خیالات کو قومی اور بین الاقوامی انقلابات سے گزرنا تھا اور ہدایت کی کوئی روشنی نہیں پہنچائی جاسکتی تھی۔ اگر وہ ورنہ کے مبلغین مناظرہ کی بجائے مجاہدہ حسنہ کو شمعِ راہ نہ بنا سکتے۔ آپ سوچئے کہ کیا اس مجاہدہ میں دلائل کا خلاف موجود ہے۔ یک ذوقِ طبع کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیا

احساس شکست کو ذوق طبع کا سہا مالینا ضروری ہے؟

یہ مقام حل جو مجھے مطمئن کر سکا حقیقت یہ ہے کہ قرآن اپنی جگہ مکمل تعلیم اور بہترین سبق رکھتا ہے۔ مگر انسان کے محدود ذہنی اور نفسی دوائر تمام پہلوؤں تک ایک وقت میں اور ایک جگہ کے ذریعہ نہیں پہنچ سکتے۔ ہر زمانہ میں ہر مسلمان کو اس پر غور کرتے رہنا چاہئے۔ کوئی نکتہ کسی کی سمجھ میں آجائے گا اور کوئی نکتہ کسی کی۔ اس طرح تمام رحمانات اور ہر ذہنی ارتقا کی تسکین کا سامان مہیا ہوتے رہنا ممکن ہے۔ ورنہ اگر ہمیشہ پیچھے کی طرف ہی دیکھتے رہے تو آگے نہ بڑھ سکیں گے۔ حالانکہ زمانہ ہر پہلو سے بدل رہا اور نئے نئے سوالات پیدا کر رہا ہوگا۔

قرآن اور تصوف

شہ کی بلند پایہ علمی اور تحقیقی کتاب

تالیف جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی پیر سٹراٹ لاء صوبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ
حیدر آباد دکن۔ رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین دہلی

ڈاکٹر صاحب نے اس گراں مایہ تالیف میں حقیقی اسلامی تصوف کو منطقی ترتیب و وضاحت کے ساتھ ایک خاص اسلوب میں پیش کیا ہے۔ کتاب وسنت کے منشاء و ماخذ کی روشنی کتاب کی جان ہے قابل مطالعہ کتاب ہے۔ بڑے بڑے عنوانات ملاحظہ ہوں۔

عبادت و استعانت، قرب و معیت، منزلاتِ ستہ، خیر و شر، جبر و قدر، یافت و شہود، قیمت و روپے بھلہ تین روپے۔

فیجبر ندوۃ المصنفین دہلی قرول باغ

اسلام میں حکومت کا تصور

از جناب محمد آصف صاحب میو ہاؤس بی۔ اے

آغاز انسانیت سے لیکر آج تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں کسی رنگ اور کسی طرز کی حکومت کسی حصہ زمین پر نہ رہی ہو۔ سیاسی مفکروں میں اگرچہ حکومت کی پیدائش کے سلسلہ میں بہت کچھ اختلاف ہے لیکن اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ انسان ہمیشہ کسی نہ کسی حکومت کے ماتحت رہا ہے اس میں شک نہیں کہ حکومت کی تعریف وقت اور زمانہ کے اعتبار سے مختلف رہی ہے لیکن بعض شرائط جو اداروں کو حکومت کہلائے جانے میں متحد و معاون ہوتی ہیں، قدیم سوسائٹی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ افلاطون کا یہ خیال کہ کنبہ اور حکومت میں صرف وسعت کا فرق ہے زیادہ صحیح نہیں ہے پھر بھی کنبہ اور حکومت میں بعض اہم جز مشترک پائے جاتے ہیں اور کنبہ بڑی حد تک موجودہ حکومت کی شکل میں معاون رہا ہے، کنبہ داری سے قبل کی سوسائٹی یقیناً آغاز انسانیت سے قبل کی سوسائٹی قرار پائیگی اور اس لئے اس دور میں کسی قسم کی حکومت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ ارسطو کا قول ”انسان مل جل کر رہنے والا جانور ہے وہ کبھی بخیر سوسائٹی کے نہیں رہا“ یہ بھی ہمارے خیال میں آغاز انسانیت سے متعلق ہے۔

اس وقت دنیا میں جو سیاسی اضطراب اور بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں، ایک اہم سبب حکومت سے عوام کی ناواقفیت بھی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ موجودہ زمانہ میں حکومت کے جوڑ بھاگے پائے جاتے ہیں۔ وہ کسی نے ایک دن میں بنا کر نہیں کھڑے کر دیئے بلکہ حکومت بھی اور چیزوں کی طرح ارتقائی منزلوں سے گزرتی رہی ہے۔ روم اور یونان کی معروف اقوام حکومتوں سے لے کر موجودہ دور کی حکومتوں تک ان میں سینکڑوں تبدیلیاں ظہور پذیر

ہوئیں اور حکومت بے شمار انقلابی وادیوں کو طے کر کے اور بہت صد ہفتہ و قالب دیکھ کر موجودہ منزل تک پہنچی ہے اس زمانہ میں حکومت کی مختلف انواع اشکال و رشتہ نئے نظریوں کے سامنے نشان بہوت ہو کر رہ جاتا ہے اور جب تک حکومت کے بارے میں اس کو کافی دشافی علم نہ ہو وہ اپنے خیالات کو ایک مرکز پر جمع نہیں کر سکتا

اہل یورپ میں تو بہت پہلے سے ایک گروہ جمہوریت سے بدظن تھا و راسی گروہ نے مل کر نازی فاشیت میکونسٹ حکومتوں کی بنا ڈالی۔ مگر اب ہندوستان بھی جس کی معراج کبھی صرف جمہوری حکومت حاصل کرنا تھا اس وقت جمہوریت سے بدظن ہے اور یہاں کے باشندوں کی ایک کثیر تعداد جمہوریت کے نور امیدہ پودہ کی بیج کئی پر آمادہ نظر آتی ہے۔ یہ سوال کہ کونسی جہات راہ راست پر ہے اس کا جواب آسان نہیں۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو کسی اصول کے ماتحت رائے قائم کرتے ہیں۔ عوام حکومت کی بھول بھلیاں سے ناواقف ہیں وہ ہر شعبہ پر شمع کا گمان کر کے پروانہ فار اس کا طواف شروع کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی حالت اور بھی قابل افسوس ہے۔ ان میں ایک بہت بڑا طبقہ یہ یقین کر بیٹھا ہے کہ مسلمانوں کی حکومت ختم ہو جانے سے سلامی اصول بھی فنا ہو گئے۔ وہ مغربی مورخین کی ساحرانہ تحریروں کے زیر اثر یورپ سے ایسے مرعوب و مست ہو گئے کہ کسی اسلامی ادارہ کی طرف توجہ کرنا جہالت کا منہ دفن سمجھتے ہیں۔ تاریخ سیاست میں تو ان کا سرے سے نام ہی نہیں۔ مفکرین یورپ میں جہاں کسی مفکر نے یہ کہا کہ مسلمان حکومتیں صرف دینی حکومتیں ہیں، مغرب زدہ سادہ لوح مسلمان بھی یہ سمجھنے لگا کہ سیاست کی اندھیوں کے لئے خضر راہ مغرب کے غزوہ کوئی نہیں۔ ہاگن رکھے دیوں سے ہماری گزندیش بہ سے

سخن شناس نی دلبر اختیار ہیں جاست

حکومت کی تعریف | اس تبصیر کے بعد ہم اس موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں۔ حکومت وہ سیاسی نظام ہے جس کے ذریعہ ریاست اپنے حکام جاری کرتی ہے یا جسے فرانسیسی لیب

(Francis Deale) نے کہا ہے کہ حکومت وہ آلہ یا کل ہے جس کے ذریعہ ریاست ہر اس موقع پر کام کرتی ہے جب وہ براہ راست اپنے اقتدار کو کام میں نہیں لاتی۔

حکومت کے اقسام | حکومت کی قسموں کے متعلق بہت سے اختلافات موجود ہیں اور سیاسی مفکروں نے مختلف اصول کے ماتحت اس کی مختلف قسمیں قرار دی ہیں۔ بعض مفکر تقسیم کا اصول ان آدمیوں کی تعداد قرار دیتے ہیں جن کے ہاتھوں میں اقتدار اعلیٰ ہو۔ اس اصول کے ماتحت حکومت کی تین قسمیں کی گئیں ہیں۔

(۱) سلطانی یا شخصی حکومت (Monarchical)

(۲) اشرافی (Aristocratic)

(۳) جمہوری (Democratic)

مگر سرکاری اقتدار اعلیٰ کسی ایک شخص کے ہاتھ میں ہے قطع نظر اس سے کہ اس کے ماتحت کتنے افسر کام کرتے ہیں تو طرز حکومت شخصی کہلائے گا۔ اس سلسلہ میں عام کوئی یہ سمجھی جاتی ہے کہ اگر کسی حکومت کا حکمران سلطنت پر حق وراثت سے حکمرانی کرتا ہے تو وہ حکومت شخصی کہلے گی۔ لیکن حکومت کی تقسیم ارسطو کے زمانہ کی ہے۔ موجودہ زمانہ میں حکومت کا طریقہ اس قدر بدل گیا ہے اور اتنے جدید طرز پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کو کسی ایک عنوان کے ماتحت ماننا دشوار ہے۔

مثال کے طور پر انگلستان کی حکومت کو لیجئے جس میں بادشاہت سلسلہ پہ سلسلہ ایک ہی خاندان میں چلی آتی ہے اور حکمران صرف اس حق سے فرمانروائی کرتا ہے کہ اس سے قبل اس کا باپ حکومت کرتا تھا۔ انگلستان کے نامکمل آئین کے مطابق بادشاہ قانون کا سرچشمہ ہے حکومت اس کی حکومت ہے۔ وزرائے اس کے وزرائے ہیں۔ عدالتیں اس کی عدالتیں ہیں اور وہ خود قانون کو بالادست ہے۔ انگریزی ضرب المثل کہ "بادشاہ کوئی جرم نہیں کر سکتا" بھی اسی لئے ہے کہ بادشاہ قانون کا منبع ہے اور اس لئے قانون سے بالاتر ہے۔ مگر سب کچھ ایک کیمیائی نمود کے سوا

کچھ نہیں جقبت میں بادشاہ کو کوئی اختیار نہیں اور تمام اختیارات وزیر اعظم بادشاہ کے نام پر استعمال کرتا ہے۔ بادشاہ محض ایک کٹھ بتلی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ ایسے موقع پر قدیم تعلیم کی حقیقی وقت محسوس ہوتی ہے کہ اعتبار صورت انگلستان کی حکومت شخصی حکومت ہے اور یہ اعتبار روح جمہوری۔ اور یہ مسئلہ اس سے بھی زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے اگر امریکہ، روس، جرمنی وغیرہ حکومتوں پر قیاس کیا جائے۔ بہر نوع جن اصول تقسیم کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ اس کے لحاظ سے یہ وہ حکومت جس میں ایک شخص کو سرکاری اقتدار اعلیٰ حاصل ہے اور وہ حق وراثت سے گزری کا مالک بناتا ہے اور تخت سلطنت پر تازیت قائم رہنے کا حق رکھتا ہے۔ وہ حکومت شخصی کہلائے گی۔ اور اگر یہ کاری اقتدار اعلیٰ چند انسانوں یا آبادی کی ایک مختصر جماعت کے ہاتھ میں ہو تو حکومت شاہی کہلائے گی۔ اس طرز حکومت میں آبادی کی اقلیت اکثریت پر حکمرانی کرتی ہے۔ بین اگر آبادی کی اکثریت کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہے اور یہ کاری اقتدار اعلیٰ میں ایک کثیر تعداد حصہ دار ہے، خواہ نہ کثرت نمایندہ جماعت کے ذریعہ سے ہو تو یہی حکومت جمہوری حکومت کہلاتی ہے۔

حکومت کی تقسیم بہت پرانی ہے اور اس دور میں اس کی اہمیت تقریباً فنا ہو گئی ہے کسی حکومت کے متعلق بعض نئی بات کہنے سے کہ وہ شخصی یا شاہی حکومت ہے، حکومت کی بناوٹ اور اس کے عملی طریقے کی وضاحت نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے حکومت کے مقاصد پر روشنی پڑتی ہے۔ اس تقسیم کے تحت حکومتیں، مملکتان، روس اور ترکی سب ایک خانہ میں آ جاتی ہیں۔ حالانکہ یہ امر کہ یہ حکومتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں متحدہ بیان نہیں۔ اسی طرح فرانس و امریکہ ایک ہی قسم کی حکومت کے ماتحت منقسم ہوتے ہیں حالانکہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ غرض کہ یہ تقسیم اس زمانہ میں ناقص بھی ہے اور غیر مفید بھی۔

میں اس دور سے دو قسم حکومت کی تقسیم کی ہے۔ مان سید (Montesquieu) نے حکومت کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ Republic (حکومت جمہوریہ) (۲) شخصی حکومت

(۳) حکومت خود مختاری۔ جمہوری حکومت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے "حکومت جمہوریہ وہ حکومت ہے جس میں کس جہت یا آبادی کا ایک حصہ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہو"۔ حکومت خود مختاری وہ ہے جس میں ایک نشان بنی مرضی سے تمام نظم و نسق کرے۔ یہاں اصولِ تقسیم و بوری صورت پر خود مختاری کی تشریح کی جا رہی ہے۔

دورانت و Woolamy نے حکومت کی چار قسمیں لکھی ہیں (۱) شہنشاہیت (Monarchy)

(۲) جمہوریہ (Democracy) (۳) جمہوریہ (۴) اصول ریاست (Compromised State)۔ اسی طرح مختلف مفکرین نے مختلف قسمیں کی ہیں۔ نیز ان مفکرین میں بعض باتوں میں بہت کچھ اختلاف ہے۔

تقسیم کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ کوئی تقسیم کسی جامع اصول کے ماتحت نہیں۔ ان میں سے کسی قسم کو بھی ہم کوئی بنا کر دنیا کی حکومتوں کو نہیں پرکھ سکتے، ہر شخص نے اپنے نظریہ کے مطابق علیحدہ علیحدہ تقسیم کی ہے۔ مثلاً ہی اصول ہیں جتنے کہ مفکر۔ اور نہ ان نظریوں کے اندر کوئی جامع اصول نہ کہ ہے۔ ان میں سے کوئی نظریہ ایسا نہیں جس سے فی الواقع مختلف حکومتوں کے مابین امتیاز قائم کیا جا سکے۔ ماتحت اور زمرہ حکومت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ تقسیم کے مواجہہ نہیں۔ بعض حکومتیں بناوٹ کے لحاظ سے یکساں ہیں مگر ان کا طرز حکومت بالکل جداگانہ ہے اس لئے جو تقسیم اپنے قبائل اور ممالک کے لحاظ سے ہوگی۔ وہ طرز حکومت پر ٹھیک نہیں اتر سکتی۔ اسی بنا پر مختلف جنموں سے حکومتوں کی تقسیم کی جا سکتی ہے۔ اور یہ بحث اس قدر طویل ہے کہ اس پر خود ایک بسیط مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔ یہاں ہمیں صرف دیکھنا ہے کہ جتنی حکومتیں اب تک دنیا میں قائم ہوئیں ان کا کیا منشا تھا اور مفکروں کی حکومت کے بارے میں کیا رائے ہے اور بہترین حکومت کس حکومت کو کہا جاسکتا ہے؟

مشہور و معروف شاعر پوپ نے بہت ہی چھٹی ہوئی بات کہی ہے۔

"For forms of government let fools Contest

That which is best administered is best."

’یعنی اقسام حکومت کے بارے میں یہ قوفوں کو جھگڑانے دو جو حکومت بہتر طریقہ پر نظام

و نسیم کرتی ہے وہی بہتر ہے‘

اگرچہ سیاسی مفکروں کے لئے یہ بات تشغی بہت نہیں ہو سکی مگر اس سے یہ اصول ضرور نکلتا ہے کہ حکومت کی نظام ہی ساخت اتنی، ہم نہیں جتنا ہم طرز و منشاء حکومت ہے۔ اس اجمال کی مفصیل یہ ہے کہ حکومتیں دو ہی طرح کی ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ جو چند یا کسی ایک شخص کے احکام کا کارہوں اور دوسری وہ جس میں ہر انسان حکومت کے بارے میں مساوی حقوق رکھتا ہو، ہر شخص اپنے حقوق کا استعمال کرے یا نہ کرے یہ ایک علیحدہ سوال ہے۔ بحث صرف اس پر ہے کہ ہر شخص کو حکومت میں دخل دینے کا حق حاصل ہو۔ خواہ اس کی رائے کی پذیرائی ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ حکومت کی بنیاد آبادی پر قائم ہے۔ اور آبادی کے تحفظ اور آسائش و راحت پر حکومت کی تعمیر ہوتی ہے۔ آبادی ہی ملکہ حکومت بناتی ہے۔ اور آبادی ہی کی فلاح و بہبود حکومت کا مطلق نظر ہوتا ہے۔ پس اگر تمام آبادی حکومت میں برابری کے ساتھ ہے تو حکومت انصاف پر مبنی ہے۔ اگر کوئی شخص یا جماعت اپنے اقتدار و منفعت کے لئے حکومت کرتی ہے تو وہ ظالم ہے۔ شخصی حکومت میں بھی جمہوریت قائم رہتی ہے جیسے امریکہ میں اور شاہی حکومت میں بھی جیسے سائز لینڈ میں جہاں وزراء کی ایک جماعت مل کر حکومت کرتی ہے اور تہنیت میں گاہیک کہ نیمستان کا طرز حکومت ہے۔ منصفانہ اور غیر منصفانہ حکومت کی سیکڑوں قسمیں ہو سکتی ہیں۔ باطل اسی طرح جس طرح بناوٹ کے لحاظ سے بہت سی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ منصفانہ حکومتوں کے تحت تمام وہ شخصی، شرافی، جمہوریتیں، صدارتی، ری پبلک اور دینی حکومتیں آجاتی ہیں جن کی بنیاد آبادی کے مساوی حقوق پر قائم ہو۔ اسی طرح غیر منصفانہ حکومت کے تحت تمام وہ حکومتیں آجاتی ہیں جن میں آبادی کے ساتھ انصافی برتی جائے۔

لفظ مساوات بہت سے غلط معنوں کا حامل ہے اس لئے اس لفظ کا ہمیں استعمال بھی طح سمجھ لینا چاہیے۔ کیونکہ یہ اس جگہ ایک خاص معنی میں مستعمل کیا گیا ہے۔ مساوات مساوی حقوق سے ہے جنہی ہر شخص کو غیر خوف و خطر حکومت پر حد انصاف کرنے کا حق حاصل ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں

بھی کیا جاسکتا ہے۔ ہر قسم پر از اپنی کام جونیوں کی تلفیں کو ایسا حق بتا سکتا ہے۔ اس بات کا فیصلہ کہ کوئی بات مناسب ہے اور کوئی نامناسب اکثریت کا حق ہے اور اکثریت ہی کی بات قابل قبول ہو سکتی ہے، لیکن اسلام میں اکثریت کا تصور ایک آزاد اکثریت کا تصور ہے۔ اگر آبادی اکثریت اور اقلیت میں باقاعدہ طور پر منقسم ہے تو یہ ایک خطرناک قسم کی تقسیم ہے جو آزادی کے منافی ہے۔ موجودہ زمانہ میں جمہوریت جماعتی نظام سے وابستہ ہے۔ اور جماعتی پابندی حکومت کی پابندی سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ ہر جماعت پہلے سے نکتہ عمل بنالیتی ہے اور اس پر اس شد و مد سے عمل پیرا ہوتی ہے کہ کسی فرد کو اس کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی اور بالفرض اگر کسی نے اس کی جرأت کی بھی تو فوراً اس کو جماعت سے برطرف کر دیا جاتا ہے۔

دوسری بات جو اسلام میں سب سے زیادہ نمایاں اور دوسری قسم کی حکومتوں سے بہ حیثیت مختلف ہے وہ یہ ہے کہ اسلام میں دستور اساسی خدا کا بنایا ہوا ہے۔ کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں۔ اسلامی دستور اساسی (شعبیت) غیر متبدل اور ناقابل تغیر (Rigidity) قانون ہے اور کسی دوسرے دستور اساسی سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ کوئی اور دستور اساسی جو اگرچہ ظاہری اعتبار سے بے لوج و غیر متبدل معلوم ہوتا ہے جیسے امریکہ کا قانون اساسی، یہی بعض سخت شرائط کے تحت تبدیل ہو سکتا ہے۔

۱۷۔ ہندوستان میں سبھا ش چندر بوس سابق صدر کانگریس کی مثال اس کی تصدیق کرتی ہے (پارلیمنٹ کی باقاعدہ جماعت وزارت بناتی ہے اور ہر طرح ملک پر مسلط رہتی ہے۔ اگر افراد کی ہم تعداد اس جماعت کا اختلاف رائے ظاہر کرے تو فوراً وزارت مستعفی ہو جائے۔ برطانوی پارلیمنٹ میں ۲۱ مارچ ۱۹۷۱ء کو مخالف جماعت کی طرف سے ایک ریمیمیشن ہو جانے پر مشر جنرل نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر حکومت کی تجویز من و عن منظور کی گئی تو وزارت اپنی عہدہ واپس لے لے گی۔ گویا اکثریت کو حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے حکومت کرے اور اقلیت زبانی جمع خرچ کے علاوہ اگر کسی محقول بات پر صراحت کرے یہاں تک کہ اقلیت اکثریت میں تبدیل ہو جائے تو یہ وزارت پر بے اعتمادی کا اعلان سمجھا جائے گا اسلامی حکومت کے اندر ایسی طرح کی منظم جماعتوں کا التزام نہیں ہے۔ بلکہ ہر مسئلہ پر ہر شخص کو آزاد رائے دینے کا پورا حق حاصل ہے۔

درمیان ہے مگر اسلامی دستور اساسی اپنی جگہ پر پٹان کی طرح جوں کا توں قائم ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ شریعت ہمیشہ کسی نہ کسی پیغمبر پر نازل ہوئی اور اب و مکن رسول اللہ و خاتم النبیین اور لا نبی بعدی کے بعد اسلامی شریعت میں کسی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں۔ دوسرے فرمانِ ربانی اُملتکم دینکم کے بعد اب کسی تبدیلی کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔ اور ان المحکمہ اللہ (یوسف) حکم خدا کے سوا کسی کا حق نہیں۔ کے بعد انسان کو اس معاملہ میں دم مارنے کا بھی موقع نہیں۔ مولانا حفصہ الرحمن صاحب نے "اسلام کا اقتصادی نظام" میں اس اجمال کی تشریح اس طرح بیان فرمائی ہے۔

"اسلام نے جب حریتِ اسلامی کا علم بلند کیا تو سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ اس کے اجتماعی نظام میں حکومت کا فرمانی اور وضع قانون اساسی کا معاملہ دنیا کے کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے، بلکہ حکم صرف خدا کا ہے اور حکمرانی صرف ذاتِ واحد کی ہے۔ وہی وضع قوانین ہے اور اسی کی کا فرمانی سب پر حاوی ہے۔

ملک الناس الذی الناس (ناس) وہ (خدا) نہ فوں کا بات و رہی نہ فوں کا خدا ہے

الا لہ المحکمہ (انعام) خبردار ہو حکمہ ہی خدا کا ہے۔

لیکن اس بات سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ خدا کے بزرگ و بڑے شانوں کو مجبور و معذور کر دیا جو کائنات کی زندگی کی وسعتوں کا اندازہ لگانا مشکل ہے اس لئے اس کے کوئی قانون ایسا نہیں بتایا جاسکتا جس میں چک نہ ہو۔ اور اسلام دینِ فطرت ہے اسی لئے اس کے قانون میں معنی کے اعتبار سے اس قدر یکجہ ہے کہ اس میں ان کی زندگی بالکل سمجھائی ہوئی نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ مذہم میں قیاس کو مشروع کیا گیا ہے۔

پانچہ حضرت عمر فاروقؓ کی ذات باہکات نے فقہ کے سوا دین پر چہ فرمان تھہر فرمایا
مقام میں وضع قانون کے متعلق فرمایا ہے جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن اور حدیث میں اس کا ذکر
نہ ہو۔ اس پر بار غور کرو اس کی مشاغل اور نظیروں کو پہچان کر ان پر قیاس کرو۔

کنز لعل میں قصہ کو ہدایات کے تحت مذکور ہے کہ سنت فوق کا رٹ دھنا "مقدمہ" میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو گرتے ہیں وہ صورت مذکورہ ہو تو حدیث کی طاقت رجحان کر رہی ہے نہ کہ وہ ہو تو جماع سے ورنہ اجتہاد سے کام لو۔

آئینہ تائید ان خیالات و اقوال کے بارے میں جن کا منصب رسالت سے تعلق نہیں رہتا و فرمایا ہے کہ میں آدمی ہوں اس لیے جب دین کی بابت کچھ حکم دوں تو اس کو لو اور اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں بھی ایک انسان ہوں (اعادق ص ۱۹)

نہ دوں انصاف نہ سب سے شکر نشی وغیرہ کے حکام کو اسی قسم کی دے پر محسوس کیا ہے۔

جنس و سبب ہیں کہ سد می قانون اس زمانہ کے لئے مفید رہتا اور اب دنیا ہی گے بڑھ گئی ہے کہ اس کے قدیم قوانین موجود نہ رہیں کو پورا نہیں کر سکتے یہ ایک سطحی بات ہے کیونکہ اسلام کے قوانین نظریہ کام ہیں و رطبت باقیہ مست یک ہی حاکم پر رہ گئی۔ انسان فطرت پرست ہوا، مرد و زبوا، دونوں ایک ہی فطرت پر نہیں جسد سکتا۔

نظام کی تیسری قسم | مہم طور پر حکومت کی تقسیم تین حصوں میں کی جاتی ہے۔

۱, Legislative

وزارت ساز

۲, Executive

انتظامی

۳, Judicial

عدالتی

لیکن یہ تقسیم موجودہ زمانہ کے پیچیدہ نظام کے پیش نظر درست سے زیادہ نہیں ہے۔ رستوں نے حسب ذیل تفریق قائم کی تھی۔

۱, Deliberative

مجلس یا شور سے متعلق

۲, Magistrat

مالکات

۳, Judicial

عدالتی

اگرچہ یونان کی سابق حکومتوں کے نزدیک ہی شعور و تینوں قوتوں کا ایک ہونا وقت و رستوں کا نظریہ

صفت ایک نظر یہ تھا جس پر غلغلہ آمد؛ بل نہیں ہوتا تھا۔

۱. *Adylos* (نہلیو جس میں *Adylos*) سسر و سنے تو دل و توازن قوت پر بہت

زور دیا ہے۔ ن کا خیال تھا کہ ایک قوت دوسری قوت کے اس طرح، تحت رہے کہ کوئی قوت اس حد سے متجاوز ہو کر کام نہ کر سکے۔

موجودہ دور سیاست کا دم پڑن ہے اس سے انتہائی اور مدتی قوتوں کی ترقی زور

دیا ہے۔ اس کی وجہ سے کہ صاحب حکومت اس نے لفظ پرنس *Prince* استعمال کیا ہے (کو خود مدتی قوت

ہاتھ میں نہیں مانی جاتی ہے اور مدتی اختیارات ایک آزاد پیشی کو دیر کے جائیں اور تفریق، فسادات ہی نصف

کا وہ ذریعہ ہے فرانسیسی مصنف (Mondragon) مانٹیکوٹ اپنی کتاب *Le monde de demain* (دن

ہم جو شمس میں شائع ہوئی تفریق اختیارات کے مسئلہ کو نمایاں مانٹیکوٹ آزادی کو بہت عزت کی نگاہ

سے دیکھتا تھا۔ اور آزادی کو انسان کا سب سے بڑا جوہر سمجھتا تھا۔ اس آزادی کا قانون رکھنے کے

سے اس نے تفریق اختیارات کا نظریہ پیش کیا۔ مانٹیکوٹ کا نظریہ اب اہل ہے۔

جب قانون ساز اور مدتی اختیارات یک ہی ذریعہ، جماعت میں متحد ہو جائیں تو اس

صاف میں کسی قسم کی آزادی نہیں رہتی۔ . . اگر قوت فیض اختیار و قانون سازی

کے ساتھ متضاد ہو جائے تو یہ ایک زندگی در آزادی سے بے گناہ رہتا ہے۔ حکومت قانون

بن جائے گی۔ . . اگر وہ مدتی اختیارات کے ساتھ متضاد ہوں گے۔

منصف ایک جوہر کا طبعیت بتا کر رکھتا ہے۔

اس اندیشہ کے ساتھ کہ دستور اس کی اور تمدنی فراخ کو بہت متاثر کر سکتا ہے یہ سب

در منع کر دینی ضروری ہے کہ مانٹیکوٹ نے اس کے حلقہ میں قانون کا جوہر در اس کی ہر سبب

تفریق اختیارات سے متعلق نہیں تھا۔ تمدنی مدتی حیثیت میں حکومت کی حکومت میں وہی تعبیر

نہیں دینی جاتی۔ مانٹیکوٹ نے حکومت کی حکومت پر مدتی اختیار کے حلقہ میں اس کا قانون

اصول کے ساتھ ایک عنوان سے بولی۔ ن دونوں کے حلقہ میں اس کا قانون یہ ظاہر کرتا ہے

عمل کو بحیرہ نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ یہ ایک فاش غلطی تھی۔

اس نظریہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ عدالتی اختیارات کو دیگر اختیارات سے علیحدہ رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ قانون ساز اور انتظامی حکام کو قانون و انصاف میں دخل اندازی سے روکتا ہے (مسند) کے قول کے مطابق یہ ہر اختیار کے سرمپنی تشریح کرنے کی ذمہ داری عاید کرتا ہے۔

(Bodans) بورڈن پہلا شخص ہے جس نے تفریق اختیارات کے مسئلہ کو سوچا اور سمجھا۔ بورڈن کی پیدائش ۱۸۵۲ء میں ہوئی۔ اور اس کے بعد جیسا کہ اوپر لکھ چکے ہیں مانٹسکیو نے اس پر قدم اٹھایا لیکن یہ مسند اس دور میں نظریہ سے آگے نہیں بڑھا لیکن ہم کو تعجب ہوتا ہے جب ہم اسلامی تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ۱۳۳۰ء میں حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ مقرر ہوئے اور جب ہم اس خلیفہ کے کارناموں پر نظر ڈالتے ہیں تو تاسع میں یہ الفاظ بھی لکھے ہوئے ملتے ہیں صیغہ عدالت کے زیر عنوان تفاوت میں مذکور ہے۔

”یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمرؓ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا بے پناہ دیا چہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت تمدنی صیغہ سے علیحدہ قائم کیا جائے دنیا میں جہاں جہاں حکومت سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے، دونوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغہ کو الگ کر دیا۔“

”شروع میں بعض انتظامی دستاویزوں کی وجہ سے کچھ دنوں تک انتظامی و عدالتی صیغے ایک رہے لیکن جب پورا انتظام قائم ہو گیا تو تقاضا کا محکمہ مستقل کر دیا۔“

ان سطور کی روشنی میں کسی دعوے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ متعصب نگاہوں کے علاوہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اسلامی سیاست ابتدا ہی سے کتنی اونچی تھی اور سیاست کے میدان میں جو کارہائے نمایاں مسلمانوں نے کئے وہ کسی قوم سے نہ ہو سکے۔ ایچ۔ جی۔ ویلز (H. G. Wells) جیسے پروپیگنڈہ کرنے والے مہمکش سینہ دل خروش فقر و غریب بیانوں سے مسلمانوں کو سیاست کے بارے میں

مغلس قرار دے سکتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں :-

”اہل عرب خفیت سی سیاسی صلاحیت رکھتے تھے اور انھیں سیاسی تجربہ بالکل نہیں تھا۔“
مگر صداقت کے دلدادہ ہر حکمتی ہوتی شے سونا نہیں ہوتی، کہہ کر ان کتابوں کو طاق لسیاں میں اٹھا کر رکھ دیتے ہیں اور وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ جھگل کے قانون سے اسلام کی زرین روایات کو مٹانے کی ایک ناکام کوشش ہے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ (Encyclopaedia Britannica) لوگوں نے تو سرے سے مشرقی اقوام کو ہی سیاست سے بے بہرہ سمجھ لیا اور وہ سیاست کے میدان میں ان کا کوئی حصہ تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ کتاب مذکورہ کی گیارہویں جلد میں اقوام حکومت کے زیر بحث مذکور ہے۔

”اقوام حکومت کا سوال صرف یورپی اقوام سے متعلق ہے۔ شہنشاہیت اشرافیہ اور جمہوریت کے محاسن و معائب یورپ کی تاریخی حکومتوں کے مظاہر محاسن و معائب ہیں۔ سیاسی تاریخ لکھنے والوں کی زبان کی عمومیت ہمیں اس امر سے اندھانہ کر دے کہ وہ مقابلۂ انسانوں کے ایک قلیل گروہ کے متعلق خیال کر رہے ہیں۔“

سبحان اللہ کیا یادگاری ہے۔ اپنے منہ میاں مٹھو بنا اسی کو کہتے ہیں۔ گویا مشرقی اقوام ہیں اس قسم کی حکومتیں نہ قائم ہوئیں اور نہ مشرق نے ان حکومتوں کے نظریوں میں معاونت کی۔ ~~مشرق~~ حضرات قبول جاتے ہیں کہ مشرقی لوگ زیادہ عملی تھے ان میں یہ مباحث کم ہوتے تھے کہ مرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا۔ وہ انڈا اور مرغی سے برابر استفادہ کرتے تھے۔ لیکن ہاں مثل مشہور ہے کہ چلتی کا نام گاڑی ہے۔ آج یہ لوگ برسرِ اقتدار ہیں جو چاہیں کہیں۔ لیکن لکھن کے الفاظ میں ”وہ تمام آدمیوں کو ہمیشہ کیلئے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔“

مسلمانوں کے سیاسی خزانے خطبات و احکامات کے اندر دفن ہیں۔ یہ لوگ سیاست کو ایک جزو زندگی خیال کرتے تھے اور اس سے اس کو زندگی سے علیحدہ کوئی اور چیز نہیں سمجھتے تھے دوسرے

اس زمانہ میں مضامین کی یہ سیمائی تقسیمیں بھی نہیں تھیں۔ پس تلاشی حق کو ڈھونڈنے سے سب کچھ مل سکتا ہے۔ اور حق پر پردہ ڈالنے والوں کو کچھ بھی نہیں دکھائی دے سکتا۔ متن کے لئے مسد قضا کو لیجے یورپی تاریخ، رومن امپائر کے دوازدہ گانہ قواعد جو رومیوں کے بڑے مفاخر خیال کئے جانے ہیں، پیش کرے گی۔ مگر اسلامی تاریخ اس سے زیادہ شاندار احکامات پیش کرتی ہے، وروہ حضرت عمر فاروقؓ کا قضا کے اصول دین پر ایک فرمان ہے جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ریزہ کو فذ کے نام لکھا تھا موجودہ زمانہ میں چونکہ حکومت کی باگ ڈور مغربی اقوام کے ہاتھ میں ہے اور شرقی اقوام پر ایک سنا زنیایا ہوا ہے۔ اس لئے مشرق کے بیش بہا خزانے دنیا کے سامنے اس صورت سے نہیں آئے۔ لیکن حق کی جستجو کرنے والوں کے لئے یہ بے بہا موتی ہر وقت چشم برداہ ہیں۔

اگرچہ تفریق اختیار کے مسئلہ کی صحت سے انکار نہیں کیا جاسکتا مگر اس پر عمل پیرا ہونے میں آج جو دقتیں پیش آرہی ہیں اس کے پیش نظر اس نظریہ کی اہمیت بہت زیادہ باقی نہیں رہتی۔ . . . حکومت امریکہ جس کا قانون ریاستی سب سے زیادہ اس مسئلہ پر زور دیتا ہے وہ بھی یوری طرح اس مسئلہ پر کاربند نہیں ہو سکی۔ چنانچہ بعض کا خیال ہے کہ موجودہ زمانہ میں تفریق اختیارات اتنی ضروری نہیں جتنی اختیارات کی ربط و بند ہی اور گروہ بندی ضروری ہے۔ ہر حصہ کو اپنے تئیں پہلک کا ملازم سمجھنا چاہئے اور اس کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ انتظام و انصرام امور میں مدد کرے۔ چنانچہ ایچ جے لاسکی نقطہ از میں:-

”قانون ساز مجلس اپنے فرائض انجام نہیں دے سکتیں۔ جب تک کہ وہ قانون کے نفاذ میں دخل اندازی کرنے کے نہ وقت ضرورت جموں کے فیصلوں کو جو عام طور پر ناقابل اطمینان سمجھے جائیں، ایکٹ کے ذریعہ مسترد کر دینے کے قابل نہ ہوں۔“

لاسکی کے نقطہ نظر سے قطع نظر یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ تفریق اختیارات جہاں ہار کر زندگی و تاثیر بخشی کی حامل ہے وہاں بعض اوقات شبہات اور اندرونی اختلافات کا بھی باعث بنتی ہے۔ ہر اختیار زیادہ سے زیادہ، تنہا طاقت کو استعمال کرنے کا خواہشمند اور دوسروں کو اس کے استعمال سے

یہ سب رکن جاتا ہے۔ فائنل (Final) کا قول ہے کہ تفریق اختیارات کا نظریہ حکومت کو غفلت اور بے چینی کے مفاد و حالات میں پھنس دیتا ہے۔ مگر ان سب کے باوجود یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ انتظامی اختیارات کا ملحدہ ہونا انصاف کے لئے ضروری ہے۔

(۱) (Legislation) قانون ساز

جمہوری طرز کی حکومتوں کو اسمبلی، پارلیمنٹ وغیرہ الفاظ دیگر مجلس قانون ساز پر ہیبت ناز ہوتا ہے۔ لیکن یہ قانون ساز مجلس بہت زیادہ عمر نہیں رکھتی (Commonwealth) جس کے قول کے مطابق آئین کے زمانہ میں قانون بنائے نہیں جاتے تھے بلکہ منکشف کئے جاتے تھے۔ جب اول اول پارلیمنٹ کا آغاز ہوا تو اس کا مقصد قانون بنانا نہیں تھا بلکہ روپیہ ہیا کرنا اور روپیہ کی منظوری دینا تھا۔ مگر اب قانون ساز مجلس ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ لیکن یہ سمجھنا غلطی ہو گا کہ جمہوری حکومت میں صرف قانون ساز مجلس ہی قانون کا منبع ہیں۔ پروفیسر ہالینڈ (Halland) نے پانچ حسب ذیل ذرائع اور گنوائے ہیں۔

(۱) Custom and Usage رسم و رواج یا دستور

(۲) Religion مذہب

(۳) Judicial Decision عدالتی فیصلے و تقاضے

(۴) Scientific Command سائنس کی تفسیرات

(۵) Equity اصول معذرت (جن سے قانون کی کوتاہی

کی صوابت کی جاتی ہے اور جو عام رواج اور قانون نافذ الوقت پر جمع سمجھا جاتا ہے)۔

لیکن سب سے زیادہ اہم ذریعہ قانون ساز مجلس ہیں۔ موجودہ زمانہ میں ہی انتظامی حصہ

قانون سازی سے بالکل دست بردار نہیں ہو گیا۔ امریکہ میں صدر جمہوریہ کو بعض اختیارات ہیں جن کو

وہ قانون ساز مجلس (Congress) کے پاس ممبران کی منظوری کے تحت استعمال کرتا ہے۔ برطانیہ میں

پارلیمنٹ صرف قانون کا خزانہ بنا کر رہی ہے۔ ان تماموں کی تفصیلات انتظامی حصہ کے مختلف

محکمے اپنے احکامات سے بناتے ہیں جن میں سے بعض تفصیلات وقتی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہوتی ہیں اور جن کے لئے پارلیمنٹ کی منظوری ضروری ہوتی ہے۔

سوئزرلینڈ میں قانون بنانے کے لئے براہ راست جمہوریت کے بھی حسب ذیل باقیات پائی جاتی ہیں۔

(۱) استشارہ جمہور۔ (کسی خاص مسئلے میں کل رائے دہندوں سے بلا واسطہ فیصلہ چاہتا)۔
(Referendum) عام طور سے اس سے یہ مراد ہے کہ کوئی قانون جو قانون ساز اسمبلی پاس کر دے اس وقت تک مکمل و باضابطہ نہیں سمجھا جاسکتا جب تک کہ ایک مقررہ تعداد جمہور کی اس کے موافق رائے نہ دیرے۔

(۲) *Initiative* شہریوں کا حق قانون سازی (جو مجلس وضع قوانین کے دوسرے شہریوں کو حاصل ہوتا ہے)۔

استشارہ جمہور حق رد ہے کہ قانون پاس ہو یا نہ ہو لیکن شہریوں کا حق قانون سازی انہیں خود قانون کے تجویز کرنے کا حق دیتا ہے۔

(۳) *The Plebiscite* رائے عامہ (کسی اہم جمہوری معاملے میں رائے دہندگان کا بلا توسط نمایندہ رائے دینا) عموماً اس حق کا استعمال کسی ملک کے حصہ کے تبادلے کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ ۱۹۳۵ء میں سار کا علاقہ (*Saar region*) جرمنی کو رائے عامہ کی بدولت ملر صوبہ برار نظام کو اسی کی وجہ سے دیا گیا۔

یہ حق یورپ میں اٹھارویں صدی سے جاری ہے اور مشرق میں بھی بوقت ضرورت اس سے کام لیا گیا ہے۔

ہر مملکت میں قانون ساز مجلس علیحدہ علیحدہ ہیں اور ان کی تفصیلات میں پڑنا ان صفحات کا مطلب نہیں۔ یہاں اسی بات کا یہاں یعنی ضروری ہے کہ قانون ساز مجلس پارٹی بندی پر قائم ہوتی ہیں اور جس پارٹی کو اکثریت حاصل ہوتی ہے وہی وزارت بناتی ہے اور اسی کا ملک پر تسلط ہوتا ہے۔

اگر تمام دنیا کی جمہوری حکومتوں کے آئین و طرز حکومت کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان حکومتوں کا مقصد صرف اکثریت کے حقوق کی نگرانی کرنا ہے اور اس اکثریت میں بھی اکثر محض بھٹیڑ بکریوں کی طرح بڑے بڑے لوگوں کے پیچھے بے سوچے سمجھے چلتے ہیں۔ اور یہی حال نمایندگی کا ہے۔ نامزدہ منتخب کرنے والوں کی نغیات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ یہ نمایندگی یک فریب کے سوا کچھ نہیں۔

اسلامی حکومت موجودہ زمانہ کی جمہوریت سے بالکل مختلف ہے۔ اگرچہ اس کا نظام اس معنی میں جمہوری نظام ہے کہ شریعت نے امت (عالم اسلام) کو پوری پوری آزادی عطا کی ہے کہ وہ اپنی رائے دے سکیں۔ خلیفہ کو منتخب اور معزول کر سکیں اور انصاف کے خلاف کسی حاکم کو قدم نہ اٹھانے دیں۔ حضرت عمرؓ ایسے بارعب خلیفہ اسلام کے رہے اور ایک معمولی حیثیت کے مسلمان تک کو یہ کہنے کی جرأت تھی کہ اگر آپ ذرا راہ حق سے پھرے تو ہم آپ کو چرند کے تھکے کی طرح سیدھا کر دیں گے۔ مولانا حفیظ الرحمن صاحب اسلام کا اقتصادی نظام میں رقمطراز ہیں۔

”اور جس طرح امت مسلمہ پر لزوم جماعت اور اطاعت امیر کو ضروری قرار دیا اسی طرح امیر (خلیفہ) پر یہ واجب کیا کہ وہ مہمات امور میں اہل حل و عقد سے مشورہ کرے اور حسب اقتضای معاملات جمہور سے مشورہ کرنا اپنے اہم فرائض میں سمجھے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشادِ ربانی ہے۔“

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ - (آل عمران)

عزم قائم ہو جائے تو صرف امیر پر بھروسہ رکھو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”عزم سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر کا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر اس مشورہ پر کاربند ہونا ہے۔“
دوسری جگہ قرآن کہتا ہے۔

وَأَمْرٌ شُورَىٰ بِهِ - (سورہ شوریٰ)

اور ان کے معاملہ میں بھی مشورہ کرنا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

لا خلافتا الا عن مشورۃ خلافت بغیر مشورہ کے خلافت نہیں ہے۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ اسلامی حکومت میں خلیفہ اور ایک معمولی انسان میں کوئی فرق نہ تھا اور انصاف کی نگ میں دونوں شہری بالکل برابر تھے۔ دوسرے یہ کہ ہر قدم ہر معاملات مجلس شوریٰ کی رائے سے طے پاتے تھے۔ اگر ہم اسلامی حکومت کی ترکیب اور ساخت پر نظر کریں تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسلامی حکومت کو جمہوریت سے تعبیر کرنا ایک حد تک بجا ہے۔

مولانا شبلی مرحوم الفاروق میں فرماتے ہیں۔

”جمہوری اور شخصی حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر باہر الی نیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے۔ یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی خیر حد یہ ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا مکن اور صرف ایک ممبر رہ جائے۔ برخلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دار و مدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔“

حضرت صدیق اکبرؓ کے خطبہ کے مشہور الفاظ ہیں۔

انا بشر ولست بنجیر من احدکم میں تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں اور تم میں سے
فلا عینی فاذا رايتمونی استعمت ایک معمولی فرد سے بھی بہتر نہیں ہوں۔ پس تم میری
فانسمعونی واذا رايتمونی زغت نگہ نہ کرو اس اگر میں راستی اختیار کروں تو میری
نقومونی۔۔۔ اگر مجھے خبر دیا تو سیدھا کر دو۔

ان الفاظ کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں شوریٰ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور خلیفہ کا مرتبہ ایک شہری سے زیادہ نہیں۔ لیکن مسلمانوں کو یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کا نظام جمہوریت مکمل ہے۔ اگرچہ نظریات کے اعتبار سے اسلامی قانون بالکل مکمل ہے

لیکن عملاً موقع اور عمل کے اعتبار سے جزئی تنقیحات اور تحقیقات کی کافی گنجائش ہے۔

(۲) - - - *Executive* انتظامی۔ انتظامی محکمہ اور انتظامی عمل کی حیثیت حکومت

میں بڑی نمایاں ہے۔ غیر جمہوری حکومتوں میں تو انتظامی عمل جو بادشاہ، شاہنشاہ، یا ڈکٹیٹر کی صورت میں
جہودہ کرتے ہوئے ہیں۔ سب کچھ میں۔ لیکن جمہوری حکومت میں بھی حکومت کا یہ حصہ اس سے کہیں زیادہ
عام بنجیام دیتا ہے۔ جتنا کہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ اس کی حیثیت اس صورت سے اور بھی واضح
ہو جاتی ہے کہ عموماً لوگ غلطی سے اسی کو حکومت کہتے اور سمجھتے ہیں۔ فائمر (Famer) کے
قول کے مطابق۔ انتظامی محکمہ حکومت میں باقی ترکہ یا سوائے والا (Residualary Department) کے
دوسرے دعوے دار مثل شوری اور عدالتوں کے حصہ کے باوجود۔

موجودہ حکومتوں میں نام کے منظم اور دکھاوٹ کے حاکم بھی برسرِ اقتدار ہیں اور ان کو تحقیقی
منظم اور حکام سے علیحدہ بھی پاتا ہے۔ مثال کے لئے اعلیٰ درجے میں بادشاہ سب کچھ ہوتے
ہوتے بھی کچھ نہیں ہے۔ اور اصلی قوت و اختیارات وزیرِ اعظم اور اس کی وزارت کے ہیں درہی دراصل
حکومت کے حاکم اور انتظامی محکمہ کے منظم ہیں

فرانس کے صدر جمہوریہ کو نااختیارات حاصل ہیں اور نہ شاہی شان و شوکت صدر جمہوریہ
امریکہ کو گرچہ شاہی شان و شوکت حاصل نہیں مگر اس کو اختیارات حاصل ہیں۔ وہ تحقیقی معنی میں حاکم
ہے۔ جہاں جہاں یہ نمائشی حکمران فرما رہے ہیں۔ ان کی حکمرانی دکھاوٹ ہے اگرچہ تمام حکومت
ان کے نام سے چلتی ہے اور تمام حکامات ان کے دستخط سے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کسی حکمران پر وزیر کے
دستخط نہیں تو وہ حکم معضوب ہے۔ اسی طرح وائے قانون کی بدست جرمینی کا صدر بھی معضوب نام کا صدر
تھا اور اس کو حقیقی اختیارات سے دور کا بھی سروکار نہ تھا۔

شوریہ کا کام قانون بنانا اور انتظامی محکمہ کا کام قانون کا نفاذ اور قانون کی تکمیل ہے
شوریہ قانون بنانا کر رہا ہے اور تمام انتظام اسی محکمہ کو کرنے پڑتے ہیں اور اسی لئے یہ
حکومت کہلاتی ہے۔

اسلامی حاکم نہ انگلستان کی طرح ہے نہ فرانس کی طرح نہ امریکہ کا صدر ہے، اور نہ سوئزر لینڈ کی کونسل ہے۔ بلکہ وہ خدا کا خلیفہ ہے۔ اور اس کا کام نیابت الہی "اور خدمت خلق" ہے۔

حضرت آدمؑ کے لئے فرمانِ خداوندی ہے۔

انی جاعل فی الارض خلیفہ (بقبرہ) میں اپنا زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔

اور حضرت داؤدؑ کے لئے ارشادِ ربانی ہے۔

یٰٰدَا دَاوُدْ اٰجَعَلْنَاکَ خَلِیْفَۃَ فِی الْاَرْضِ (ص) اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے

نہ وہ کسی پارٹی کا آدمی ہوتا ہے نہ اس پر کوئی پارٹی حاکم ہوتی ہے، نہ پارٹی کی خاطر سیاست چلاتا ہے بلکہ جمہور کا منتخب کردہ ایک ملازم ہوتا ہے جو خدا کے حکم "امہ بالمعروف ونہی عن المنکر"

پر عمل کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ جمہور وہی جمہور جس نے اسکو چنا ہے۔ اس پر عمل کرتی ہے اگر نہیں کرتی تو وہ ان کو سزائیں دیتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ جمہور اس کے حکم سے سرتابی کرتی ہے بلکہ اس لئے کہ مجرم خدا کے حکم سے سرتابی کرتا ہے اور خدا کی بتائی ہوئی حد اس پر عائد کرتا ہے۔ اس طرح پر خلیفہ ماہ حق کا راستہ بھی ہے اور خدمتِ خلق کا خادم بھی۔ وہ نیابت الہی کے منصب سے اگرچہ تمام افراد امت کا والی ہے لیکن اس کے عزل و نصب میں افراد امت داخل و بہیم ہیں اور وہ مہات امور میں ثوری کا پابند ہے اور ہل الراسے کی مشاورت ہی اس کا عزم ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس خط سے جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا خلیفہ کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"بلاشبہ رعایا کے اعمال اسی وقت تک خلیفہ کی طرف رجوع رہیں گے جب تک امیر

خدا کی طرف رجوع رہے گا اور نیابت الہی کی ذمہ داری کو ادا کرتا رہے گا؟

اولیٰ رہے منکم کی کس قدر واضح تشریح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے اگر کوئی شخص لوگوں کے معاملات کا اہل بنا اور اپنے ان کے معاملات کی اس طرح حفاظت نہ کی جس طرح اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتا ہے تو جنت کی پو بھی نہ پاسکے گا۔

۲۔ عداوت ہو سکتا ہے کہ کسی ملک کی مجلس آئین ساز اور محکمہ انتظامی بہت عمدہ ہو لیکن وہاں ایک آزاد اور غیر جانبدار عدالت نہیں تو اس ملک میں انصاف نہ ہو سکتا ہے۔ اسلام جس کی تمام تر بنیاد انصاف و مساوات ہے۔ اس کے نزدیک کوئی سلطنت و حکومت قیام کے قابل نہیں جب تک وہاں مساوات و انصاف کا پورا پورا انتظام نہ ہو۔ اسلامی مساوات کے نمونہ تاریخ اسلام میں اس کثرت سے ملتے ہیں کہ دنیا کی تمام تاریخیں مل کر بھی اس سے آدھے واقعات نہیں پیش کر سکتیں۔

غزوہ بدر میں رحمۃ اللعالمین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک تیرے مجاہدین کی صفیں ٹیک کر رہے ہیں۔ سوا بن غزوہ سے الگ ہیں۔ رحمت اللعالمین چوکا دیکر ان سے صف میں برابر کھڑے ہونے کو فرماتے ہیں۔

فقال یا رسول اللہ اوجعتنی وقد سوادنے کہا یا رسول اللہ آپ نے مجھ کو تکلیف دی تاکہ جنت اللہ بالحق والعدل فاقدنی انہ نے آپ کو حق و انصاف کے لئے مبعوث کیا ہے پس کشف رسول اللہ صلی اللہ علیہ آپ اجازت دیجئے کہ میں آپ سے بدلہ لوں رسول اللہ وسلم عرض بڑھ فقال استغفر صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً پناہ لیں بارگاہ کھول دیا اور قال ذاعتنقه فقل بطنہ فرمایا سواد، پناہ دلہ ضرور لو سواد فوہ آپ کے گلے سے پٹ گئے درہن بارگاہ چوم لی۔

۳۔

دونوں جہان کے سردار کی انصاف پسندی کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو گا کہ جس نے یہ دونوں کوائف بنائے جس نے اب کی قوم کو تمام عالم میں ممتاز بنایا اس قوم کا بک مہولی فرد

اسی آقا سے اس طرح گفتگو کرتا ہے کہ آج صدیاں گزرنے کے بعد بھی ہم کو وہ گفتگو ناگوار ہوتی ہے مگر آپ کی شانِ انصاف کہ آپ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی فرد کسی چیز کو ظلمِ خیال کرتا ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح اس عنوان کے تحت آسکتی ہے تو اس کو طلب کرنے اور انصاف چاہنے کا حق حاصل ہے۔ دنیا کی تاریخ اس قسم کا ایک واقعہ بھی نہیں پیش کر سکتی کہ کسی باختیار انسان سے کسی معمولی فرد کو انصاف چاہنے کا حق اپنے مقابلہ میں دیا ہو، تاریخ شاید ہے کہ اسلامی تاریخ میں اس قسم کا ایک نہیں سینکڑوں واقعات رونما ہوتے ہیں۔ اسلام کے اندر راعی اور رعیت کے اندر بالکل مساوات رہتی ہے اور یہی انصاف کی بنیاد ہے۔ عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو فرمان جاری کیا تھا وہ حسبِ ذیل ہے۔

”خدا کی تعریف کے بعد تمنا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں اپنے مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو۔ تاکہ کمزور، انصاف سے مایوس نہ ہو، اور زور آور کہ تمہاری رورعیت کی امید نہ پیدا ہو، جو شخص دعوے کرے اس پر بہ ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر قسم ہے، بشرطیکہ اس سے حرام، حلال، اور حلال، حرام نہ ہونے پائے۔ کل گرتھ نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو، جس مسئلہ میں شبہ ہو، درقرآن وحدث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں پر خیل کرو پھر قبس لگاؤ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کرو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ، ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہیں باستثنائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سز میں درجے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو، یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں۔“

آج کل کی عدالتوں پر بحث کی جائے تو اس میں ملکی انتظامی واقعات کا ذکر ناگزیر ہوگا۔ سب سے وقت کے فرمان کے آگے مرتبہ کا مناسب ہے۔ واقعاتِ عالم نظروں کے سامنے ہیں۔

ہر شخص خود انصاف کر سکتا ہے۔ لیکن اتنا کہ بغیر بھی نہیں رہا جاتا کہ مختلف ممالک میں جو گورکھ کے
عدالتی صیغے کے بنائے گئے ہیں وہ سب سینما کی نیر کے سوا کچھ نہیں اور کہیں بھی انصاف ہونا
ممکن نہیں۔ اس میں امریکہ و فرانس، انگلستان اور ہندوستان کی کوئی تخصیص نہیں۔

ایں خانہ تمام آفتاب است

جزا اور سزا کے معاملہ کو خدا کے جس حکم پر ختم کیا جاتا جو اس نے اپنے بندوں کے لئے یک
تمغہ کے طور پر پیش کیا ہے اور جس پر عمل کرنے والا دین اور دنیا کی نعمت کا والی بن جاتا ہے۔

و ان عاقبتہم فعاقبوا	اور دیکھو اگر تم بدلہ لو تو چاہئے کہ جتنی اور
بمثل ما عوقبتم به	جیسی کچھ برائی تمہارے ساتھ کی گئی اسی کے
ولئن صبرتم لهو	مطابق ٹھیک نصیب بدلہ بھی لیا جائے (یہ نہ ہو
خیر اللصابرین -	کہ زیادتی کر بیٹھو) لیکن اگر تم برداشت کر جاؤ اور
(۱۴ - ۱۳)	بدلہ نہ لو (یاد رکھو) برداشت کر نوالوں کے لئے برداشت

(ترجمان القرآن، ابوالکلام آزاد) کر جانے میں بہتری ہے۔

حضرت خنساء

عرب کی بہترین مرثیہ گو شاعرہ

جناب مولوی حافظ سید رشید احمد صاحب آرشد ایم اے

حضرت خنساء ایام جاہلیت عرب کی وہ مشہور مرثیہ گو شاعرہ تھیں جنہیں جنت حیل القدر آباد ہے۔
عہد جاہلیت کا بہترین شاعر تسلیم کیا ہے۔ آپ نہ صرف مرثیہ گوئی میں یکتائے روزگار ہیں بلکہ عرب کی
دنیاۓ شاعری میں لاثانی مرتبہ رکھتی ہیں۔ اگر ان کے دونوں بھائی میدان جنگ میں مارے نہ جاتے تو
انہیں دنیاۓ شاعری میں لاجواب عروج حاصل نہ ہوتا۔ درحقیقت ان کی شاعری ان کے دونوں
بھائیوں کی موت کا ایک المناک مرثیہ ہے جسے وہ تمام عمر لاپتی رہیں۔

ابتدائی حالات | خاتون موصوف کی ولادت و وفات میں بہت اختلاف ہے کیونکہ ان کی پیدائش
عہد اسلام سے پہلے ہوئی تھی۔ تاہم جدید ترین تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ آپ ۵۵ھ میں پیدا ہوئیں و
۶۶ھ مطابق ۵۸ھ میں نوے سال کی عمر میں حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں فوت ہوئیں۔

ان کا اصلی نام تھامہ بنت عمرو بن الحارث تھا۔ ان کا خاندان آل الشریکہ کہلاتا تھا۔ جو
جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں قبیلہ بنو سلیم کی شاخوں میں نہایت ممتاز رہا ہے۔

حضرت خنساء حسن و جمال میں اپنے زمانے کی خواتین سے کسی طرح کمتر تھیں۔ آپ عمر میں
اپنے بھائی معاویہ اور صفور دونوں سے چھوٹی تھیں۔ بھائی بہنوں میں اس قدر محبت تھی کہ بھائیوں کے
قتل کے بعد بہن نے تمام عمر وہ بکا کونہ چھوڑا۔

جب آپ بیس برس کی ہوئیں تو آپ کی یاقوت و رفیم و ذکا کا چرچا سن کر قبیلہ بنو حشم کے

سردار درویش بن الصمد نے جو مشہور شہزادہ زبردست شہسوار تھا۔ نکاح کی درخواست کی۔ خنسا کے والد ماجد نے اپنی صاحبزادی سے اس بارے میں مشورہ لیا لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا اور کہا میں اپنے چچے نوجوان بھائیوں کو چھوڑ کر ایک بڑے کموسٹ سے نکاح نہیں کر سکتی۔ چونکہ عرب میں والدین بڑائیوں کی رضا مندی کے بغیر شادی نہیں کیا کرتے تھے۔ اس بنا پر یہ شادی نہ ہو سکی۔

دزد محی زندگی | سب سے پہلے آپ کی منگنی رواجہ بن عبدالعزیز اسلمی سے ہوئی تھی لیکن نکاح سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے آپ کی شادی عبدالعزیز سے رشتہ میں انجام پذیر ہوئی۔ ان سے ایک لڑکا ابو شجرہ عبداللہ پیدا ہوا یہ لڑکا بڑا جنگجو اور بہادر تھا۔ اس نے پوم حوزہ الثانی میں اپنے ماموں صخر کے ساتھ دشمنوں سے بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا تھا اور داد شجاعت حاصل کی تھی۔

عبدالاحزی کے انتقال کے بعد آپ کی دوسری شادی داس بن بنی عامر اسلمی سے ہوئی جو آپ ہی کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس رشتہ ناکحت سے مندرجہ ذیل لڑکے دروزیاں تولید ہوئیں۔

یزید، معاویہ، حزن، عمرو، سراقہ، اور عمرہ۔

اسد می عبد | شہ میں عرب کے قبیلے جوق در جوق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یاس اسلام لانے کے آتے تھے۔ اس سلسلے میں بنو سہیم کا بھی ایک وفد جس میں حضرت خنسا، اور ان کا سوتہلا بھائی عباس بن مردس بھی شامل تھے حاضر ہوا اور سب رکان وفد دارہ سلام میں آ گئے۔

حضرت خنسا کے دو بھائی معاویہ اور صفوان اسد م قبوں کرنے سے پستہ ہمدج بلیت کی خانہ جنگیوں میں قتل ہو گئے تھے اس سے آپ تمام عمان کے تہم میں سو گوارہ ہیں۔ چونکہ بچپن ہی سے آپ کو اپنے بھائیوں کے ساتھ بچہ محبت تھی اور وہ بھی آپ کے ساتھ نہایت محبت سے پیش آتے تھے اس سے یہ رتی طور پر آپ کے قلب بران کی موت کا صدمہ اس قدر گزریں ہو کہ تمام غم آپ کی آنکھیں ان کے غم میں ٹک رہیں ورسدن ہونے کے باوجود روضہ و بکاؤ نہ چھوڑ سکیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں منہ بولوں سے آپ کی شہادت عمر فاروقؓ سے کی اور حضرت عمرؓ نے انہیں اس قدر چٹنے جانے در تہم کرنے سے باز رکھے کی کوشش کی۔ لیکن آپ نے کبھی تنکباری سے رکنے میں اپنی معذرت ظاہر کی تاہم

ما تم اور فوج کے دیگر بوازم مثلاً منہ پر تھمڑا تا، ہمسبر، و رہاں تو چنا ترک کر دیئے تھے۔

مجاہدانہ خدمات | عہد اسلام میں حضرت خنساء کا زبردست کارنامہ یہ ہے کہ آپ عہد اسلام کی اہم ترین جنگ قادسیہ میں بہ نفس نفیس شریک ہوئیں اور اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ وہ اسلام کی خاطر اسی جنگ میں ایرانیوں کے مقابلے میں شریک ہو کر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ آپ کے چاروں لڑکوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی وہ اس جنگ میں نہایت ہوانہ روی کے ساتھ لڑے اور شہید ہو گئے۔ جب آپ کو اپنے لڑکوں کی شہادت کی خبر ملی تو بجائے رنجیدہ ہونے کے آپ نہایت خوش ہوئیں اور خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ اپنے لڑکوں کے ذریعہ سے آخر وقت میں اسلام کی خدمت کر سکیں۔ آپ کے اس جذبہ اسلامی کی بنا پر عہد اسلامی میں بھی آپ کا رتبہ بلند ہو گیا اور آپ قدین دلی کی بہادر صی بیات میں شمار ہوتی تھیں۔

حضرت عمر بن الخطاب بھی آپ کے اس فعل سے بہت خوش ہوئے اور اپنی مدت خلافت تک آپ کے چاروں لڑکوں کا و خیفہ جو تھ سو درم ہوتا تھا صرف آپ کی ذات کو دیتے رہے تھے۔

وفات | کثرتِ نوحہ، بکا اور بڑھاپے سے حضرت خنساء بہت ضعیف ہو گئی تھیں۔ آخر عمر میں آپ اپنی طبیعت کے سہارے جیتی تھیں، سر کے بال تمام گر گئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے سر منڈایا ہوا ہے۔ ستر عمر میں آپ نے بنی لڑکی عمر کی شادی کی رسم داکہ تھی۔ اس خوشی کے بعد آپ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکیں۔ اور حضرت امیر معاویہ کے عہدِ خلافت میں ۳۶ھ مطابق ۶۵۷ء میں آپ اس دیردانی سے رحلت کر گئیں۔ آپ کی اولاد آل شہید کہلاتی تھی اور مشہور اسلامی مورخ بن خلدون ذکر کرتا ہے کہ آل شہید بعد کے زمانہ میں اقلیٰ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور مورخ مذکور کے زمانے تک ان کی نسل نہایت شان و شوکت سے زندگی بسر کرتی تھی۔

شعر کی ترتیب | یام جاہلیت میں شعرا کے لکے کا رواج نہ تھا۔ بلکہ ہر قبیلے کے افراد اپنے باکمال شعر کے ساتھ رزبانیاں یاد رکھتے تھے اور انہیں اپنا قومی سرمایہ سمجھا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل عہد جاہلیت کے شعرا کا کافی ذخیرہ محفوظ رہا ہے۔ چونکہ حضرت خنساء قبیلہ بنو سلیم سے تعلق رکھتی تھیں اس لئے اس قبیلہ نے آپ کے اشعار کو محفوظ رکھا اور یہ سلسلہ روایت در روایت دوبار، شعراء

حقیقت یہ ہے کہ شاعرہ موصوفہ کے مرثیے دلی رنج و الم کے گہرے تاثرات کی صحیح تصاویر اور ان فی جذبات کے آئینہ دار ہیں۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صنفِ نسواں میں قدرت نے یہ ملکہ و رعیت کر رکھا ہے کہ وہ اپنے اندرونی جذبات و خیالات و عواطف کو مؤثر طریقہ سے ادا کر سکیں۔ نہ شیشہ دل اس قدر نازک ہوتا ہے کہ ذرا سی بات پر اسے ٹھیس لگتی ہے اور ان کے احساسات و جذبات مجروح ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صنفِ لطیف جب شعروادب کے میدان میں آئی ہیں تو نہایت کامیاب ہوئی ہیں۔ اسی حالت میں عرب کی یہ خاتون جنہیں ہم قارئینِ کرام سے روشناس کر رہے ہیں۔ کیسے فوٹوس رہ سکتی تھی جبکہ عیب کا ذرہ ذرہ شعریت کا منظر تھا اور ان کے نازک شیشہ دل پر وہ چوٹ لگی ہو جو بقول اس کے کسی نے نہیں کھائی ہے۔ ان کے دل میں رنج و غم کا ایک طوفان موجزن تھا۔ جو تمام عمر اشکباری پر بھی تم نہ سکا۔ اور آخر میں ان کی جان لیکر رخصت ہوا۔ ان کے اشعار دردناک و مجروح دل کی ایک فریاد ہے وہ بے سہماری آنکھوں کے سامنے ان کے بھائیوں کے صفات و اخلاق کی مکمل تصویریں پیش کرتے ہیں اسی وجہ سے دوسرے مرثیہ گو شاعران کے برخلاف ان کے مرثیے تصنع اور تکلف سے پاک ہیں اور اس قدر مؤثر ہیں کہ جب انسان انہیں اصلی زبان میں پڑھتا ہے تو وہ اس کے دل پر تیر و نشتر کی طرح چبھتے ہیں۔ خسارہ بی زبان کی غالباً سب سے پہلی مرثیہ گو شاعرہ ہیں۔ ان سے پہلے پہلبل شاعر یا گدرا ہے جس نے چند مرتبہ کہے ہیں۔ لیکن سے باقاعدہ مرثیہ گو شعرا کی صفت میں جگہ نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے عربی مرثیہ گوئی کے بنی کی حقیقت سے انھوں نے فطری اور پُر اثر شاعری کی بنیاد ڈالی جو آنے والے عربی شعراء کے لئے چراغِ ہدایت ثابت ہوئی۔

ہندی و عربی شاعری میں بہت مدت تک فطرتی اور جذباتی رنگ جھلکتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب عربوں نے یونان اور روم کے فلسفے کو رواج دیا۔ اس وقت انھوں نے یونانی اور لاطینی شاعری کو ہاتھ تک نہیں لگایا کیونکہ عربوں کے پاس ایسا ذخیرہ ادب موجود تھا جس میں فطرت انسانی کا سادہ مگر صحیح طریقے سے ترجمانی کی گئی تھی اور وہ یونانی اور لاطینی شاعری کی صنم رستی اور خرافات

قصوں سے پاک و صاف تھا۔ خسار کے بعد عربی زبان و ادب اور شاعری میں بہت ترقی ہوئی۔ اور عربی زبان بدول اور صحرائیوں کی زبان سے ایک مجذب اور شائستہ قوم کی زبان بن گئی تھی۔ مرثیہ گوئی اور دوسری اصناف شاعری میں کافی ترقی ہوئی مگر خسار کی سادہ اور پردرد شاعری بہت کم شاعروں کو نصیبی ہوئی۔ بلی الاخیلیہ سے مقابلہ بعض لوگوں نے جن میں مشہور ادیب اسمعی اور ابو زید بھی شامل ہیں۔ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ بلی الاخیلیہ جو اسلامی عہد کی مشہور شاعرہ خاتون تھیں حضرت خسار سے جمال شعری، سلامت روانی اور تخیلات میں بڑی ہوئی ہیں۔ ان کا یہ خیال ایک حد تک درست بھی ہے کیونکہ خسار کے زمانے میں عربی شاعری ابتدائی حالت میں تھی۔ خیالات کی وسعت و فراوانی، سلامت و روانی اس قدر نہ تھی جو اسلامی عہد میں پیدا ہوئی اور اس کے علاوہ وہ زمانہ غنہ جاہلیت کا تھا اور ماحول بھی بہت محدود تھا ان حالات میں خسار کی شاعری میں وہ خصوصیات نہیں پیدا ہو سکتی تھیں جو بلی الاخیلیہ سے مختص ہیں تاہم حضرت خسار کی سادہ اور پراثر شاعری کا جواب ان کے پاس بھی نہیں تھا۔

نور کلام | قارئین کرام کی معلومات افزائش کے لئے ہم حضرت خسار کے منتخب اشعار کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں لیکن ہمیں اندیشہ ہے کہ خسار کا سونو گماز جو اصل زبان میں موجود ہے ترجمہ میں پیدا نہیں ہو سیکے گا۔

اے میری آنکھو! آنسو نہ بہاؤ اور روتا بند نہ کر دو تم میرے فیاض بھائی صخر پر کیوں آنسو نہیں بہاتی ہو؟ کیا تم اس بہادر خوبصورت نوجوان سردار کے لئے نہیں روتی جو قد آور شریف خاندان والا تھا اور نو عمر ہی میں اپنے قبیلہ کا سردار بن گیا تھا جب کوئی قوم بزرگی اور شرافت حاصل کرنے کے لئے مستعد ہوتی تھی تو وہ بہت پہلے اپنا ہاتھ بڑھاتا تھا اور ان سب سے بڑھ چڑھ کر کمال حاصل کرتا تھا۔ اس کی قوم نصیب کے وقت اسے بلاتی تھی۔ اگرچہ وہ سب سے نو عمر تھا۔ لیکن شرافت کا مہر اسی کے سر رہا تھا۔ وہ بہترین کام ہی سمجھتا تھا کہ قابل فخر کرنا ہے۔

۳۔ ایک دفعہ حضرت خسار نے فاختہ کو جلائے دیکھا فوراً ان کا غم تازہ ہو گیا اور میا ختہ یا شازبان پر پڑا۔

مجھے صخر یاد آیا جب فاختہ ایک صفت پر نالہ و فدا کر رہی تھی اس کی آواز سن کر میں غم کے آنسو

ماننے لگی اور اس کے دل سے میری دردناک کہانیاں نکلتی گئیں۔

اس کے درمیان قبر کے بڑے بڑے پتھر اور جنگل حائل ہیں۔

”اے آنکھ تو اس قدر نہ رو کہ آنسو خشک نہ ہو سکیں اور میری یہ آنکھیں اشکوں سے لبریز رہیں۔

میں دیکھ رہی ہوں کہ زمانے کا تیر خطا نہیں جاتا اور جسے زمانے نے ہلاک کر دیا ہو وہ لوٹ کر نہیں آتا۔“

”اگر صخر جیسا فیاض آدمی قبر میں آسودہ ہے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ دنیا میں تو نفع و نقصان

پہنچانے کی طاقت کا مالک تھا۔ (کمال حاصل کر گیا)

خزانہ ادب کی روایت ہے کہ مشہور شاعر جریر سے دریافت کیا گیا ”سب سے بڑا شاعر کون ہے“

اس نے جواب دیا اگر غنسا رہے ہوتی تریں ہوں : لوگوں نے پوچھا وہ کس بات میں تم سے بڑھی ہوئی ہے

اس نے کہا ان اشعار سے جن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

۳۔ بے شک زمانہ جس کے عجائبات بے انتہا ہیں ہمارے لئے برائی چھوڑ دیتا ہے اور نالائقی اور

بیوقوف لوگ تو زندہ رہتے ہیں ہمیں عقلمند لوگوں کی موت کے منہ کا داغ دیا جاتا ہے۔ اس سرزمین میں

صرف ان کے سر اور قبریں باقی رہتی ہیں۔ سردوں میں سے پرندہ نکل کر ان کے انتقام کے لئے چلاتا رہتا ہے

(پرانے غریبوں کا عہد جاہلیت میں یہ عقیدہ تھا کہ مقتول کے مرنے کے بعد اگر اس کا انتقام نہ لیا جائے تو ایک

پرندہ جو غالباً سنخوس آتو ہوتا ہے، کھوپڑی میں سے نکلتا ہے اور اس کی قوم کو انتقام پرا بھارتا ہے وہ یہ چلاتا ہے

”مجھے سیراب کرو اور جب تک مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے وہ چلاتا ہی رہتا ہے۔ یعنی انتقام لینے پر جاہلیت

کے غریبوں کے عقیدے کے مطابق اسے سیرابی ہوتی ہے اور اس وقت وہ خاموش ہو جاتا ہے۔ اس

شعر میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔)

”دن اور رات میں انقلاب ہوتا رہتا ہے لیکن یہ فنا نہیں ہوتے مگر انسان فنا ہو جاتا ہے“

چونکہ ان اشعار میں گہرے فلسفیانہ خیالات کا اظہار کیا گیا تھا۔ اس لئے جریر نے انہیں بہت پسند کیا

مندرجہ ذیل اشعار اس کے آخری قصیدے سے ماخوذ ہیں جو انھوں نے اپنے بڑے بھائی صخر کے

مرثیہ کے طور پر تحریر کئے۔

”میرا نام سوتا ہے تو مجھے تہمات اس کی یاد بیدار رکھتی ہے اور جس وقت صبح ہوتی ہے

اس وقت بھی میں صخر کے ماتم میں مشغول نظر آتی ہوں۔ صخر کون ہے؟ صخر وہ شخص ہے جو میدان جنگ اور نیزہ بازی کے وقت کام آکر تاتا تھا جو تلہ کے مقابلہ میں مظلوم کی حمایت کیا کرتا تھا۔ وہ زمانے کی مصیبتوں پر غالب رہا کرتا تھا اور بڑی بڑی گتھیوں کو بلا نزع سلجھا دیا کرتا تھا۔ رات کے وقت آنے والے مہمان یا پناہ لینے والے مسافر جن کے خوفزدہ دل ہر گھنٹی کی آواز پر کانپ جایا کرتے تھے۔ اس کے مہمان ہوتے تھے۔ انہیں یہیں پناہ ملتی تھی۔ وہ ان مہمانوں کی اس قدر خاطر مدارت کرتا تھا کہ وہ اپنی تکلیفیں بھول جاتے تھے اور قسم کے قاتل سے محفوظ رہتے تھے۔ کسی جن و بشر پر اس طرح مصیبت کا پہاڑ نہیں ٹوٹا۔

میں طلوع آفتاب و غروب آفتاب کے وقت صخر کو یاد کرتی ہوں۔ گرمیوں اور سردیوں کی کثرت نہ ہوتی تو یقیناً میں خود کشی کر لیتی۔ لیکن میں بہت سی عورتوں کو دیکھ رہی ہوں کہ وہ بھی ایسے منحوس دنوں پر فوج خواتین کر رہی ہیں۔ ایک عورت کو میں نے کل شام اپنے بھائی پر فوج کرتے دیکھ کر عورتیں مہر ہی طرح نہیں رو سکتیں (جس نے تمام عمر اشک باری میں ختم کر دی ہے) تاہم میں ان کے غم کو دیکھ کر دل کو تسلی دے لیتی ہوں۔

”اے بھائی! خدا کی قسم میں نہیں ہرگز بھولوں گی تا آنکہ میری جان جائے اور میری قبر پر پت جائے۔ ہائے افسوس! کیا میرا بھائی صبح و شام قبر ہی میں لیٹا رہے گا۔“

آفریں پدیکھاری بہن سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتی ہے۔

آسمان تیری کد پر شبنم نشانی کرے سبزہ نورستہ اس گھر کی بھبھائی کرے

اس بد نصیب خانوں نے تمام عمر اپنے بھائی کے فراق میں اشکباری کر کے گزاری۔ مگر رونے

سے بڑا ہوتا ہے صرف دل کی بھرا اس نکالی جاتی ہے وہ نہ بقول عرفی سے

عرفی اگر گریہ میرے شد سے وصال

سدا ساں میتواں بہ متا گریستن

ادبیت

نوائے جبریلؑ

از جناب ماہر القادری

پیغام سناتے ہیں یاب تک لب جبریلؑ
وہ مدرسے بازار تجارت میں کہ جن میں
بے سوز ہے لب روح ہے یہ گرمی محفل
اس روح میں ارباب تصوف کے اشارے
یہ واعظ و صوفی کی حکایات و کنایات
الواجب زبور آج بھی اس غم میں ہیں خاموش
مغرب میں عجب چیز ہے تاریخ و روایات
اس قوم کے ایمان کا اللہ ہی حافظ !
ہے بدر کا میدان مسلمان کی فردوس
یہ خانقہ سلسلہ رشد و ہدایت
ہے ذات محمدؐ ہی یہ ہر خیر کی تکمیل
مذکور احادیث نہ قرآن کی ترتیل
واعظ کے فسانوں میں یہ تخیل ہی تخیل
قرآن کا مفہوم بھی کر دیتے ہیں تبدیل
یہ حسن مراعات ہے وہ صنعت تعلیل
باقی نہ رہی عصمتِ اوراقِ اناجیل
تنقید میں بھی لاگ ہے اور جرح نہ تعدیل
جس قوم میں ہوتی ہو مزارات کی قبیل
اتنی بھی بہت کچھ ہے اس احوال کی تفصیل
کچھ جدتِ تشبیہ ہے کچھ ندرتِ تشیل

برلن کی ہو تہذیب کہ لندن کا تمدن
یہ فتنہ فرود ہے وہ مکہ عز ازل

دو منظر

از جناب مہر القادری

دربار کسری :-

نغمہ ہر بطن، صدائے چنگ و سنہ
شیشہ و ساغر، فروغ موج مے
نقطہ نقطہ گردش جام و سبو
ہے ہے پے رقص بتان لالہ رُو
پردہ ہائے اطلس و کُتُوب و زر
غیرت فردوس - سقف بام و در
عود و گل، فانوس و نقل و انگبین
جنت شہاد بر روئے زمیں
ہیں طریق عیش - با جاہ چشم
عشرت جمشید، زندہ در غم
مزدک و زردشت در فکر و نگاہ
آتش سوزندہ، معبود و الہ

سلطنت شاہی بہ ایں جاہ و وقار

آدمی را آدمی پروردگار

بارگاہ فاروق اعظم :-

کوز و گول، بوریہ، تان جوہیں
یک قبا کہنہ، شکست آستین
چوب خرماسقف را تمکین داد
سادگی ایں خانہ را تزیین داد
بردش یک جاجب دربان نیست
حرف او جز آیہ قرآن نیست
تاج دیں بر سر، جہاں زیر قدم
فاریخ روم و فلسطین و عجم
بر زمین بنشستہ مثل و یگران
جانشین اسوہ پیغمبران
لرزہ بر اندام کفر از نام او
سوز عشق مصطفیٰ پیغام او

خیرگی را، بچو صبح شرق کرد

در بیان حق و باطل فرق کرد

تبصرے

رعنائیاں | از جناب شکیل بدایونی۔ تقطیع متوسط ضخامت ۱۹۰ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت تین روپے پتہ:۔ کتب خانہ عزیز یہ جامع مسجد دہلی

جناب شکیل بدایونی۔ اردو کے نوجوان مقبول شاعر ہیں۔ نظم اور غزل دونوں پر انھیں قدرت حاصل ہے۔ ان کا تخیل رنگین اور بیان کا انداز عام طور پر شیریں اور مترنم ہوتا ہے۔ حضرت جگر مراد آبادی ایسا شاعر ہے جسے "شاعرِ فطرت" تسلیم کر لے اس کو پھر اپنے کمال شعر گوئی کے ثبوت کے لئے کسی اور سند کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ زبان کی بعض کمزوریوں اور خامیوں کو خود جگر صاحب نے ہی مانا ہے۔ لیکن ہم کو جگر صاحب کے اس نظریہ سے اتفاق نہیں ہے کہ

"میں زبان کو لباس اور معنویت کو محبوب تصور کرتا ہوں اور میرے نزدیک حسین وہی ہے جو ہٹا پرانا۔ میلا کچھلا لباس پہن کر خود لباس کو بھی حسین بنادے نہ یہ کہ خود محتاج زیبائش

و آرائش ہو" (ص ۹)

اس میں شک نہیں کہ خدا جس کو خوبی عطا فرماتا ہے وہ بناؤ سنگار اور زیبائش و آرائش کا محتاج نہیں ہوتا۔ لیکن حسن کی فطرت یہ ہے کہ وہ خود جس طرح حسین ہے۔ اسی طرح وہ چاہتی ہے کہ اس کا منظر یا لباس بھی حسین ہو اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو اگرچہ حسن کا حسن بجائے خود قائم رہتا ہے اور اس کی ذات و صفات میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔ تاہم یہ ضرور ہوتا ہے کہ حسن کی جلوہ فروشی کا وہ عالم باقی نہیں رہتا جو لباس و منظر کے بھی حسین ہونے کی صورت میں ہو سکتا تھا اس انمل بے جوڑ پیوند کا اثر یہ ہوتا ہے کہ چشم مشتاق و تماشا میں کو دیدِ جہاں سے وہ سکون و اطمینان اور سیر نگاہی و شگفتگی حاصل نہیں ہوتی جو اسے طبعی طور پر حاصل ہونی چاہئے تھی۔ آفتاب کی کرنیں، نجاست و

غلافت پر پڑتی ہیں تو عفونت کا غبار اثر کر ان کے حسن تابش کو بھی گرد آلود کر دیتا ہے۔ لیکن جب یہ ہی شعاعیں شبنم کے چمکیلے قطروں پر عکس فگن ہو جاتی ہیں تو اب ان کے حسن کا عالم ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ جگر صاحب غالباً اس نظریہ ہی کے باعث اپنے کلام کو زبان کے اعتبار سے اس مرتبہ تک نہیں پہنچا سکے جو معنوی اعتبار سے اسے حاصل ہے ورنہ اگر جگر کا تخیل، مہر و مومن، یاد داغ و حسرت کی زبان کے قالب میں جلوہ نہا ہوتا تو کون بتا سکتا ہے کہ اس شراب آتش کی تیزی و تندی کا کیا عالم ہوتا۔ ہمارے نزدیک جگر صاحب کا یہ نظریہ نوجوان شاعروں کے لئے سخت ترین غلط فہمی اور گمراہی کا باعث ہو سکتا ہے اس لئے ہم کو اپنا نقطہ نظر کسی قدر وضاحت سے ظاہر کرنا پڑا۔ بہر حال شکیل کا کلام ان کے شاعر فطرت ہونے کی غمازی کر رہا ہے اور مشق اور مطالعہ اگر جاری رہا تو بے شبہ ایک دن وہ مسلم اساتذہ سخن میں ہوں گے۔ اس مجموعہ میں حمد و نعت، غزلیات، قطعات اور نظمیں غرض یہ کہ سب کچھ ہیں۔ بعض اجض اشعار تو اس درجہ ابلیلے اور بانگے ہیں کہ داد دینے کو بے اختیار جی چاہتا ہے مثلاً

فلوت حسن شش جہت کی قسم بزم کون و مکاں ترے صدقے

بے قیامت کا انتقال رہنور دل کی بیتابیاں ترے صدقے

جاتے ہیں دل میں چھوڑ کے وہ جلوہ خیال بجتی ہے شمع گھر میں اندھیرا کئے بغیر

اکثر تو دل گرفتگی شوق کی قسم مجھ تک وہ آگئے ہیں ارادہ کئے بغیر

اپنی تو اب تمام ہوئی کائناتِ غم دوا شک تھے سودیدہ ترے گذر گئے

اور کیا ہوتی بنائے عالم دیوانگی جب فزول ہوتا غم آنکھیں چرا جانا ہڈی

مسلمانوں کی مشہور لڑائیاں | از جناب محمد تیس خاں صاحب ناغہ۔ تقطیع خورد۔ ضخامت ۸۸ صفحہ

ظہارت و کتابت متوسط قیمت چھ روپے۔ انجمن ترقی اردو ہند عابدی روڈ حیدر آباد دکن۔

اس کتاب کے لائق مولف ایک بڑے فوجی عہدہ دار ہیں اور ہندوستانی فوج کے ساتھ بڑے

بڑے معرکوں میں شرکت کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی مطالعہ کا ذوق و خداداد بھی رکھتے ہیں۔ اس ذوق کا نتیجہ

یہ کتاب ہے جو غالباً موصوف کی پہلی قلمی کوشش ہے اس میں اسلامی تاریخ سے چن کر گیارہ مختلف لڑائیوں کا بیان ہے جو ایران، شام، اسپین، سندھ، جزیرہ سسلی، فلسطین اور خراساں وغیرہ میں لڑی گئیں۔ ~~اس میں~~ مسلمانوں نے سامان جنگ اور سپاہیوں کی دشمن کے بالمقابل کمی کے باوجود شجاعت اور بہادری کے حیرت انگیز کارنامے انجام دیے۔ یہ کتاب موضوع بحث کے اعتبار سے مختصر بہت ہے لیکن لائق مولف نے یہ اختصار قصداً اس لئے اختیار کیا ہے کہ مطالعہ کسی کو گراں نہ ہو اور مسلمان اپنے اسلاف کی بہادری کے کارناموں سے واقف ہو جائیں۔ عام بچوں اور بچوں کے علاوہ اس کتاب کا مطالعہ ان مسلمانوں کو ضرور کرنا چاہئے جن غریبوں کو اپنی اقلیت کا ڈر کسی کل چین نہیں آنے دیتا۔

مسکراتے آتسو از بھارت چند صاحب کمنہ تعلیق خورد و خوامت ۱۵۲ صفحات کتابت دہلی
متوسط قیمت ۱۱ روپے۔ عبدالحق اکیڈمی اشاعت منزل اردو گی حیدر آباد دکن۔

کمنہ صاحب اردو زبان کے نئے لکھنے والوں میں سے ہیں۔ لیکن قلم میں روانی اور بیان میں شگفتگی کا جوہر ان کی تحریروں سے عیاں ہے۔ یہ کتاب موصوف کے دس افسانوں کا مجموعہ ہے جن میں ہندوستان کی عام سماجی زندگی کے مختلف خط و خال نمایاں کئے گئے ہیں۔ اس طرح پلاٹ میں افادیت کا رنگ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ کمنہ صاحب کے قلم کی رفتار بتا رہی ہے کہ اگر وہ برابر لکھتے رہے اور اردو زبان کے مسلم اساتذہ کے اسالیب نگارش کو سامنے رکھ کر وہ اپنے ذوقِ ادب کی تکمیل کرتے رہے تو ایک دن صبح اول کے ادبوں میں ان کا شمار ہو سکیگا۔ ان افسانوں میں "ادیب بیوی"، "نوکر"، "شیرنی کا بچہ" اور "تین خط" ہیں خاص طور سے پسند آئے۔ ایک شگفتہ تحریر میں "لب شرک" ص ۴۹، "ظہور ہونے والی" ص ۵۰، "رنگ برنگے" ص ۵۶، اور "دن بدن" ص ۸۰ جیسی غلط ترکیبیں ہی طرح کھینکتی ہیں۔

مولوی محمد ادریس پرنسٹن و پبلشر نے
جید برقی پریس میں طبع کرا کر دفتر
رسالہ برہان دہلی قرولباغ سے شائع کیا